فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون

تصنیف لطیف

حضرت مولانا خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

مقاصد السالکین

اسلامک کلچرل فاؤنڈیشن یو۔کے

مقاصد السالکین

—— از تصنیف لطیف ——

تجرید ابوالوقت حضرت خواجہ ضیاء اللہ صاحب نقشبندی
رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

—— مترجمہ ——

سگِ درگاہ سرکار نقشبندیہ مسکین ملک فضل الدین نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

عرض ناشر

اسلام اپنی اصل و حقیقت کے اعتبار سے تزکیۂ روح اور تصفیۂ قلب کا متقاضی ہے۔ اور جس کے ذریعہ یہ منشاء ایزدی حاصل ہوتا ہے اس علم کو ہم احسان یا تصوف کے الفاظ سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ جو آدمی اپنے من کی دنیا کو آب تصوف سے سیراب کر لے وہ تشکیک و اضطراب کی دلدل سے نکل کر ایقان کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے پھر وہاں سے اس کے پائے استقلال کو دنیا کی کوئی طاقت بھی ہلا نہیں سکتی۔ جس طرح ہر شعبہ ھائے زندگی انحطاط پذیر ہوا وہاں تصوف بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، خام خیال اور جاہل صوفیاء نے شریعت و طریقت کو جدا جدا اور گداگری اور دولت کے حصول کے ذریعہ کے طور پر پیش کیا۔ جو کہ از خود احتساب تھا اسے انہوں نے اکتساب کی صورت اختیار کی۔ اس میں نام و نمود سے دوری تھی اب یہ اشتہار کا روپ دھارے ہوئے ہے۔ اس میں تفکر و تدبر تھا اب اس پہ تکلف وارد ہے یہ دور تصوف کے انحطاط کا دور ہے لیکن ہر دور میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں ان خاصان خدا سے اب بھی زمین خالی نہیں ہے لیکن حقائق شناسی دشوار ہو گئی ہے۔

"مقاصد السالکین" اہل تصوف و اہل دل حضرات کی تنہائیوں کا ساتھی رہی ہے ایک لمبے عرصے تک لوگ اس سے استفادہ کرتے رہے اور یہ کتاب تشنہ لبوں کو سیراب کرتی رہی ہے کچھ عرصہ سے یہ کتاب ناپید ہو چکی تھی اور اس کی ضرورت کا احساس اس بات کا متقاضی تھا کہ یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو۔ ہمارے سامنے "اسلامی کتب خانہ۔ دہلی" کا نسخہ ہے جسے قند مکرر کے طور پر شائع کر رہے ہیں تاکہ یہ کتاب شکستہ دلوں اور منزل کی جستجو کے متوالوں کے لیے مشعل راہ بنی رہے اور اس کی اشاعت کی جو ضرورت محسوس ہو رہی تھی وہ پوری ہو سکے

فہرست مضامین

مقاصِد السالکین یعنی مطالب العارفین

یہ کتاب جو طالبِ مولیٰ کے لیے بے نظیر رہنما ہے۔ حضرت خواجہ ضیاء اللہ علیہ الرحمۃ کی تصنیف لطیف میں سے ہے۔ اس کتاب کا ایک ایک لفظ اخلاق محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور شریعتِ عالیہ کی تابعداری سے پُر ہے۔

یہ کتاب فارسی زبان میں عجیب و غریب دلکش پیرایہ میں بعبارت فقہ لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ وہی کتاب ہے جس کو جناب خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ نور محمد صاحب تیراہی نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ ہر وقت اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے، بلکہ یہاں تک جناب کو اس کتاب سے محبت تھی کہ آپ اس کتاب کو بوقت خواب شب بھر اپنے سینۂ مبارک پر رکھ کر آرام فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ نیازمند کو حضور علیہ الرحمۃ کے سلسلہ میں دعوائے غلامی ہے اور یہ نعمتِ عظمےٰ نہایت تلاش و تجسس سے حاصل ہوئی، لہٰذا فائدۂ عام کے لیے اس کا عام فہم اُردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ نے اس کتاب میں پانچ مقصد مقرر کیے ہیں جن کو نمبروار ملاحظۂ ناظرین کے لیے درج کر کے یہ دکھانا ہے کہ اس مبارک کتاب کے کیسے عالی مضامین ہیں:

مقصدِ اوّل شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر مستقیم رہنے، رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی تابع داری نماز کی حقیقت۔ حضرت رسالت پناہ علیہ التحیۃ والثناء کے اخلاق۔ درود شریف کی بزرگیاں۔

صفحہ : **مقصدِ دوم** نفس کشی، نفس سے لڑائی، اپنی اصلیت کو پہچاننا تقسیمِ اوقات۔ قرآن مجید پڑھنے کے فضائل۔ تہذیبِ اخلاق، نفس کشی اور اس کے ساتھ لڑائی کے علاوہ کئی ایک اور فائدے۔

صفحہ : **مقصدِ سوم** ذکر کے فضائل۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو یاد کرنا۔ دُنیا کی حقیقت۔ کلمہ طیبہ یعنی نفی اثبات۔

صفحہ : **مقصدِ چہارم** خدا کی درگاہ کا حضور، علم کی حقیقت۔ اولیاء اللہ کی صحبت کے فائدے۔ آدابِ مراقبہ کی حقیقت۔ کشف وکرامات کے حالات۔ خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں گریہ وزاری کرنے اور اپنی ہستی کو نیست کرنے کی حقیقت۔ اولیاء اللہ کے پہچاننے اور دلوں میں تمیز کرنے کے علاوہ کئی مفید باتیں۔

صفحہ : **مقصدِ پنجم** حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا عشق ومحبت۔ مناجات بدرگاہِ باری تعالیٰ۔ خاتمہ کتاب کے علاوہ ہر مقصد میں بے نظیر، نصیحت آمیز کارآمد باتیں اور تمثیلاً حکایات قابلِ مطالعہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

نذر

سلامے یا رسول اللہ سلامے　　فرستادم بدرگاہت پیامے
خدارا سوئے مشتاقاں نگاہے　　پیاپے گر نباشد گاہے گاہے

یہ عام قاعدہ ہے کہ مصنفین اور مؤلفین اپنی تصنیف و تالیف کو کسی بڑے آدمی کے نام اس غرض سے معنون کرتے ہیں کہ اس تصنیف و تالیف کی عزت و عظمت بڑھے۔ اور نیز خود مصنف یا مؤلف کو اُس سے فائدہ پہنچے۔ لیکن جب میں نے اس ترجمۂ کتاب کو مکمل کر کے چھپوایا تو خیال ہوا کہ یہ کتاب جو اپنے مضامین عالی کے لحاظ سے بہت بڑے مرتبے کی ہے، کسی ایسے ہی صاحبِ شوکت و عظمت کے نام سے نامزد کیا جائے جس سے اس کتاب کی عزت بڑھے اور میرا بھی فائدہ ہو۔

اس معاملہ پر بہت روز تک سوچا، مگر جو کچھ کہ میری دلی خواہش و آرزو تھی، وہ کسی سے پوری ہوتی نظر نہ آئی۔ آخر کار دلِ وارفتہ میں ایک فوری خیال پیدا ہوا جو ایک پیارا منظر ہمراہ لایا تھا اور معاً دل میں گھر کر گیا۔ بس یہ ٹھن گئی کہ کیوں نہ اس مبارک کتاب کو ایسے پیارے اور پاک نام سے معنون کیا جائے جو کُل عالم کا سردار ہے اور جس کے سچے نام سے ہی دونوں جہان مزین ہیں۔ اس کے وجودِ عالی سے اس کتاب کے ترجمہ کا معنون کرنا ایک اعلیٰ تابع داری اور اخلاص کا پیمانہ ہے۔

سُبحان اللہ! اس عالی سرکار کا کیا تذکرہ! ایک لمحہ میں تمام مطالب دینی و دُنیاوی پورے ہو جائیں گے۔

بس اس سے بڑھ کر نذر سے اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ لہذا اس پیارے نام کی جناب میں یہ کتاب معنون کرتا ہوں جو ذیل کے اشعار سے قوتِ متخیلہ آسانی سے رسا ہو جائے گی ؎

چشم او روشن سواد از کحل مازاغ البصر
شق صدرش موضع مضمون انشق القمر
شمع جمعِ انبیاء مخبر رُسل خیرُ البشر
عیسیٰ و داؤد صولت موسیٰ و ادریس فر
خواجۂ ہر دوسرا خورشید اوج والضحٰی
درۃ التاجِ نبوت شافعِ روزِ جزا

یہ خاکسار نہایت عجز و نیاز کے ساتھ بصد زاری و بیقراری و انکساری اس ترجمۂ کتاب "مقاصد السالکین" کو اپنے مولائے کریم ولی نعمت، ہادیٔ برحق خواجۂ دوسرا، محبوبِ کبریا، شاہنشاہِ دوعالم، فخرِ عرب والعجم، سیّد المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین قبلۂ دین کعبۂ ایمان، مولانا سیدنا نبیّنا

حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ

صَلَوٰةُ اللہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ

کے اسمِ عالی سے معنون کرتا ہے

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

اس نذر پیش کرنے کے بعد اس سرکارِ عالی میں دلی مدعا اور آرزو حسبِ ذیل اشعار میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں۔ امید ہے کہ بارگاہِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس روسیاہ کو بامراد فرمایا جائے گا۔

وہ دلی مُدعا اور آرزو یہ ہے :

السلام اے دوجہاں کے بادشاہ | مجھ غریبِ خستہ پر بھی اک نگاہ
چارہ سازِ بیکساں بیکس ہوں میں | آرزو مندِ درِ اقدس ہوں میں
رحم کر دے اے کریمِ بیکساں | چھوڑ کر یہ آستاں جاؤں کہاں
ہوں پیاسا شربتِ دیدار کا | تجھ سوا ہے کون مجھ بیمار کا
گو بُرا ہوں یا بھلا جیسا ہوں میں | سگ تیرے ہی در کا کہلاتا ہوں میں
فکر رہتی ہے یہ مجھ کو روز و شب | روزِ محشر ہوں گے سب جس دم طلب
کوئی اُٹھا بادۂ وحدت سے مست | کوئی پہنچا ساغرِ خلت بدست
کوئی اپنے زُہد پر نازاں چلا | کوئی اٹھا جھاڑ کر داماں چلا
یا تو میں ہوں یا دلِ مایوس ہے | شرم ہے اور حسرت و افسوس ہے
کون پوچھے گا مجھے سرکار میں | ہاتھ خالی میں چلا دربار میں
ہاتھ خالی اس طرف جاتا ہوں میں | اور تہی دستی سے شرماتا ہوں میں
عابدوں کے ساتھ کیسے جاؤں میں | رُو سیہ ہوں منہ کسے دکھلاؤں میں
باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا | آسرا واں ہے تو بیشک آپ کا
دستگیرا دستگیری کیجئے | آبرو میری وہاں رکھ لیجئے
سخت مشکل ہے کہ وقتِ جاں کنی | ہوتی ہے شیطاں کو فکرِ رہزنی
کشمکش میں یہاں تو اپنی جان ہے | اور دشمن در پئے ایمان ہے

سخت طوفانِ بلا ہے نزعِ رُوح
آپ اس طوفانِ آفت کے ہیں نوح

باپ بیٹا، بھائی کام آتا نہیں
ساتھ بیکس کے کوئی جاتا نہیں

ایسی مشکل میں خبر لیجے میری
سیّدِ عالم مدد کیجے میری

جب تباہی میں پڑے میرا جہاز
مشکل آساں کیجئے بندہ نواز

اس گھڑی رحم آپ کا درکار ہے
گر کرم کیجے تو بیڑا پار ہے

دم نکل جائے وہ صورت دیکھ کر
خاتمہ ہو آپ ہی کے نام پر

جس دم آئیں قبر میں مُنکر نکیر
دستگیری کیجئے یا دستگیر

شکل ان کی دیکھ کر مضطر نہ ہوں
وہ جمالِ دلربا پہچان لوں

دولتِ دیدار جس دم پاؤں میں
قبر میں اٹھ کر فدا ہو جاؤں میں

گرد پھر پھر کر کبھی قربان ہوں
اس کفِ پا سے کبھی آنکھیں ملوں

حال میرا آپ سے مخفی نہیں
شرحِ غم پھر کیا کرے اندوہگیں

ہاں طبیبِ مہرباں بیمار ہوں
دردِ ہجراں سے بہت لاچار ہوں

آتشِ دُوری جلاتی ہے مجھے
اور تپِ ہجراں ستاتی ہے مجھے

ہجر میں ایسا نہ ہو یا شاہِ دیں
ہند کا ہو جاؤں میں رزقِ زمیں

رحمت عالم خدا کے واسطے
اپنے حُسنِ دلربا کے واسطے

چار یارِ باصفا کے واسطے
اہلِ بیتِ مجتبےٰ کے واسطے

آس مجھ رنجور کی مت توڑیئے
تشنہ کو محروم یوں مت چھوڑیئے

ہجر میں گزری جواب تک زندگی
زندگی سے ہے مجھے شرمندگی

آستانے پر بلا لیجے مجھے
وصل کا ساغر پلا دیجے مجھے

رات دن ہوتا رہے بس برملا
عمر بھر نظارہ اس درگاہ کا

در کو تکتے تکتے ہو جاؤں ہلاک
وہاں کی خاکِ پاک میں مل جائے خاک

نامِ نامی پر ہو حُسنِ اختتام
خاتمہ ہے نام اس کا والسلام

○

اے جانِ صد ہزار چو ما وقف جانِ تو
ہر دم ہزار تحفۂ ما بر روانِ تو

○

صد سلامت میفرستم ہر دم اے فخرِ کرام
بو کہ آید یک علیکم در جوابِ صد سلام

○

مِسکین ملک فضل الدین

تمہید از جانبِ مترجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد و ثنا اُس خالقِ ارض و سماء اور مالک ہر دو سرا کو ہے، جو اضداد سے مبرّا اور انداد سے منزہ ہے جس کے مقدس اسماء میں سے ایک صمد ہے۔ اس کی ذاتِ پاک لَمۡ یَلِدۡ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ہے۔ وہ ملکِ حنان اور جوادِ منان ہے۔ وہ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ اپنے کمال فضل و کرم سے اپنے خاص بندوں کو صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے اور ایسا حکیمِ حاذق ہے کہ روحانی بیماروں کو اپنے قرب و محبت کے دواخانہ سے اپنے وصال کا خاص الخاص شربت پلاتا ہے۔ زاہدوں، عابدوں، سالکوں اور عارفوں میں سے جنہیں اپنی طرف مشغول کرتا ہے، انہیں طاعات، عبادات اور سلوک و معرفت کا مزہ چکھاتا ہے اور عفت و عصمت کا بیش قیمت لباس پہناتا ہے۔ اُس کی تجلیاتِ کاملہ کے انوار سے انبیاء و اولیاء کے دل منور اور اس کی معرفت کے خزانوں سے عارفوں کے سینے روشن ہوتے ہیں۔

اور درود نامحدود اُس ہادیٔ اکمل اور رسول بے بدل پر جن کی شان میں ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ

یعنی احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ جنہوں نے لاکھوں خلقِ خدا کو کفر و ضلالت کے تنگ و تاریک گڑھوں سے نکال کر اوجِ تقرب ربانی پر پہنچا دیا۔ الحق جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت میں باخلاصِ تمام دل لگایا۔ اس نے ظاہری و باطنی نعمتوں کو حاصل کیا اور روحانی یا ابدی لذتوں کا مزہ پایا۔ اگر تمام دنیا کے لوگ آپ کی نعمت میں

معروف رہیں، تو بھی ممکن نہیں ہے کہ یکے از ہزار اور اندکے از بسیار سے عہدہ برآ ہو سکیں۔
لہٰذا الحال اسے خداوند تعالیٰ کے حفظ و امان میں چھوڑ کر عاصی پُر معاصی مَلک فضل الدین
ککے زئی لاہوری، بخدمتِ خادمانِ اہلِ سلوک اور جاں نثارانِ اربابِ تصوف عرض کرتا ہے
کہ اس زمانہ میں جبکہ اصفیائے عظام اور حضرات صوفیائے کرام جو بمنزلہ جواہرات یکتا اور
دُرِ بیش بہا تھے اور جن کے دل حق تعالیٰ کی محبت سے نہاں، اور جن کے سینے نورِ معرفت
سے مالامال تھے، اس دنیائے فانی سے اُٹھ گئے۔ اور جو خال خال باقی ہیں، وہ بھی بر سرِ راہ ہیں۔
اور بجائے اس کے کہ دنیا کو ان کے نعم البدل ہاتھ آئیں۔ ہر کس و ناکس اس پاک اور مقدس خرقہ
کی بے حرمتی میں سرگرم ہے، یعنی سوائے اس کے کہ شریعتِ غرا نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام
پر مضبوط قدم رکھیں اور عارفانِ اہلِ کمال سے فیوض و برکات کا اقتباس کریں۔ خود بخود فرضی
ادعائی صوفی بن بیٹھے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ روحانی برکات کے خزانوں سے مالامال ہوتے
اور خلقِ خدا کو نصیبہ دیتے۔ اُلٹے گمراہی اور کج ادائی میں پڑ کر اوروں کو بھی اپنے ساتھ لے
ڈوبے ہیں اور عوام کالانعام کو قسم قسم کے سبز باغ دکھلا کر دنیا طلبی کو عمل میں لاتے ہیں،
اُن کی وہی مثال ہے ؏

بدنام کنندۂ نکونامے چند

اللہ اللہ! ایک وہ جماعت سلف صالحین تھی جو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت اور شوق
میں ایسے مستغرق تھے کہ دنیا و مافیہا کو اس کے مقابلہ میں کمتر از ہیچ یقین کرتے تھے اور باوجود
ہزاروں دیگر فیوض و برکات کے خوارق و تصرفات بھی انہیں عطا فرمائے گئے تھے، مگر وہ ان
کو امانت سمجھ کر استعمال میں نہ لاتے تھے اور اپنی ذات کو اس طرح پر بے کسی، بے بسی اور گمنامی
کی حالت میں رکھتے تھے کہ کم ہی کوئی شخص ان کے حالات سے واقف ہو سکتا تھا اور وہ
اس قوی دشمن اور زبردست قوت پر جس کا نام نفس امارہ ہے، ایسے غالب تھے کہ اُسے توڑ پھوڑ
کر ٹکڑے ہی ٹکڑے کر دیتے تھے۔ وہ کسی سے امداد لینے کو یہاں تک ناپسند رکھتے تھے کہ اگر سواری

کے وقت چابک ہاتھ سے گر جائے تو راحلہ سے اتر کر خود ہی اٹھاتے تھے۔ وغیرہ

یا آج کل کا زمانہ ہے کہ نہ لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل۔ یعنی نہ کسی صاحبِ ذوق سے ذوق حاصل کیا، نہ کسی عارف سے متعارف ہوتے، نہ کسی اہلِ سلوک کی صحبت میں چند روز بسر کیے، نہ کسی قسم کی ریاضت کی، نہ مجاہدہ نہ کوئی مرشد پکڑا۔ نہ پیرِ طریقت، نہ ہی حقیقت کی راہ پائی۔ اور معرفت کا نصیب ہونا، تو پھر ظاہر، مگر اس پر بھی وہی ہانک لگائے جاتے ہیں ع

ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں

کوئی ایسا مقدس نام نہیں جس سے اپنی ذات کو نامزد نہ کرتے ہوں۔ کوئی ایسا خطاب نہیں جس سے اپنے تئیں مخاطب نہ کرتے ہوں۔ اگرچہ قرآنِ مجید میں صاف حکم ہے، وَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ مگر خدا اور رسول کے دشمن اپنی ذات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے برتر بتاتے ہیں، اپنی مدح سرائی میں یہ غلو کرتے ہیں اور آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں کہ ملکوت السموات و الارض کی چابیاں گویا ہمارے ہی ازار بند کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں۔

مرا عی کہ چنداں ورع مے نمود   چو دیدم در و ہیچ انباں نبود   (سعدی)

ان لوگوں کا حال کہاں تک بیان کیا جائے، پناہ بخدا! بجائے حرمین شریفین جانے اور کعبہ کا حج کرنے کے وہ اپنے گاؤں کی چار دیواری ہی کا لوگوں کو طواف کراتے ہیں، ان کے نزدیک رشد و ہدایت اسی کا نام ہے کہ اپنا سکہ جمایا جائے۔ ان کے نزدیک حصولِ سعادت یہی ہے کہ درم و دینار اور روپیہ پیسہ پر قبضہ پایا جائے۔ ان کے نزدیک تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا حال نہ پوچھو۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں ہتک آمیز الفاظ اور ناشائستہ کلمات بکنا اور اپنے مریدوں کے دلوں سے ان کی تعظیم و تکریم اٹھا دینا۔ ان کی نفس کشی کا یہ عالم ہے کہ بادام روغن میں دم کیے ہوئے پلاؤ اڑانا، شہواتِ نفسانی کا قلع و قمع یہ کہ یاقوتیاں اور زمرد کوٹ کر قوت کے نسخے اڑانا۔ ان کے ارشادات تلقین اور ملفوظات کا ماحصل یہ کہ جھگڑالو اور ہٹ دھرم تیار کیے جائیں جو ہر ایک سے لڑائی بھڑائی اور جھگڑے رگڑے ہیں لگے رہیں۔ ان کے خوارق و عادات

اور تصرفات کا یہ انتہا ہے کہ بے اندازے پیشین گوئیاں اور خونی الہامات سے لوگوں کو دھمکایا جائے۔ جو آخر الامر جھوٹی اور حدیث نفس نکلیں' ان کا نفس امارہ کے ساتھ جنگ و جدل فقط یہی ہے کہ خلقِ خدا کے ساتھ مقدمہ بازی کی ٹھانی جائے تاکہ مشہوری کے باعث اُتو سیدھے کیے جائیں۔ افسوس صد افسوس ؂

چنیں نیست بازی غلط باختی　　　حسابے برخود برانداختی

پس ایسے بھلے مانسوں کے ہاتھ سے خلقِ خدا کو نجات دلا کر اصلی اور حقیقی تصوف کا راستہ دکھانا ایک کام ہے۔ اس بارے میں اس عاجز نے بہت سوچ بچار کی اور آخر الامر طبیعت نے یہ فیصلہ دیا کہ بزرگانِ سلفِ صالحین کی مبارک اور متبرک تحریروں کو ایک آسان اردو سلسلہ کے طور پر شائع کیا جائے جس سے معلوم ہو جائے:

(۱) اصلی اور حقیقی صوفی کون لوگ ہیں؟

(۲) ان کی کیا شناخت ہے؟

(۳) ان کے کیا کیا فرائض ہیں؟

(۴) ان میں' اور بے مرشدے' روپے پیسے بٹورنے والوں میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟

(۵) کافۃ المسلمین میں' جو متبرک و مقدس جماعت صوفیائے کرام کی نسبت بداعتقادی پھیلتی جا رہی ہے وہ بذریعہ اس سلسلۂ اُردو کے دور کی جائے اور مکالمات اور ملفوظات بزرگانِ سلف کو پیش کیا جائے جن پر کاربند رہنے سے معبودِ حقیقی کا راستہ نصیب ہو۔

میرے دل میں بارہا یہ خیالات بھی متواتر راہ پاتے ہیں کہ اس سفرِ دراز کے لیے جو مجھ شرمندہ عقبیٰ کو پیش آنے والا ہے اور جس میں سینکڑوں رکاوٹیں اور ہزاروں کٹھن منزلیں ہیں' میرے پاس کچھ زادِ راہ بھی موجود ہے یا نہیں! تو اس کا جواب طبیعتِ صاف نفی میں دیتی ہے۔ پس اس مالکِ حقیقی کی لاثانی بخششوں اور لامحدود عنایتوں سے کیا بعید ہے کہ مذکورہ سلسلہ تصوف ہی بامداد رُوح پُر فتوح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و حضرات اصحاب کبار و صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میری نجات کا ذریعہ ہو۔ الغرض اس سلسلۂ کتب اُردو کی جو غیر زبانوں سے ترجمہ کیا جائے گا' ان میں سب سے اوّل اردو ترجمہ

کتاب "مقاصد السالکین"

ناظرینِ باتمکین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس ترجمہ کو ماشاءاللہ بامحاورہ، آسان، عبرت انگیز اور معنی خیز دکھانے میں حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ یقین ہے کہ اس سے مبتدیوں اور منتہیوں کو برابر فائدہ حاصل ہوگا اور ناظرین پر مخفی نہ رہے گا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی درگاہ تک پہنچنے کے لیے انسان پر کیا کیا کام ہیں جن پر عملدر آمد کرنا لازمی اور لابدی ہے۔

میں اپنے مخدوم و مکرم حضرت حافظ مولوی امام الدین صاحب گجراتی کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنا بیش قیمت اور لاثانی وقت اس بامحاورہ ترجمہ کے مدارج نگاہ میں رکھنے اور اصل فارسی کتاب میں جو غلطیاں تھیں ان کے درست کرنے میں مجھے پوری پوری مدد دی ہے، بلکہ میں بے مبالغہ کہتا ہوں کہ اگر وہ اس امداد سے پہلو تہی کرتے تو یہ نسخہ عجیبہ جو اس لاثانی (علمِ تصوف کے) سمندر میں تیرنے کے لیے ایک جہاز کا کام دیتا ہے اور سلوک و عرفان کا مغز و عطر ہے، شاید شائقین کے ہاتھوں میں نہ آتا۔

پس ان احباب صدق و صفا کی خدمت میں جو اس پاکیزہ کتاب کے مطالعہ سے استفادہ کریں گے، التماس ہے کہ مجھ عاصی پُر معاصی اور تمام مسلمانوں کے حق میں دُعائے خیر فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔ فاطر السمٰوٰتِ والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما و الحقنی بالصٰلحین

بندۂ درگاہ

نیاز آئین کمترین ملک فضل الدین ککے زئی

اُردو ترجمہ کتاب

مقاصِدُ السّالکین

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد بسیار اور ثناء بے شمار اس خالقِ ارض و سما کے لیے ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے رنگارنگ کی مخلوقات اور ملک و ملکوت کی کائنات کو لفظ "کُن" کے حکم سے ایک لمحہ میں پیدا کیا اور اپنی تمام خلقت میں سے انسان کو اپنی دوستی کے لیے پسند کیا اور قسم قسم کی عنایتوں سے سرفراز کیا اور اپنی معرفت کے اسرار اور محبت کے انوار عارفوں کے دلوں میں رکھ دیئے۔

اور بے نہایت درود، صاحبِ لولاک، جن و انس کے رسول، قاب قوسین کے جہان کے تخت نشین، انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے سردار، ولیوں اور برگزیدوں کے رہنما، **احمدِ مُجتبیٰ محمدِ مُصطفےٰ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی پاک رُوح پر۔ جس نے دنیا کی اندھیری رات کو شریعتِ حقّہ کے سورج سے روشن اور منور کیا اور خلائق کو ہلاکت اور جہالت کے گڑھے سے نکال کر سیدھے راستے میں لا کھڑا کیا ؎

آں شہنشاہِ سیّدِ دوجہاں — عاجز از نعتِ اُو زبانِ بیاں
شرحِ اوصافِ اُو زِ سر تا پا — نہ توانی گفت کس بغیر خدا
گر نہ بودے وجودِ اُو مقصود — از عدم کس نیامدے بوجود

دل وجانم فدائے او بادا   سرِ من خاکِ پائے او بادا

(ترجمہ) "وہ شاہنشاہ جو دونوں جہاں کا سردار ہے۔ زبانِ بیان اس کی نعت سے عاجز ہے۔ اس کے اوصاف و خوبیاں، ابتدا سے انتہا تک خدا کے سوا کوئی بھی ادا نہیں کرسکتا۔ اگر اس (پاک رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے وجود کو پیدا کرنا (خدا تعالیٰ) کا مقصود نہ ہوتا، تو دنیا میں کوئی پیدا نہ ہوا ہوتا۔ میرا دل اور میری جان اس پر فدا ہو اور میرا سر اُس کے پاؤں کی خاک ہو۔"

خدا تعالیٰ کے درود اس پر، اُس کی آل پر، اس کے اصحاب اور تابعین پر ہو۔

اس کے بعد دردمندانِ اہلِ شوق کے دلوں پر پوشیدہ نہ رہے کہ طلب اور شوق کے پہلے، ان حروف کے راقم کو اہلِ معنیٰ اور مشائخ وصوفیاء "ان سب پر خداوند تعالیٰ راضی ہو" کے کلام سے بھرپور محبت تھی۔

چنانچہ اکثر اوقات ان کے مطالعہ اور سیرِ معانی میں بسر ہوتی تھی۔ اسی اثنا میں کبھی کبھی دل میں آتا تھا کہ اگر یہ توفیق میرے رفیق ہو تو مختصر عبارت میں جس کے معانی بہت ہوں، ایک کتاب لکھوں جو خدا طلبی کے راستہ میں کام آئے اور ہر خاص و عام اپنی اپنی سمجھ کے موافق اس سے فائدہ حاصل کرے اور خدا تعالیٰ کے راستے کی حقیقت پہچان سکے۔ اس لیے کہ جو نیک عمل انسان سے صادر ہو، اس سے لسے نیک اجر ملتا ہے۔ اس مفلس بے متاع نے اپنے بکھرے ہوئے اعمال میں سے بہتر، اس سے بہتر اور خوشتر کوئی عمل نہ جانا کہ چند باتیں صراطِ مستقیم پر لکھے اور چند شوق انگیز، محبت آمیز لطیف کلمے رقم کرے۔ کیا عجب ہے کہ ان کے مطالعہ سے کسی شخص کے شوق و ذوق کا نور بڑھے اور نیک بختی کی توفیق کی چابی اس کے ہاتھ آئے اور یہ گناہوں سے آلودہ گنہ گار فقیر بھی بمصداق اس حدیث پاک کے: من دل علی خیر فھو کفاعلہ (ترجمہ) "جس شخص نے نیکی کا راستہ بتایا، گویا وہ بھی اس نیک کام میں شامل ہے۔" ثواب میں داخل ہو۔

لہذا اس راستہ میں چلنے کے فائدے بلاشبہ وشک میرے دل میں تھے۔ پس اصحاب شوق اور اربابِ ذوق کے لیے رقم کر دیئے۔

یہ کیسے ہی عجیب وغریب پھول، اہل معنی کے سے میری قوتِ حافظہ کے میدان میں جلوہ گر تھے۔ سو ان پھولوں میں سے، ہر مطلب و مدعا کے موافق چن کر موقعہ بموقعہ لکھ دیئے اور برجستہ مضامین کا ایک گل دستہ بنا دیا۔

ولیوں اور برگزیدوں کے کلمات میں سے ہر ایک سخن ایک معطر پھول ہے جو مغزِ جان کو عطر ناک کرتا اور سینکڑوں شوق، ہزاروں ذوق بڑھاتا ہے ؎

دریں نسخہ سخن پر مغز گفتہ	ہزاراں تازہ گل در وے شگفتہ
پُر است از گوہرِ معنی سطورش	تجلی دیدۂ اعمےٰ و نورش
بیک نظارہ ظلمت دل بشوید	غبارے خاطرِ برہم بشوید

(ترجمہ) "اس کتاب میں مغزدار باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اس میں ہزاروں تازہ پھول کھلے ہیں۔ اس کی سطریں معنوں کے موتیوں سے بھرپور ہیں اور اندھوں کی آنکھوں کے لیے تجلی اور روشنی ہیں۔ ایک ہی نظارہ سے دل کی سیاہی دور ہو جاتی ہے اور پریشان دل کا گرد و غبار دھل جاتا ہے۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب خدا کے راستے کے سب کے سلوک کو جامع ہے اور اس میں قسم قسم کے فائدے شامل ہیں۔ اگر کسی سالک نے عشق کے مے خانہ سے دُرد و محبت کی چاشنی چکھ لی ہو اور وہ اپنے دل کی تر و تازگی کے لیے ان معنوی پھولوں کا نظارہ کرے تو اس کو پورا حصہ اور بڑی بھاری حظ حاصل ہو گی اور اس کا ذوق و شوق زیادہ سے زیادہ تازہ ہو گا اور طلب بڑھ جائے گی اور اس کے حُسن و قبح کو معلوم کر لے گا اور اگر کوئی غافل شخص جس کے دل کی آنکھ غفلت کے دھواں سے سیاہ ہو گئی ہو۔ یقین کے رُو سے مطالعہ کرے گا، تو کام کی حقیقت پر واقف ہو جائے گا اور دنیا کی محبت سے

اس کا سرد دل اور خدا کی یاد میں سرگرم ہو جائے گا۔ وہ بیگانہ پن کو چھوڑ کر یگانگی تک پہنچ جائے گا اور شیطانی وسوسوں اور نفسانی حرص و ہوا سے خلاصی پا جائے گا۔ گناہوں سے پرہیز اور طاعت میں رغبت اس کے نصیب میں ہوگی اور اس مطلب کو یقینِ دل سے جان لے گا کہ محبتِ الٰہی سے بہتر اور خوشتر کوئی دولت نہیں ہے ؎

ایں سعادت ہر کہ را در بر گرفت　　　خاکِ پائش را فلک بر سر گرفت

(ترجمہ) "اس سعادت نے جس شخص کو اپنے گود میں لیا، اس کے پاؤں کی خاک کو آسمان نے اپنے سر پر اٹھالیا۔"

پس جہاں تک کہ فرصتِ وقت کا اقتضاء تھا ۱۱۴۰ھ ایک ہزار ایک سو چالیس مقدس ہجری میں احقر العباد فقیر ضیاء اللہ نے (اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کرے) اس کتاب کو جس کا نام "مقاصد السالکین" ہے اور پانچ مطلب پر شامل ہے، تحریر کیا۔ اور ہر ایک مطلب میں آبدار گوہر اور بے شمار زمرد سعادت کے خزانوں کے خریداروں کے لیے جلوہ گر کئے ؎

دادیم نشاں زگنجِ مقصود ترا　　　گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

(ترجمہ) "ہم نے آپ کو مقصود کے خزانہ کا پتہ دے دیا ہے۔ اگر ہم مطلب مقصود پر نہیں پہنچے تو غالباً آپ پہنچ جاؤ گے۔"

پہلا مقصد: شریعت پر مستقیم رہنا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت۔ اور بعض شرطیں، نماز کی حقیقت۔ حضرت رسالت پناہ علیہ التحیۃ والثناء کے اخلاق۔ دُرود کی بزرگیاں اور کئی ایک فائدے۔

دوسرا مقصد: نفس کشی، نفس سے لڑائی۔ اپنی اصلیت کو پہچاننا۔ تقسیمِ اوقات۔ قرآنِ مجید پڑھنے کے فضائل۔ تہذیبِ اخلاق۔ نفس کشی اور اس کے ساتھ لڑائی کے کئی ایک اور فائدے۔

تیسرا مقصد: ذکر کے فضائل۔ حق تعالیٰ سُبحانہٗ کو یاد کرنا۔ دنیا کی حقیقت۔ کلمہ طیبہ۔ نفی و اثبات اور کئی ایک اور فائدے۔

چوتھا مقصد، خدا تعالیٰ کی درگاہ کا حضور۔ علم کی حقیقت۔ اور اولیاء اللہ کی صحبت کے فائدے اور آداب۔ مراقبہ کی حقیقت۔ دل کی حقیقت۔ کشف کرامات کی حقیقت۔ خداوند تعالیٰ قدوس کی درگاہ میں گریہ زاری کرنے اور اپنی ذات کی توڑنے کی فضیلت میں۔ اہل اللہ کے پہچاننے اور دلوں میں تمیز۔ اور کئی ایک دیگر فائدے۔

پانچواں مقصد: حق سبحانہٗ تعالیٰ کی عشق و محبت۔ مناجات بدرگاہ باری تعالیٰ۔ چند ایک اور فائدے۔

پہلا مقصد

اے عزیز! ولایت کے درجوں کو پانا۔ طاعت پر مداومت کرنا۔ دوزخ کی آگ سے چھٹکارا۔ بہشت کی نعمتوں میں داخل ہونا۔ تہذیب اخلاق۔ خداوند تعالیٰ کا قرب و وصال۔ معنوں کے بھیدوں کا ظہور۔ نفسانی حرص کی مخالفت۔ خداوند تعالیٰ کی رضامندی۔ نہایت صدق و صفائی سے خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ سب کے سب اعلیٰ مرتبوں کا حصول۔ دین و دنیا کی سعادت، دونوں جہان کے سرور، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں ہی وابستہ ہے۔

جس شخص نے اپنی ذات کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کرنے سے سنوار لیا، سعادت کی روشنی اس کی پیشانی سے ظاہر ہوئی، مگر وہ بدبخت کہ اس دولت سے محروم رہا۔ شقاوت کا داغ اس کے چہرہ پر عیاں ہوا۔ وہ کیا ہی سعادت مند اور صاحب نصیب شخص ہے جو اس آیہ کریمہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ (ترجمہ) "یعنی اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ ایسا کرنے سے خداوند تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے سب کے سب گناہ بخش دے گا"۔ کے چراغ کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر طے کرے اور اپنے تمام کاموں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حمیدہ اخلاق کا اقتدا کرے۔ یہی تو باعث ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک خدا تعالیٰ کی درگاہ کے نیک اور مقبول بندے اور شریعت کے انوار کا اقتباس کرنے والے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سنت کے ادا کرنے کو سینکڑوں چلوں اور ریاضات سے بہتر یقین کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعمال میں سے کسی ایک عمل کو تمام عبادتوں سے زیادہ بزرگ جانتے ہیں۔ وجہ اس

کی یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے محبوب (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو اسی صفت سے موصوف کیا جو اس کے نزدیک مقبول و محبوب ہے۔ پس کسی قسم کی عبادت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بہتر اور خوشتر نہیں ہے اور کوئی طاعت، شریعت پر استقامت رکھنے سے زیادہ بزرگ نہیں ہے۔ جو شخص دین و دنیا کی سعادت پر پہنچنا چاہے کہ طریقت وحقیقت کا جمال اس پر جلوہ گر ہو، تو اس پر لازم ہے کہ ظاہر و باطن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں ہی کوشش کرے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقۂ مبارک پر ہی مداومت کرے تاکہ (قضا و قدر) اس کی عزت اور اس کے اقبال کا آفتاب، سعادت کے اُفق سے اس پر چڑھائیں اور اس کے دل کو معانی کے نور سے روشن کریں۔

اب ان معانی کو یقینِ دل سے جان کہ انوار کے جواہر اور اسرار کے گوہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خزانہ کے سوا ہرگز منہ نہیں دکھاتے اور نیک بختیوں کے گنج اور بے انتہا دولت، محمدی گنجینہ کے سوا کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت ایک ایسی نعمت ہے جو سب نعمتوں سے بڑھ کر اور اس بیچوں و بیچگوں خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ جس شخص کو تقدیر میں سعادت نصیب ہوتی ہے (قضا و قدر) ہر ایک شرعی امر کو کمال حسن و خوبی سے اس کی نظر میں جلوہ گر کرتے ہیں اور جس کے حصہ میں شقاوت لکھی گئی ہے۔ اس کے نزدیک احکامِ دین کا ہر ایک حکم بہت ہی سہل اور نہایت ہی بے مقدار دکھلاتے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

(ترجمہ) "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔"

نقل ہے کہ حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو

ارشاد فرمایا: "اے میرے حبیب! سب لوگ میرے عاشق ہیں اور میں تیرا عاشق ہوں۔ سب میری رضامندی کے طالب ہیں اور میں تیری رضامندی کا طلب گار ہوں۔"

پس خدا تعالیٰ کے سب دوست اس مطلب کو خوب یاد رکھیں کہ" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقبول اور خادم" حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ کی درگاہ کا مقبول ہے اور دونوں جہان کا مخدوم ہے جس انسان کے لیے خدائے واحد کی درگاہ میں (قضاو قدر نے) راستہ کھول دیا ہے۔ فقط اُسی (رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی متابعت ہے اور جس کے سر پر عزت واقبال کا تاج (انہوں نے) رکھ دیا ہے محض اسی کی پیروی سے۔ جو کوئی ولایت کے رتبہ پر فائز ہوا محض اسی کی وساطت سے۔ اور جو طالب اپنے مطلوب سے بغلگیر ہوا اُسی کی ہدایت اور عنایت سے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے شائقین وتابعین۔ ماسوائے اللہ کی تمام کدورتوں سے پاک ہو کر اس کمال متابعت سے ایسی (بے زوال) دولت کو پہنچ گئے جس کو ہرگز ہرگز زوال نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچی اطاعت کرنے والوں نے غفلت کے اندھیروں سے نکل کر ابدی زندگی کا وہ چشمۂ سعادت پایا کہ جس کے لیے ممات نہیں ہے۔ اگر مدتِ مدید احکامِ شریعت پر مداومت نہ کر کہ (اے عزیز!) تو ریاضت کرے تو (خیال رکھ کہ) ہرگز کسی مقصود کو نہ پائے گا۔ اگر سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کے سوائے زہد وعبادت میں بسر کرے گا تو خدا تعالیٰ کے وصال کے قرب کا تو کبھی بھی سزاوار نہ ہوگا۔ احباب اہلِ شریعت اور اصحاب صاحبِ حقیقت نے جو مشتاقی اور محبوبی کے سب مراتب ومدارج حاصل کیے تو محض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت سے ہی حاصل کیے ہیں اور محض شریعت کی سیڑھی کے ذریعہ ہی اپنی ذات کو عالمِ شہود کے کھلے اور سرسبز میدان میں لے گئے ہیں، اس لیے محبوبوں کی مجلس کے سردار اور مقبولوں کے دفتر کے صدرِ اعظم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہیں۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس کی صفات میں اپنے تئیں فنا کرتا ہے۔ و محبتی کے رتبہ سے آگے بڑھ کر محبوبی کے عالی شان محل میں پہنچے گا اور اس سرِدار (سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے احسان کے دسترخوان سے ایسی نعمت سے حصہ پائے گا کہ کل نعمتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، کیونکہ (یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے کہ) جو دولت مخدوموں کو ملا کرتی ہے، وہ اپنے خادموں کو بھی اس میں سے بطورِ تبرک عنایت کیا کرتے ہیں اور مہربانی کے راہ سے سرفراز فرماتے ہیں۔

یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع، اس گروہ کے دلوں میں ہر لذت سے زیادہ تر شیریں اور ہر حال سے زیادہ بلند ہوا کرتا ہے۔

اے عزیز! خلق خدا سے بہت دور جا پڑنے کا یہی باعث ہے کہ جو طریق محمدی ہے، اس پر عمل نہیں کرتی اور بجائے اس کے اپنی نفسانی خواہشات اور شیطان کے راستہ پر چلتی ہے جس قدر کہ سنتوں اور شریعتِ غرّا کے (دیگر) آداب میں قصور سرزد ہوگا۔ اُسی قدر مدعا کے ملنے میں فتور پڑے گا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صرف ایک سنتِ نماز ہو جانے پر (اپنی گزشتہ) چالیس برس کی نمازوں کو قضا کیا (دوبارہ پڑھا) تھا۔ پس اگر سعادت مند طالب نے شرعی امورات میں سے کوئی ایک امر یا سنتوں میں سے کوئی ایک سنت فوت ہو جائے تو اسے ڈرنا چاہیے اور اس حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے خوف سے کہ مَنْ یُّضَیِّعَ سُنَّتِیْ حُرِّمَتْ عَلَیْهِ شَفَاعَتِیْ (ترجمہ) "جس نے میری سنت کو ضائع کیا، اس پر میری شفاعت حرام ہوگئی"۔ اپنے آپ پر ماتم کرنا چاہیے اور اس کی تلافی میں کوشش کرے تاکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے شرمندہ اور سرافگندہ نہ ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے: من احاب سنتی فھو من الفائزین و من ترک سُنّتی فھو من الخاسرین۔ (ترجمہ) جس نے میری سنت پر عمل کیا

وہ فائزین سے ہے اور جس نے اسے ترک کیا، وہ خاسرین سے ہے۔

بشر حافی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ رات میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے بشر! تجھے کچھ خبر ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تجھے کیوں اس قدر برگزیدہ کیا؟ اور کیوں تیرے رتبہ کو اس قدر اعلیٰ کیا؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ اس پر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری متابعت میں آپ نے بہت کوشش کی اور میری سنت کو تو بجا لایا اور نیک لوگوں کی حرمت تو نے نگاہ میں رکھی۔ ان سب نیکیوں کے صلہ میں خداوند تعالیٰ نے تجھے اس اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔

حق تو یہ ہے کہ جس قدر باطن کی صفائی اور انکشافِ معانی اور دولتِ پنہانی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے۔ لاکھ ریاضت اور مجاہدے بھی نہیں مل سکتی۔ اور جس قدر، عبادت کی لذت، خداوند تعالیٰ کی رضامندی، اعلیٰ درجات، دین کی مضبوطی، اور ظاہر و باطن کی پاکیزگی۔ سرورِ کائنات کی متابعت میں اپنی جھلک دکھاتی ہے۔ کسی قسم کی طاعت اور عبادت سے میسر نہیں ہو سکتی۔

ان حروف کے راقم نے ایک رات کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک واقعۂ خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت جلدی سے کسی مقام کی طرف جا رہے ہیں اور حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ہیں، اور ان کے پیچھے اس فقیر کے حضرت شیخ (مرشد) ہیں یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے مقام میں پہنچے کہ نہ وہ زمین تھی نہ آسمان نہ کوئی مکان۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہاں ٹھہر گئے اور اپنا مبارک و متبرک ہاتھ شیخ کے سر پر رکھ حسبِ ذیل مناجات کی:

"اے میرے اللہ! اور اے میرے مولا! تو خوب جانتا ہے کہ یہ شہاب الدین سہروردی

ہے۔ اس نے میری متابعت میں جان توڑ کر کوشش کی ہے اور میری تمام سنتیں بجا لاتا رہا ہے۔ میں ان سے بہت ہی راضی ہوں۔ اے پاک خدا! تو بھی اس پر راضی ہو۔"

جب میں خواب سے جاگا تو اس واقعہ سے میرا دل بہت ہی خوش ہوا اور میرا دل پرلے درجے کا صاف ہو گیا۔ پس انسان کے لیے کوئی چیز اس سے بہتر اور بڑھ کر نہیں ہے کہ رات و دن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے زندہ رکھنے میں کمال سعی و جانفشانی کو عمل میں لاتا رہے تاکہ اس ذریعہ سے درجاتِ عالیہ پر پہنچے۔

جب سالک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ایک سنت پر عمل کرے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس پر راضی ہوتے ہیں اور خداوند تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور پیدا کر دیتا ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں صفائی اور روشنی بخش دیتا ہے اور اس کے بُرے خصائل کو نیک کاموں سے بدل دیتا ہے اور اس میں نفس حیوانی کی جگہ نفسِ قدسی کو قائم مقام کر دیتا ہے۔

اے عزیز! تو جانتا ہے کہ تمام جہانوں کے سردار (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے ان متبعین کو جو قدم بقدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلتے ہیں۔ روحانی لذات کا کیسا عمدہ شربت چکھایا ہے اور کس قسم کے اسرار پر واقف کیا۔ پس تجھے لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں ایک بال بھر بھی خلاف نہ کرے۔ بدبختوں کا ایک گروہ جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں میں چھپانا چاہا۔ کل (قیامت کے دن) کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بارگاہ میں (سوائے شرمساری لے جانے کے) کیا منہ دکھائیں گے اور اس مخالفت کے جواب میں اپنی زبانوں کو کیونکر ہلائیں گے۔ یہ ان کی سراسر کج فہمی اور کمال بدبختی کا مبلغ ہے کہ شریعت نبوی کا حُسن و جمال ان کی آنکھوں میں جلوہ گر نہ ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں،

"جو نعمت کہ دین میں ہے اور جو دولت کہ اسلام میں ہے بحکم آیتِ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (یعنی آج کے دن میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین۔ اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت۔ اور پسند کیا ہے میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر تمام ہو گئی اور دین کے (عالی شان اور تناور) درخت نے کامل پھل دیا۔ اب دین کے کاموں میں کوئی اور بات اپنی طرف سے گھڑ کر پیدا کرنا اور اہلِ سنت والجماعت کے برخلاف عمل کرنا، نری گمراہی اور گھاٹے پر گھاٹا اٹھانا ہے۔"

پس جو کوئی سنت کا اتباع اور دین کے آداب کی رعایت نہ کرے۔ خبردار۔! خدا طلبی کے لیے اس کی صحبت میں رہنا گوارا نہ کرنا، بلکہ اگر تو لاکھوں تصرفات اور خوارق عادات اس سے دیکھ لے اور اس کو کتاب و سنت کے برخلاف دیکھے تو ہرگز ہرگز اس پر فریفتہ نہ ہو جانا، کیونکہ اس کے اولیاء اللہ والے نہیں ہوں گے۔ بلکہ استدراج ہو گا۔ جو از صد ریاضت اور خلافِ نفس کرنے سے اہلِ ہنود اور جوگیوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ پس جس شخص کا عمل آیات و احادیث۔ اقوالِ مشائخ اور مجتہدانِ اہلِ سنت والجماعت کے موافق نہ ہو اور شرعی امور میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت پر استقلال نہ ہو۔ اس کے واردات، واقعات، کشف و کرامات وغیرہ پر کسی قسم کا اعتبار نہ کرنا، کیونکہ اولیاء اللہ کی کرامت اور ولیوں کی ولادت، نبی کے تابع ہوا کرتی ہے۔ جو شخص نبی کی متابعت کو ترک کر دے گا، اس کی ولایت کا منصب اور قرب کا درجہ بحال نہ رہے گا۔ اگرچہ ولایت چند شرطوں پر مشروط ہے اور ہر ایک شرط کا بیان اس کے اپنے موقعہ پر آئے گا، لیکن اعلیٰ، اکمل، اُولیٰ اور افضل شرط جس پر پیر کی بنیاد۔ باطنی سلوک اور ولایت کا قیام مربوط ہے۔ وہ آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت ہے! ہر ایک قسم کے کُلی وجزوی امورات میں۔

چنانچہ جو درخت کہ جڑ کے سوا سرسبز ہو اور جو چھت کہ ستون کے بغیر ہو وہ برقرار نہیں رہتی۔ اسی طرح پر شریعت۔ طریقت اور حقیقت کی بیخ و بنیاد ہے۔ اگر کوئی سالک شریعت پر استقامت کیے بغیر قرب کیے بغیر قرب کے درجے اور ولایت کے درجے حاصل کرنا چاہے، تو یہ سراسر نادانی اور دیوانہ پن ہے۔

پس جس شخص کو اس مطلب کی آرزو ہو کہ درجاتِ ولایت اسے مل جائیں اور حقیقت کا راستہ اس کے آگے کھُل جائے تو اس کو چاہیے کہ خدا کی کتاب (قرآن مجید) اور حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث کو اپنے اوقات کا آئینہ بناتے اور اپنی آنکھوں کے سامنے نگاہ رکھے اور ہمیشہ اس میں دیکھتا رہے تاکہ اس کے خلاف کوئی (عبادت) عمل میں نہ آئے۔

جب کئی ایک نام کے فقیروں کا گروہ، شریعت پر استقامت اور طریقت و حقیقت کے مراتب حاصل کیے بغیر اپنی نفسانی خواہشات سے قرب و معرفت کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں، تو یہ دعویٰ محض کچا پن اور خود غرضی و خود بینی پر مبنی ہوتا ہے۔

جبکہ اس زمانہ میں حلقہ یا مجلس کے طلب گار اور بکواسی بے شمار ہیں۔ تو ایسا نہ ہو کہ غلطی سے ان کی صحبت کا پابند ہو جائے اور شریعت کے نور سے بے بہرہ، اور بے نصیب رہ جائے۔ چنانچہ فریبی اور مکار فقیروں نے جو بظاہر فقر کے لباس سے آراستہ اور باطن میں حرص و ہوا کے دلدادہ ہیں۔ انہوں نے شکاریوں کی طرح دام پھیلا رکھے ہیں کہ دل کے اندھے مرغوں کو شکار کر کے اپنی شیخی مشائخی کی دکان گرم کریں اور ریاکاری اور چھانسوں کی رُو سے قسم قسم کے ہتھکنڈوں اور تدبیروں سے۔ عام لوگوں کو اپنا معتقد بنا کر اپنی دنیاوی غرضوں کو حاصل کریں۔ ایسے لوگوں سے خداوند تعالیٰ (ہر ایک کو) اپنی پناہ میں رکھے۔ یہی لوگ تمام مخلوق میں سے بہت بُرے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے راستے کو

کمینی دنیا کا وسیلہ بناتے ہیں اور حق سبحانہ تعالیٰ کے قرب سے نہایت دُور اور مہجور رہ گئے ہیں۔ ان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور بن سنور کر بیٹھنا ہو بہو ایسا ہی ہے جیسا کہ کوڑے کے ڈھیر پر سبزی اُگی ہوتی ہوتی ہے جو کسی کام نہیں آتی۔ پس جو شخص اپنی ذات کو نیک ظاہر کرے، حالانکہ اس میں (درحقیقت) نیکی کا نام ونشان بھی نہ ہو تو اس پر حق تعالیٰ کی عنایت کی نگاہ ہرگز نہ پڑے گی۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنَ السُّمْعَةِ الرِّیَاءِ۔

(ترجمہ) "پس ہم اللہ پاک کی بارگاہ میں ریاکاری کی بابت پناہ مانگتے ہیں۔"

(پھر) جب بعض فقیر لوگ سلوک کے راستہ کو پورا نہ کر کر، اور فنا اور بقا کے شربت سے ذائقہ نہ اٹھا کر، شیخی اور بزرگی کے آرزو مند ہوتے ہیں، تو درحقیقت انہوں نے اپنے نفس کا فریب کھایا ہے اور سعادت کے راستے کی منزلوں کے سیر سے کوسوں دور جا پڑے ہیں جیسا کہ خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا تَفْعَلُوْنَ (سورۃ صف)

(ترجمہ) "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو کیوں کہتے ہو جو کچھ نہیں کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی بُری بات ہے کہ وہ بات کہو، جو خود نہیں کرتے ہو۔"

پس یادِ خدا اور مجاہدہ کے بغیر بزرگی کی مسند پر بیٹھنا اور معنیٰ قوت کے بدون طریقت کے بہادروں کے میدان میں دعویٰ کی کمر باندھنا بہت ہی بے جا ہے اور بعض بدبخت جاہل اپنی ڈاڑھی، مونچھوں اور بھوؤں کو منڈا کر (زنار) جنیوں کی طرح ایک کال سہل گردن میں ڈال کر اور شریعت کے نور سے بے نور رہ کر بھنگ و بورا کے پینے میں مقید ہو کر اپنا لقب بے قید ٹھہراتے ہیں، حالانکہ وہ شیطان کی قید میں گرفتار ہیں اور بازی اور بے نمازی کو ملامتیہ طریق قرار دے کر اسی کو خدا پرستی جان بیٹھتے ہیں، حالانکہ نہ ان میں عقل ہے نہ علم جس سے اپنے اخلاق کی اصلاح اور دلی بیماریوں کو دفعہ کریں۔ نہ ہی انہیں شوق ہے نہ ذوق، جس کی مستی ہوا پرستی سے بچ جائیں۔ وہ لوگ (دراصل) خود پرست اور

بدنہاد ہیں۔ دین اور اسلام کے راستہ کو گم کر کے گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ بدبختی کے ادبار نے ان کو ایسا قابو کر رکھا ہے کہ وہ اصلاً اپنے عیوب کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں۔

غرض خداجوئی کے طریق میں کئی ایک گروہ طرح طرح سے اپنی ذات کو پیش کرتے ہیں اور اپنی عمر اسی میں صرف کر ڈالتے ہیں۔

لیکن جب کہ نفس اور شیطان نے حق و باطل کے ساتھ ملا رکھا ہے تو یہ لوگ سب کے سب غلطی میں ڈوب گئے ہیں، اس لیے انہوں نے خدا کا راستہ شریعت کے برخلاف تلاش کیا۔

ایسے آدمی پر لاکھ آفرین ہو جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روش پر عشق بازی کرے اور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین، علمائے مجتہدین اور مشائخ دین (ان سب پر خداوند تعالیٰ رضامند ہو) کے طریق پر خدا تعالیٰ کے راستے کا سلوک کرے اور اس راستہ کی اچھائی برائی اور بدخواہ نفس کی فریب بازی کو پہچان لے اور اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے ساتھ اپنے ظاہر اور باطن کو سنوارے رکھے۔ حتیٰ کہ ایک بال بھر بھی شریعت کے خلاف نہ کرے۔

جب شریعت خدا تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ ہے تو جو شخص وسیلہ ترک کر کے دین کے کاموں پر مستقیم نہ رہے تو اس کا حاصلِ مطلب یہ ہوگا کہ اس نے دین سے منہ پھیر کر دائرہ اسلام سے اپنے پاؤں باہر کھینچ لیے جس طرح کہ بعض جاہل اور بدعتی فقیر کہتے ہیں کہ اب ہم شریعت سے گزر کر طریقت اور حقیقت پر پہنچ گئے ہیں (اور اب ہمیں نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں) سو ایسے لوگوں کے اعتقاد سے خدا بچائے، کیونکہ جو آدمی شریعت سے گزر جاتے، وہ کافر ہو جاتا ہے اور کافر درجہ حقیقت تک کس طرح پہنچ سکتا ہے؟

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ خلقت پر سب راستے بند ہیں: لیکن جو شخص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ پر چلتا ہے، وہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔"

حضرت ابوالحسن باروسی قدس سرہٗ نے فرمایا: "دل کی صفائی اور سینہ کی کشادگی (شرح صدر) اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ مومن سنت کی پیروی اور بدعات سے پرہیز کرتا ہے۔"

حضرت شیخ ابوسعید قلوی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے: "جو شخص حال کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ حال اس کو شریعت کی حد سے باہر نکال دیتا ہے، اس کے پاس تک نہ پھٹک اور اس کی صحبت میں رہنے سے ڈر۔ وہ سعادت مندانِ ازل، جنہوں نے اس راستہ میں قدم رکھا ہے، اُن کے لیے سلوک کی چند شرطوں کو جاننا اور اُن پر عمل کرنا اور سب قسم کے پسندیدہ اور غیر پسندیدہ کاموں میں پوری احتیاط رکھنا واجبات سے ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا طلب گار ان شرطوں میں سے کسی ایک شرط میں قصور کرے، تو اس کے سلوک میں فتور پڑ جائے گا اور وہ اپنے مقصود سے بہت دُور جا پڑے گا۔"

(اوّل) گزشتہ عمر میں جس قدر گناہ اور بے فرمانیاں کی ہیں، ان سے توبہ کرے اور ہر ایک گناہ کو یاد کر کے اس سے نادم اور پریشان ہو۔ اور تضرع وزاری کے ساتھ استغفار میں مشغول ہو۔ اور کمال عجز و نیاز کے ساتھ خدائے واحد کی درگاہ میں مغفرت اور توبہ کی قبولیت کا خواستگار ہو، کیونکہ استغفار، جلانے والی آگ سے روکنے والا، بہشت کے دروازوں کی چابی۔ گناہوں کی خواریوں سے بخشانے والا اور رحمت کے دروازوں کے کھولنے والا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔

(ترجمہ) "گناہوں سے توبہ کرنے والا اُس شخص کی مانند ہے جس کے لیے کوئی گناہ نہ ہو۔"

لیکن صدقِ دل سے ایسی توبہ کرے کہ پھر کبھی معصیت کے داغ سے اس کے دل کا شیشہ میلا یا آلودہ نہ ہو اور کسی وقت بھی گناہ کا خیال اُس کے دل میں پیدا نہ ہو، کیونکہ توبہ کی حقیقت یہی ہے کہ (انسان کا) دل مخالفت سے ہٹ کر صدقِ تمام کے ساتھ ایسا موافق ہو جائے کہ تادم واپسیں، گناہ کی طرف عود کرنے کا خیال اس کے دل میں ہی نہ آئے قولہ تعالیٰ: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

(ترجمہ) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، توبہ کرو اللہ کی طرف توبہ خالص)

لیکن (گزشتہ) گناہوں کو یاد کرنا عوام کے لیے ہے، اس لیے کہ گناہوں کا ذکر غمگینی اور ڈر کا ثمرہ دیتا ہے اور (خدا) سے ڈرنا گناہوں سے بچائے رکھتا ہے، لیکن سالک کے لیے جس سلوک میں قدم رکھا ہے، گناہوں کا یاد کرنا نقصان دہ ہے، کیونکہ سالک کا مدعا خالص توبہ کرنے کے بعد ماسوی اللہ کو بھول جانا، اپنے انکشاف میں مستغرق رہنا ماضی و مستقبل کے احوال کو فراموش کر دینا اور قوتِ متخیلہ کو بیکار رکھنا ہے تاکہ کسی حال میں بھی غیرِ حق کا خیال اس کے دل میں راہ نہ پائے اور شریعت کے راستہ میں اور دین و دنیا کے سردار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں ایسا ثابت قدم اور مستقل مزاج ہو کہ شرعی باریکیوں میں سے کوئی باریکی باقی نہ رہ جائے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے (فرماتے ہوتے) اعمال میں سے کوئی عمل بھی فوت نہ ہو جائے۔

اس لیے کہ ولایت کا کارخانہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کیے بغیر راست و درست نہیں آتا اور معرفت (خدا کی جان پہچان) کا راستہ دین پر استقامت کیے بغیر کھل نہیں سکتا (جس نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی) اور جو شغل اور ذکر اس نے اپنے پیرِ طریقت سے حاصل کیا ہے رات دن اس میں مشغول رہے اور ہر دم و ہر قدم پر اس سے غافل نہ ہو تاکہ اس کا ثمرہ جو دونوں جہانوں کی سعادت اور ہمیشہ کی دولت ہے ظاہر ہو اور اپنے پیرِ طریقت کے

ساتھ محبت اور اتحاد کا رابطہ۔ اخلاص اور اعتقاد کا رشتہ مضبوط رکھے اور اس کے افعال واقوال پر ہرگز اعتراض نہ کرے اور ہر طرح سے اسی کے رنگ میں فانی ہوجائے اور جو ارشاد (پیرِ طریقت) اس کو فرمائے۔ اُسے دل وجان سے قبول کرے تاکہ فیض وسعادت کے دروازے ہمیشہ اس پر کھلے رہیں۔ چنانچہ مشہور ہے: الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ (ترجمہ) شیخ اپنی قوم میں وہی رتبہ رکھتا ہے جو نبی اپنی امت میں)

اور دل کو یادِ خدا اور عبادتِ حق جل وعلیٰ میں ایک طرف اور ایک رُخ کرلے اور اپنی توجہ کا قبلہ بجز ایک مقصود کے نہ بنادے، کیونکہ یادِ خدا بہت سے خرخشوں اور اندیشوں کے جمع ہونے کے ساتھ کچھ فائدہ نہیں دیتی اور جب (آدمی کا) دل پراگندہ ہو تو عبادت ہرگز کچھ نفع نہیں دیتی، کیونکہ جس قدر سالک کا دل ماسوی اللہ کی طرف لگا ہوا ہوتا ہے۔ اسی قدر وصالِ حقیقی سے دور ومہجور ہے جو عبادت کرے اخلاص سے کرے، اس لیے کہ جو عبادت بے اخلاص ہو وہ اس بےپھل درخت کی مانند ہے جو اصلاً نتیجہ بخش نہیں ہے۔ اور اخلاص اس کا نام ہے کہ خدا سے سوائے خدا اور کچھ نہ مانگا جائے اور جو کچھ کرے بے لاگ اور بےلالچ خالصاً للہ کرے اور اپنا ظاہر و باطن ایک سا رکھے۔ جو نیک عمل کیئے اس کو اعتبار کے ترازو میں تولے اور اس پر (کسی قسم کا) گھمنڈ نہ کرے (وجہ یہ ہے کہ) اگر سالک کی عبادت ایک پہاڑ کے برابر ہو۔ تو بھی چاہیئے کہ وہ اس کو ایک گھاس کے تنکے کی برابر بھی نظر میں نہ لائے۔ بلکہ اپنی (اُس) عبادت کو گناہ کے رنگ میں جانے تاکہ اس پر نظر نہ پڑے اور نخوت وغرور پیدا نہ ہو اور جاہلوں عوام اہل بدعت وغیرہ سے جو نفس وشیطان کے محکوم ہیں، بالکل پرہیز کرے کہ ناجنس صحبت (انسان کے) وقت کو برباد کرنے والی ہے اور خدا کے راستہ کی ڈاکو ہے جو شخص کسی اتفاق سے ایسی صحبت میں گرفتار ہوجائے تو اس کو چاہیے کہ اپنا حلم، حوصلہ اور مرتبہ نگاہ رکھے اور ان لوگوں کے جواب میں مشغول نہ ہو تاکہ تضیعِ اوقات سے بچے اور اس کی جمعیت خاطر میں فتور نہ پڑنے پائے اور لوگوں کے ساتھ بلا احتیاج اور سوائے ضرورت کے میل جول نہ کرے: الاتصال بالحق

علیٰ قدرہ الانفصال عن الخلق - (ترجمہ) تو جس قدر عوام سے دور رہے گا خدا کے حضور میں رہے گا، یعنی خدا کے ساتھ ملنا، اسی قدر ہو سکتا ہے جس قدر خلقت سے جدا رہنا۔

موت کو بہت یاد کرے اور اپنے تئیں راستہ گزرنے والا مسافر، اور اہلِ گورستان سے شمار کرے تاکہ دنیاوی امور میں دل بستگی گھٹ جائے اور لمبی چوڑی خواہشیں (دامنگیر) نہ ہوں۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے: کن فی الدنیا کانک غریبا او کعابری سبیل وعد نفسك من اصحاب القبور (ترجمہ) دنیا میں ایسا رہ جیسا مسافر۔ اور اپنے نفس کو اہلِ قبور سے گن۔

اس لیے کہ آدمی کو کوئی پند و نصیحت یادِ مرگ سے بہتر نہیں ہے اور اگر زندگی کی تمنا کرے تو اس نیت سے کہ کمالات کا حصول اور نیک بختوں کے خزانے زیادہ سے زیادہ جمع کرے گا اور کسی کے ساتھ ترش روئی اور سخت گوئی سے پیش نہ آئے، کیونکہ بد خلقی کی حقیقت یہی ہے کہ وہ بری صفتوں کے غلبہ سے پیدا ہوتی ہے۔

سالک کے حق میں نیک اخلاق سے بڑھ کر اور بہتر اور کوئی زیبا اور زیادہ خوش لباس نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کل قیامت کو اعمال نامہ کے ترازو میں نیک اخلاق سے زیادہ بھاری اور وزنی کوئی چیز نہ ہوگی۔

اور ضعیفوں اور ماندوں، فقیروں اور (حوادثاتِ زمانہ سے) اور ٹوٹے ہوؤں پر رحم و شفقت ظاہر کرے۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کے راستہ میں جانبازی سے بہتر کوئی دل نوازی نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں خداوند تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے خدا! میں تجھ کو کہاں تلاش کروں؟ خداوند تعالیٰ نے (جواباً) فرمایا: کہ وہاں (تلاش کرو) جہاں کوئی دل شکستہ ہو۔

ہر ایک چیز کے لیے ایک چابی ہوا کرتی ہے اور بہشت کی چابی فقیروں اور مسکینوں

سے محبت رکھتا ہے اور کسی وقت بھی غصہ میں نہ آئے تاکہ غضب اس کی عادت نہ ہو جائے، کیونکہ غصہ کی آگ عبادت کے نور کو اس طرح جلاتی ہے جس طرح آگ خس وخاشاک کو۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لوگوں نے سوال کیا کہ سب چیزوں سے زیادہ سخت کونسی چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا، خدا تعالیٰ کا غصہ۔ انہوں نے عرض کیا خدا کے غصہ سے بندہ کو کیونکر ایمنی ہو سکتی ہے؟ فرمایا کہ اپنے غصے کو چھوڑ دینے سے۔

اور ہمت در اہل محبت سالکوں کے ساتھ میل جول اور صحبت رکھے اور اس لیے کہ کارِ نیک سے یارِ نیک بہتر ہے اور اپنی ذات کو خلقِ خدا سے بہتر اور ممتاز نہ جانے اور یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ خود بین آدمی، خدا بین نہیں ہو سکتا۔

اور جو تعلقات اور روک ٹوک اس راستہ میں واقع ہوں، سب کو اپنی طرف سے اٹھا کر ہلکا پھلکا ہو جائے تاکہ کوئی روک دل کو جکڑ نہ سکے، کیونکہ تعلقات کے کانٹے اور دنیاوی خرخشے (اور جھگڑے بکھیڑے) کے بوجھ سمیت اس راستہ کی منزلیں چلی نہیں جا سکتیں اور مجرد رہے، کیونکہ تعلقات کے قطع کیے بغیر وحدانیت کے پوشیدہ محل کا راستہ نہیں پا سکتے۔

خواجہ ابراہیم باخرزی قدس سرہٗ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو میں نے خواب میں دیکھا اور میں نے کہا اے خداوندا! بندہ تجھ تک کب پہنچے؟ فرمایا: اس وقت جب کوئی روک نہ ہو، جو خدا سے ہٹا سکے۔

اور اپنے نفس کو بہت سے مجاہدوں اور بڑی بڑی ریاضتوں سے اس کی خواہش کے خلاف اپنا مطیع وفرمانبردار کرے اور اس کی کوئی آرزو بھی پوری نہ کرے۔ جو شخص ہمیشہ اپنے نفس کی مُراد پر چلے، حق کا راستہ اس پر کبھی نہ کھلے گا، کیونکہ سب برائیوں اور بدبختیوں کا سرچشمہ نفس کی متابعت ہے۔ اساس الکفر قیامک علی مراد نفسک (ترجمہ) نفس کے حسبِ مراد بسر کرنا تیرے لیے کفر کی جڑ ہے۔)

اور جو مجاہدہ اور ریاضت کہ عمل میں لائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے

طریق پر ہو اور اپنی طرف سے (اس میں کچھ) اختراع (یا بناوٹ) نہ کرے۔ جو ریاضت خلافِ شریعت ہو۔ خداوند تعالیٰ کی پاک درگاہ میں کچھ راستہ نہیں کھولتی۔ وہ گروہ جو سنّت کے برخلاف عمل کرتے ہیں، اہلِ بدعت ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ بدعتی شخص کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔ ہاں اس وقت جب کہ بدعت (دین میں نئی بات پیدا کرنا) چھوڑ دے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سنّت کے موافق تھوڑا عمل بھی بہتر ہے بہ نسبت بہت عمل کے جس میں بدعت کی ملاوٹ ہو، اھل البدعۃ کلھم فی النار۔ (ترجمہ) کیونکہ سب کے سب اہلِ بدعت دوزخ میں جائیں گے۔

اور اپنے بڑے اخلاق کی تبدیل اور عادتوں اور رسموں کی اصلاح کرے، کیونکہ رسمی خلاق اور عادی اوصاف کم بختی کی علامت ہیں۔

اور کسی کی نسبت کینہ اپنے دل میں نہ رکھے، جو سینہ کہ کینہ سے بھرپور ہو، وہ خداوند تعالیٰ کی رحمت سے بے نصیب ہے اور کسی کے آزردہ کرنے سے رنجیدہ نہ ہو۔ اور اگر کسی کو ستائے اور دُکھ دے، تو بہت جلد اس سے معافی کا خواستگار ہو اور بدلہ لینے کی فکر میں نہ ہو۔ بُرائی کے عوض نیکی سے دینا جوانمردوں کا کام ہے اور شرارت کا شرارت سے جواب دینا محض شرارت ہے، اس لیے کہ اس سے زیادہ عظیم الشان کام اور کوئی نہیں ہے کہ تو اس شخص سے نکوئی کرے جو تیرے ساتھ بُرائی سے پیش آیا۔ اگر تو نہ کر سکے تو (بھی کم کم) اس کو معاف ہی کر دے، کیونکہ معاف کرنے میں بہت بڑی بزرگی ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ "حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا، اے خدا! تیرے نزدیک کونسا بندہ زیادہ عزیز ہے؟ جواب آیا کہ وہ بندہ جو باوصف طاقت رکھنے کے معاف کر دے۔"

حدیث شریف میں وارد ہے کہ "جو شخص اپنے مومن بھائی کا قصور معاف کرتا ہے، تو خداوند تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔"

حضرت مولوی معنوی قدس سرہٗ نے فرمایا: "مردہ وہ ہے جو کسی کو دکھ دینے سے رنجیدہ نہ ہو اور جوانمرد وہ ہے کہ جس کو رنج دینا لازم ہو، اس کو بھی رنجیدہ نہ کرے۔ اور لوگوں کے عیبوں سے چشم پوشی کو عمل میں لائے اور اپنے عیبوں پر نظر رکھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب سے اپنے عیب پوچھتے اور کہتے کہ اس شخص پر خدا کی رحمت ہو جو میرے عیبوں کو میرے سامنے بطورِ تحفہ پیش کرے، کیونکہ جب تک انسان اپنے عیبوں سے واقف نہ ہو اپنے نفس کو ان سے پاک نہیں کر سکتا۔

لوگوں نے پیر بسطامی قدس سرہ سے پوچھا: "انسان کمالیت کے درجہ تک کب پہنچتا ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ "اس وقت جب اپنے عیوب کو پہچان لے اور اپنے عیوب بیان کرنے کی لوگوں کو اجازت دے دے۔"

اور کسی کا گلہ اور بدگوئی نہ کرے، کیونکہ اپنے بھائی مسلمانوں کو غیبت کرنا سب سے بُرا اور مذموم کام ہے۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "غیبت کرنے والے سے دور رہو، جب تک کہ وہ بخل سے توبہ نہ کرے۔"

اور نیز فرمایا: "معراج (شریف) کی رات میں میرا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو اپنے گوشت کو ناخنوں سے نیچے لا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں؟" کہا گیا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے تھے۔"

اور خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کی (جس کا یہ مضمون ہے) کہ جو شخص کسی مسلمان کی غیبت کرے اور توبہ کیے بغیر مر جائے، تو یہ (پہلا) وہ شخص ہوگا جو دوزخ میں جائے گا اور جو شخص غیبت سے توبہ کرے اور مر جائے، وہ سب سے آخری شخص ہوگا جو بہشت میں جائے گا۔

اور سب کاموں میں خداوند تعالیٰ سے راضی و شاکر رہے اور گلہ و شکایت کا نام لب تک نہ لائے۔ جب بندہ خود بذاتہٖ سب کاموں میں خداوند تعالیٰ سے راضی ہو جاتے تو یقیناً خداوند تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جائے گا۔

طریقہ۔ توکل اور قناعت کو اختیار کرے جو کچھ بلاتشویش مل جائے، اسی پر قانع و صابر رہے۔ اپنے سب کام خدا تعالیٰ کو سونپ دے اور بمصداق آیہ کریمہ؛

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا۔

(ترجمہ) "مشرق اور مغرب کا خدا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اسی کو کارساز کر۔"

اور جو ضرورت سے زاید ہو اسے نیک بختوں، فقیروں، مسکینوں، غریبوں پر بانٹ دے اور بحکم آیتِ کریمہ اما السائل فلا تنھر (بھیک مانگنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ نہ بتا۔

کسی گداگر اور حاجت مند کو محروم اور ناامید نہ کرے اور جو کوئی سوالی کو اپنے در سے محروم کرے۔ ایک ہفتہ تک اس کے گھر میں فرشتے نہیں آتے اور جو کچھ کسی کو للہ دے، اس کا ذکر لب تک نہ لائے اور اس پر احسان نہ جتاوے، بلکہ اس (سوالی) کا کہ اسی کے سبب سے خیرات اور ثواب اس سے جاری ہوا، شکریہ ادا کرے۔

قولہ تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی۔ (ترجمہ) "اے ایمان والو! اپنے صدقوں اور خیرات کو احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر باطل نہ کرو۔"

اور حتی المقدور محتاجوں کے کام نکالنے اور مقصود چلانے میں دریغ نہ کرے؛ من کان فی حاجتہ اخیہ کان اللہ (ترجمہ) "جو شخص اپنے بھائی کی حاجت براری کو عمل میں لاتا ہے، خدا اس کی مرادیں حاصل کرتا ہے۔" اس لیے کہ خدا کے بندوں کا دل خوش کرنا سینکڑوں بندگیوں اور ہزاروں عبادتوں سے بہتر ہے (جیسا کہ منقول ہے کہ) دخل السرور فی قلوب المؤمنین خیر من عبادۃ سنۃ۔

(ترجمہ) "مومنوں کے دلوں کو راحت پہنچانا برسوں کی عبادت سے اچھا ہے۔"

امیرالمومنین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اگر میں ایک مومن کی حاجت روائی کروں، تو اس کو ستر برس اعتکاف سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔"

اور اپنے کل امورات میں نیت درست رکھے، یعنی ہر فعل و عمل میں خدا کی خوشنودی ہی مدنظر ہو اور اس میں نفس کا کچھ دخل نہ ہو، کیونکہ نفسانی خواہشیں حقانی اعمال کو برباد کرتی ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے: اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (ترجمہ) "یعنی جیسی نیتیں ویسی ہی مرادیں۔"

جو کام دنیاوی کرے، اس میں بھی آخرت (کی بہتری) کی نیت ہو اور ہر گھڑی دل کی نیت کو نیک کاموں پر تازہ رکھے: نیت المومن خیرًا من عملہ۔ (ترجمہ) "مومن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے۔" تقویٰ اور پرہیزگاری سے اپنی ذات کو آراستہ رکھے، یعنی عزیمت پر عمل رکھے اور رخصت سے دور رہے، اس لیے کہ تقویٰ کی عادت متقی کو بلند درجوں تک پہنچاتی ہے اور پرلے درجہ کی صفائی بخشتی ہے۔ قولہ تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (ترجمہ) تم میں سے بہت بزرگ وہ ہے جو خداوند تعالیٰ سے بہت ڈرے۔"

اپنی نشست و برخاست خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق رکھے اور اپنے سب وقتوں کو ذکر و فکر سے آباد رکھے کہ خدا تعالیٰ کو بہت یاد کرنا نور بخشتا، محبت بڑھاتا اور غفلت کے پردوں کو جلاتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ (ترجمہ) وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔ کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اور فکر کرتے ہیں۔"

اور اگر معنوی اقبال اور باطنی کشف اس کو ظاہر ہوں تو چھپائے رکھے تاکہ لوگوں میں نشانہ نہ ہو۔ لوگ اس پر بھیڑ بھاڑ نہ کریں اور باطنی مال و متاع کو لوٹ نہ لیں اور جو فیض

کہ عالمِ قدس سے اس کے دل پر وارد ہوتا ہے، اس کو اپنے اعمال سے نہ جانے بلکہ خداوند تعالیٰ کی عنایت اور فضل سے تصور کرے اور اپنی مشہوری کا طالب اور ریاست کا آرزومند نہ بنے کیونکہ جو شخص ریاست کو دوست رکھتا ہے اور شہرت کو طلب کرتا ہے، وہ اخلاص سے دور ہے اور جو شخص کہ اخلاص نہ رکھے اسے طریقت کا سالک نہیں کہتے، اس لیے کہ ریاست سے لاکھوں بلائیں اور آفتیں اپنا منہ دکھاتی ہیں اور چلنے والے کو مراتبِ عالیہ سے روک رکھتی ہیں؛ وَالشُّهْرَتُ اٰفَةٌ وَّالْمَحْمُوْلَةُ رَاحَتٌ۔ (ترجمہ) شہرت آفت ہے اور محمولت راحت ہے۔"

اور ہر دم حق سبحانہ و تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانے، بے ادبوں اور غافلوں کی طرح نہ بیٹھے۔ جب اس امر کا یقین حاصل ہوگیا کہ خدائے تعالیٰ میری باتوں، میرے کاموں، اور میرے احوال کو دیکھتا ہے اور کوئی چیز اس سے چھپی نہیں۔ تو پھر کوئی ایسا کام نہ کرے جو اس کی رضامندی کے برخلاف ہو اور کسی بخل اور حسد نہ کرے اور ان معنوں کو دل اور یقین سے کرے کہ خداوند تعالیٰ نے جس کسی کو کچھ دیا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں اور ہر ایک کو اس کے حوصلہ کے قدر پر اور اس کے احوال کے مناسب روزِ اول سے ہی بانٹ دیا ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

(ترجمہ) "ہم نے بانٹی ہے، ان کی گزران، اُن کے درمیان دنیا کی زندگی میں (الزخرف آیت ۳۲)

اور ہمیشہ اپنے سر کو نیچے ڈالے ہوئے اور اپنی نظر کو آگے بچائے رکھے تاکہ جو چیزیں دیکھنے کے لائق نہیں ہیں، دیکھی نہ جائیں اور آنکھوں کا نور گناہوں سے آلودہ نہ ہو جائے اگر نگاہ بے جا جگہ پر جا پڑے تو دل کو زخم کر دیتی ہے۔ آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "انسان کی نظر ایک زہر آلودہ تیر ہے شیطان کے تیروں سے" اور اس کی ڈھال لوگوں کی طرف دیکھنا ہے، جو شخص خداوند تعالیٰ سے بے جا نظر کرنے سے ڈرتا ہے،

اس کو ایمان کا سر و پا دیتے ہیں۔

اور حرام اور شبہ والے کھانے سے پرہیز کرے۔ جو شخص ایک حرام کا لقمہ کھاتا ہے، اس کی چالیس دن کی عبادت قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی دُعا کو استجابت کا درجہ ملتا ہے، کیونکہ حلال کا لقمہ تمام نیکیوں کا سردار ہے اور اگر حلال کا لقمہ ملے تو اتنا ہی کھائے کہ عبادت کی قوت اُس کو حاصل آئے، کیونکہ سالک کو پیٹ بھر کر کھانا حرام ہے۔

ہر ایک چیز کے لیے زنگار ہے اور دل کے شیشہ کا زنگ پیٹ بھر کر کھانا ہے اور کھانے کے وقت دل کو حاضر رکھے اور غفلت سے نہ کھائے۔ جو سالک کہ غفلت سے کھانا کھائے، اگرچہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہو، عین تاریکی ہو جاتا ہے اور اپنی زبان فضول کلام اور بیہودہ باتوں سے بچائے اور خاموشی کی مہر منہ پر لگائے تاکہ ناشائستہ باتیں مثلاً فحش، جھوٹ، غیبت کسی کی بات چرا کر دوسرے کے آگے کہہ کر اس کو بھڑکانا۔ بدگوئی کلمات کفر اور لغو۔ اور ایسی باتیں جو کہنے کے قابل نہ ہوں، زبان پر نہ لائے اور بیہودہ بڑبڑ سے ناچاکی حاصل نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے : من سکت سلم و من سلم نجا۔

(ترجمہ) "جو چپ رہا، وہ سلامت رہا اور جو سلامت رہا، وہ بچ گیا۔"

اور رات کو جاگنا، اپنی ذات پر واجب کرلے، اس لیے کہ بندگی کی لذت اور یادِ خدا کا مزہ اور نیک بختیوں کے خزانے رات کو جاگنے کے سوائے حاصل نہیں ہوتے اور غیروں سے الگ خلوت۔ اور اسرار و انوار کا ظہور، رات کو جاگنے کے سوائے حاصل نہیں ہوسکتا۔

اور ہمیشہ اپنے نفس سے حساب لیا کرے اور رات و دن اپنے حالات کے وقتوں کا ملاحظہ کیا کرے۔ اگر ان وقتوں میں، سب کی نیکیاں اور خیرات اور طاعت ہے تو شکر کرے اور اس کی کوشش نہ کرے۔ اور اگر خداوند تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف یا اپنی غفلت کے باعث، وہ اوقات گزر گئے ہوں تو نادم اور پشیمان ہو اور بہت ہی جلد تلافی مافات کرے۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "کہ سب سے زیادہ عقلمند وہ شخص ہے جو ہر لمحہ اپنے نفس سے حساب لے۔"

اور حرص و ہوا اور تکبر وغیرہ ہر ایک قسم کے بُرے خلقوں سے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرے تاکہ اس مقام میں پہنچ جائے جس کا نام ہے: تخلقوا باخلاق اللّٰہ "یعنی ایسا خلق کرو جو اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا نمونہ ہے۔"

اے عزیز! اگر تو دین و دنیا کی سعادت اور دونوں جہان کی دولت چاہتا ہے، تو ان سب اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ سے اپنی ذات کو آراستہ کر جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و عنایت کس طرف سے منہ دکھاتا ہے؟ اور حقیقی دولت کی کھڑکی کس راستہ سے کھلتی ہے۔ یہ سب اخلاق بیمار کے لیے بمنزلہ پرہیز کے ہیں۔

جو صاحبِ دولت سالکِ مذکورہ بالا صفتوں سے موصوف ہو۔ امید ہے کہ ظاہری اور باطنی بیماریوں سے صحت یاب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے فیض و رحمت کے لائق ہو جائے۔ اور زمین کی گہرائی سے نکل کر آسمانوں کی بلندی تک پہنچ جائے، لیکن ان کاموں پر استقامت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی کمال متابعت کے سوائے حاصل نہیں ہوتی اور ان سب اچھے خلقوں کی توفیق دین پر استقامت کیے بغیر میسّر نہیں ہوتی۔ پس اس راستہ کے چلنے والے کو چاہیے کہ اپنے احوال کی جستجو کو کتاب و سنّت کے ترازو میں تولے۔ اگر سب کے سب اس کے موافق اور مطابق ہوں تو خدائے تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے چھٹکارے کی امید ہے۔ اگر ذرہ بھر بھی اس کے برخلاف دیکھے تو جان لے کہ بالکل گھاٹے اور نقصان میں ہے۔

سید الطائفہ قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک شراب پینا اس حال سے بہتر ہے جو کسی شرعی رکن کا مانع ہو۔ پس بعض فقیروں کے حال پر تعجب آتا ہے۔ جنہوں نے اس راستہ میں قدم رکھا ہے اور نماز کے ادا کرنے میں جو عبادت کی بزرگی اور سعادت کے دروازوں

کی چابی ہے۔ سُستی اور کاہلی کو اختیار کرتے ہیں اور اس عظیم الشان کام کو آسان اور بے مقدار جانتے ہیں، بلکہ بعض کم بخت فقیر تو نماز کو ترک کر کے بدعات کے کاموں میں بہت ہی مشغول ہو گئے ہیں۔ سو اللہ کی پناہ۔ یہ سب شیطان کے ہتھکنڈے ہیں، جنہوں نے اس قوم کو گمراہی میں ڈال دیا ہے اور ابدی سعادت سے روک لیا ہے، کیونکہ نماز ایمان کا ایک بھاری رُکن ہے۔ جو شخص اس رُکن کو قائم نہ کرے اور کھڑا نہ کرے تو دراصل اس نے اپنے دین میں رخنہ ڈال دیا ہوگا: لکل شیئ اٰفتہ اٰفۃ الدین ترک الصلوٰۃ۔ (ترجمہ) "ہر چیز کے لیے ایک آفت ہے اور دین کی آفت ترک نماز ہے۔"

حدیث شریف میں ہے: "بے نماز آدمی جو لقمہ اٹھاتا ہے، وہ لقمہ اس پر لعنت کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ اے دشمن خدا! تو اللہ تعالیٰ کا رزق کس منہ سے کھاتا ہے جبکہ اس کا فرض ادا نہیں کرتا۔" کہتے ہیں کہ جب سعید لوگ بدبختوں کو دوزخ میں دیکھیں گے تو ان سے پوچھیں گے "تم مُسلمانی کا دعویٰ کرتے تھے، کس سبب سے دوزخ میں ڈالے گئے ہو؟" وہ جواب دیں گے کہ "بے نماز ہونے کے باعث، اس لیے کہ ہم دنیا میں اس نعمت سے محروم رہے" چنانچہ خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ماسلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین (ترجمہ) "تم کو کس نے دوزخ میں ڈالا؟ وہ کہیں گے کہ ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے۔"

حضرت ابو حفص بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ "اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے تو بھی مسلمان رہ سکتا ہے؟" جواب دیا کہ "میں نے سب کتابوں اور قرآن مجید کا مطالعہ کیا تاکہ مجھے معلوم ہو کہ نماز ادا کیے بغیر بھی مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟ مگر کہیں بھی ایسا حکم نہ ملا۔"

نقل: ایک شخص نے شیطان کو خواب میں دیکھا۔ کہا "میں کیا (تدبیر) کروں کہ تیری طرح بن جاؤں؟" شیطان نے کہا کہ "نمازیں ضائع کیا کر اور قسمیں بہت کھایا کر۔" سائل نے کہا "خدا کی قسم اس کے بعد میں اپنی نماز میں ہوشیار رہوں گا، کبھی ترک نہ کروں گا۔ اور میں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ عہد کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا قسم نہ اٹھاؤں گا۔" شیطان

نے کہا، خدا کی قسم اگر میں جانتا کہ تو اس خلاصہ کو اس حیلہ سے مجھ سے سیکھتا ہے تو میں تجھے ہرگز نہ بتاتا، لیکن جو گزرا سو گزرا۔"

پس غور سے دیکھ اے عزیز! کہ شیطان باوصف اِس قدر قرب اور مرتبہ کے صرف ایک نافرمانی یعنی آدم کو سجدہ نہ کرنے سے خدا تعالیٰ کی درگاہ سے راندہ گیا۔

اور مومن بندہ بھی سجدہ یعنی نماز ادا کرنے پر مامور ہوا۔ پس اگر تو اس امر کو فوت کر دے گا تو تجھ پر افسوس ہے اور تیرا ٹھکانا دوزخ ہے۔

شیخ نور قدس سرہٗ کے مکتوب گرامی میں لکھا گیا ہے کہ "شیطان آدمی کی کسی بندگی سے ایسا پریشان و حیران نہیں ہوتا جیسا کہ سجدہ سے۔ اس لیے کہ اس پر سجدہ نہ کرنے سے ہی لعنت ہوئی۔ جس وقت مومن بندہ کو وہ (ابلیس) سجدہ میں (پڑا ہوا) دیکھتا ہے تو اس کو سخت قلق اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ ماتم کے پلّہ میں اپنا سر ڈال لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ وہی عمل ہے جس کو میں نے نہ کیا اور ہلاکت میں پڑا اور مردود ہوگیا اور انہوں نے نیک عمل کیے، خلاص ہوگئے اور قبول ہوئے۔ چونکہ شیطان تجھے ہمیشہ دکھ ہی دینا چاہتا ہے تو تجھے بھی لازم ہے کہ ہمیشہ اس کو رنج میں رکھے اور سجدہ سے سر نہ اٹھائے۔ کیونکہ کوئی بھی نیک عمل، اور کوئی بھی عبادت نماز سے بہتر نہیں ہے یہی باعث ہے کہ شیطانی وسوسے تمام وقتوں سے زیادہ نماز کے وقت میں ہی پڑتے ہیں۔"

شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "نماز بمنزلہ کشتی ہے اور دوسری عبادتیں بھی اشیاء اور اسباب کی طرح (اس کے ساتھ) چلی جاتی ہیں۔" اسی طرح نماز نماز کی کیفیت ہے کہ سب عبادتیں اور ریاضتیں سوائے ادائے نماز کے درگاہِ الٰہی میں قبول نہیں ہوتیں۔

نقل ہے کہ ایک عابد مرد کی نیکیاں اور خیراتیں بہت تھیں، لیکن نماز نہیں پڑھتا تھا۔ ایک رات اس کو خواب میں دکھایا گیا کہ قیامت واقع ہوگئی ہے اور اس کو حساب

دینے کے مقام پر لے گئے ہیں اور جب اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں رکھا گیا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ اور تو سب حسنات وخیرات موجود ہے مگر نماز نہیں ہے۔ فرمان ہوا کہ اس کی تمام عبادات اس کے منہ پر مارو، کیونکہ بے نماز تھا، چنانچہ اس کو ننگے سر دوزخ کی طرف لے گئے۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوا تو بہت شرمندہ ہوا اور اسی وقت توبہ کی اور باقی ماندہ عمر میں کبھی نماز کو ضائع نہ کیا۔

اے عزیز! اس بات کو یقین دل سے جان کہ سب بدنی عبادتوں کی سرتاج اور ربانی قرب کا موجب یہی نماز ہے۔ کل کو قیامت کے دن کسی عمل کا مواخذہ نہ ہوگا، مگر نماز کا۔ یہی نماز ہے جو مومنوں کی مغفرت کا موجب ہے اور ایمان کا رُکن ہے۔

یہی نماز ہے جو نمازیوں کی معراج، عبادتوں کا مخزن اور سعادت کے دروازوں کی چابی ہے۔

یہی نماز ہے جو عاشقوں کی خلوت گاہ اور مشتاقوں کی آنکھ کا نور بڑھانے والی ہے۔

یہی نماز ہے جو پیغمبروں کی سنت ہے اور خدا کی جان پہچان کا نور یہی نماز ہے جو ایمان کی جڑ ہے اور شیطان کی کراہیت۔ لیکن غفلت کے جنگل کے قیدیوں کو نماز کے بھیدوں سے کیا خبر۔ اور ہر جاہل کو جو سر اور پاؤں سے ننگا ہے۔ اس بیان سے کیا اثر، حالانکہ سب عبادتوں سے بزرگ تر اور بلند درجے پر پہنچانے والی ہے۔ اگر ہے تو وہی ہے جس کا نام نماز ہے جو اپنے وقت پر ادا کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اول وقت میں نماز ادا کرنے کی بابت میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جو شخص اس سعادت کو حاصل کرے، اس کو چاہیے کہ پنج وقتی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اور آرام وتحمل، خشوع وخضوع اور حضورِ دل کے ساتھ پڑھے اور رکوع وسجود، قومہ، جلسہ ترتیب کے ساتھ ادا کرے۔ اگر غافلوں اور بے ادبوں کی طرح پڑھے گا، تو وہ نماز ہرگز قبول نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے: لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِیْ تَعْدِیْلِ الْاَرْکَانِ۔

(ترجمہ) ارکانِ نماز کے برابر رکھنے کے سوائے نماز ہوتی ہی نہیں۔

زید بن واہب نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا تھا اور رکوع و سجود ٹھیک نہیں کرتا تھا۔ اس شخص کو بلا کر کہا کہ "اے عزیز! کب سے تو اس طرح نماز پڑھتا ہے؟" اس نے کہا چالیس برس سے۔" فرمایا کہ "ان چالیس برس میں تو نے (گویا) کوئی نماز پڑھی ہی نہیں۔ اگر تو مر گیا تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریق پر تو نہیں مرے گا۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو کہ نماز پڑھ رہا تھا اس کو فرمایا: قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ۔ (ترجمہ) "اُٹھ اور پھر پڑھ، کیونکہ تو نے پہلے (نماز گویا) پڑھی ہی نہیں۔"

اور صاحبِ کافی (اپنی کتابِ کافی میں) لکھتا ہے کہ ارکانِ نماز کا برابر رکھنا حضرت امام یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک فرض ہے۔ اگر ترک کرے تو اس کی نماز روا نہیں ہوتی اور یہ روایت نظم میں لایا ہے، لیکن حضرت امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک واجب ہے۔ اگر ترک کرے تو گنہگار ہو جاتا ہے اور اس کی نماز کو نقصان پہنچتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں منقول ہے کہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "خدا تعالیٰ کے نزدیک اس سے بڑھ کر گناہ اور دین میں بہت بڑا دشمن اور عذاب میں زیادہ سخت اس کے سوا نہیں ہے کہ انسان نماز کو اس کی شرطوں کے موافق ادا نہ کرے اور اپنے وقت پر نہ پڑھے۔"

شیخ الاسلام شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں کہا ہے کہ "جو شخص تعدیلِ ارکان بجا نہ لائے، اس کے لیے یہ بہت اچھا ہے کہ نماز کو دوبارہ پڑھے۔"

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ حَفَظَ عَلَی اللہِ الصَّلٰوۃِ بِقِیَامِهَا وَرُکُوْعِهَا وَسُجُوْدِهَا حَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی جَسَدَهٗ عَلَی النَّارِ۔ (ترجمہ) "آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ

جس نے خاص اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھی، اس کے قوموں۔ رکوعوں اور سجدوں کو پوری طرح سے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔"

پس رکوع و سجود اور دونوں سجدوں کے درمیان آرام لینا، نماز کے رکنوں میں سے ہے جو شخص نماز کو اپنے دل کی تسلی سے ادا کرتا ہے، تو وہ نماز اس کی مغفرت کا وسیلہ ہو جاتی ہے اور دو سجدوں کے درمیان آرام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جو ذکر کہ ہر ایک رکن میں مقرر ہے، چاہیئے کہ اسی رکن میں ختم ہو جائے۔

اے عزیز! نماز کی ایسی ہی حقیقت ہے جیسے آدمی کی۔ مثلاً انسان خوبصورت اور بے عیب اسی وقت ہوتا ہے جبکہ اس کے تمام اعضاء آنکھ۔ کان۔ زبان۔ ناک اور ہاتھ پاؤں سب کے سب ٹھیک اور سلامت ہوں۔ ایسے ہی کامل صحیح و سالم اور بے عیب نماز اس وقت ہوتی ہے کہ اس کے سب ارکان اور احکام جس طرح پر صاحب شریعتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے حکم دیا۔ ان پر عمل کیا۔ ان کے مطابق ادا کی جائے۔ پس سعادت مندوں کو یہ لازم ہے کہ اس بات میں سستی اور کاہلی کو عمل میں نہ لائیں اور عجز و نیاز کے ساتھ عبودیت کے آداب بجا لائیں تاکہ ایسی نماز (جس کا اوپر ذکر ہوا) ان کے بخشے جانے کا موجب ہو، اور (ان کے) ایمان کی بیخ و بنیاد کو مضبوط کرے۔

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات کو خداوند تعالیٰ سے مراجعت کی تو فرمایا: "اے خداوند کریم! یہ سعادت اور نعمت جس سے تو نے مجھے مالا مال کیا، کیا میری امت کے بھی نصیب ہوگی؟" خداوند کریم نے ان سے خطاب کیا: "تمہاری امت کا معراج با جماعت نماز ہے۔" جناب آں سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اس جہان میں نازل ہوئے تو اپنے اصحابوں اور یاروں کو اس طرح خبر دی: اَلصَّلٰوۃُ معراج المومنین۔ (ترجمہ) "نماز مومنوں کی معراج ہے۔"

اس لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے لیے نماز ایک بڑا معراج ہے اور تمام جسمانی اور روحانی عبادتوں کی جامع ہے جن کا اعضاء کے ساتھ تعلق ہے اور دل کے ساتھ بھی۔ جب بندۂ مومن خداوند تعالیٰ کی توفیق سے اپنے ظاہر (بدن) کو پانی سے پاک کر کے نماز کے ارادے سے خدا تعالیٰ کے گھر میں پاؤں جماتا ہے اور نماز میں داخل ہوتا ہے تو جو پردہ کہ خدا اور بندہ کے درمیان حائل ہے، اُٹھ جاتا ہے۔ اگرچہ اس دولت کا ظہور فی الحال مردِ نمازی پر نہیں دکھائی دیتا، لیکن اس جہان سے چلے جانے کے بعد اس کا رتبہ اور پھل ظاہر ہو جائے گا۔

سالکانِ طریقت جنہوں نے دل کی آنکھ یادِ خدا اور کشفِ باطن میں کھولی ہے، اس کو اس دولت کا ظہور بطور نقد اسی جہان میں حاصل ہو چکا ہے۔

اے عزیز! نماز حقیقت میں ایک ایسی معجون ہے جو کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے دلوں کی تازگی اور ان کی جانوں کی شگفتگی کے لیے عطا فرمائی ہے۔ اور ساکنانِ آسمان اور باشندگانِ زمین کی عبادت اس میں درج کی ہے۔ جس طرح پر کہ عالمِ لا کے لوگ، بعضے قیام میں، بعضے رکوع میں، بعضے سجود میں، بعضے تسبیح میں، بعضے تہلیل میں اور بعضے حمد و ثنا میں ہیں۔ اسی طرح کے انسانوں میں سے بھی بعضے ذکر و فکر میں، بعضے قرآن خوانی میں، بعضے درود شریف پڑھنے میں، اور بعضے دعاؤں اور عبادتوں میں مشغول ہیں اور نماز تمام جزوی اور کلی عبادتوں کی جامع ہے۔ اگرچہ وہ (نماز) ایمان کے رُکنوں میں سے ایک رُکن ہے، مگر کمال جامعیت کے باعث حکمِ کل رکھتی ہے۔ اس لیے کہ نماز میں تکبیر۔ تسبیح۔ تہلیل۔ تحمید و تمجید۔ تقدیس و تعظیم۔ دُعا و ثناء۔ ذکر و فکر۔ قرآت و درود۔ خضوع و خشوع۔ رکوع و سجود۔ قومہ و جلسہ، اور اسلام۔ سب کی سب جزوی و کلی عبادات میں داخل ہیں۔ جو شخص نماز کو بخوبی ادا کرتا ہے، تو حقیقت میں سب فرشتوں اور آدمیوں کی عبادت کا ثواب پا لیتا ہے۔ وہ جماعت جو

نماز ادا کیے بغیر خداوند تعالیٰ کا قرب چاہتی ہے اور دوسرے کاموں میں مشغول ہے۔ عجب قسم کی حیرانی ہے کہ وہ کونسا قرب ہوگا۔ جب خداوند تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (سجدہ کر اور نزدیکی تلاش کر) فرمایا۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے : اقرب مایکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ۔ (ترجمہ) "یہ نہایت ہی عمدہ بات ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کے سامنے نماز میں ہو" اور اس کے خلاف کسی اور کام میں مشغول ہو کر اپنا مقصود ڈھونڈھنا اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے۔ اب مطلب کی طرف غور کر کہ نماز میں ظاہری آداب کی رعایت اگرچہ ایک بہت بڑا کام ہے، لیکن اہلِ معانی کے نزدیک یہ نماز کی صرف شکل اور ڈھانچہ ہے۔ اور جان اور روح وہ ہے جو قلبی نماز ہے۔ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب (جو نماز کہ حضورِ دل سے نہ ہو، وہ نماز ہی نہیں)

جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس نماز میں (انسان کا) دل حاضر نہ ہو، خداوند تعالیٰ اس نماز کو دیکھتا ہی نہیں۔" مگر جو امام ابوحنیفہ و شافعی اور دیگر علماء رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ "تکبیر میں دل حاضر ہونا چاہیے۔" سو یہ ضرورت کے لیے فتویٰ دیا ہے کہ خلقت کے دلوں میں غفلت اور سستی غالب ہے۔

پس سالک کو چاہیئے کہ نماز میں غیرِ حق سے پہلو بچا بچا کر اپنے دل کی توجہ یک سُو کرلے اور حق سبحانہ تعالیٰ کو حاضر ناظر یقین کرے۔ حدیث شریف میں وارد ہے اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر کہ گویا تو اس کو دیکھتا ہے اور اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس طرح ہی کر وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔"

جس طرح کہ ایک نوکر جو بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو، بادشاہ اس کی طرف دیکھے اور وہ دوسری طرف متوجہ ہو۔ تو ایسا شخص شاہی عنایتوں کا مورد و مستحق نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح پر نماز میں ہے۔ درحقیقت حقیقی بادشاہ خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہونا ہے۔ جو شخص بندگی کے ادبوں کی رعایت نہ رکھے اور حق کے سوائے اور قسم کے خیالات دل میں نہ لائے تو عبادت کا ثواب اس کے روزنامچہ میں نہیں لکھتے۔

کتاب "کشف المحجوب" میں منقول ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج شریف میں تشریف لے گئے۔ تو بلفظِ اَدَب اور بلند ہمتی کے باعث دونوں جہانوں کی طرف نگاہ تک نہیں کی۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ نے کجی نہیں کی۔ اور اپنے مطلب سے تجاوز نہیں کیا) ما زاغ البصر سے مراد دنیا کا دیکھنا ہے اور مَا طَغٰی سے عقبیٰ کا مشاہدہ مراد ہے، اس لیے کہ دونوں چیزیں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ماسوائے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے لیے بھی نماز بمنزلہ معراج کے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دل کی توجہ غیرحق کی طرف مصروف ہو۔

اے عزیز! نماز جس کو معراج کہتے ہیں، وہ ہے جس کی برکت وعظمت سے غیرحق کی طرف پوری روگردانی ہو اور دل خیالات اور تصور سے خالی ہو۔

وگرنہ آنچہ نمازے بود کہ من بے تو!
نشستہ سوئے محراب دل بہ یازارم

(ترجمہ) "اور نہ وہ نماز ہی کیا ہے کہ میں تیرے سوائے محراب میں بیٹھ کر دل کو دکھ دیا کروں"

حضرت خواجہ جنید قدس سرہ نے فرمایا: "اگر نماز میں مجھ کو غیرحق کا خیال آتا تھا تو میں اس نماز کو پھر ادا کرتا، کیونکہ جس نماز میں، ایک ذرہ بھی ماسوائے اللہ کا خیال دل میں ہو ممکن نہیں کہ وہ نماز خدا تعالیٰ کی درگاہ میں قبول ہو۔ یا اس کی لذت اور مٹھاس نمازی کی جان کے مذاق میں پہنچے۔

کتاب "سلک سلوک" میں منقول ہے کہ ایک صاحبِ وقت فقیر مسجد میں

نماز پڑھتا تھا، بادل برسنے لگا۔ اُس کا دل حجرے کی طرف مائل ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ مکان کی چھت سے پانی ٹپکتا ہو۔ مسجد کے کونے سے اُس کو ایک آواز آئی کہ اے فقیر! یہ جو تو نماز ادا کر رہا ہے، اس کا ہم پر کچھ احسان نہیں ہے، اس لیے کہ جو کچھ تجھ میں لطیف ہے، اس کو تو ہر گھڑی اپنے گھر میں روانہ کر رہا ہے اور جو کچھ تجھ میں کثیف ہے، یہاں دے رہا ہے۔ پس جو خیال نماز میں سوائے خدا کے انسان کی قوتِ متخیلہ میں جوش زن ہو، تاریکی لاتا ہے اور جس عبادت میں تاریکی ہو۔ وہ خدا تعالیٰ کی درگاہ میں قبول نہیں ہے۔

اے عزیز! تو خود ہی قیاس کر جبکہ انسان کا بدن ظاہری پلیدی سے آلودہ ہو تو خدا کے آگے سجدہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو پھر وہ دل جو حرص و ہوا کی حرکت سے مردارِ دنیا سے آلودہ ہو، کیونکر خدا تعالیٰ کے قرب و حضور اور معرفتِ الٰہی کے لائق ہوگا اور کیونکر دولتِ حقیقی اس پر اپنا ظہور کرے ؎

سبحہ در دست تو ہمی گوید — دل بگرداں مرا چہ گردانی
تو درون نمازِ دل بیروں — گشت ہا مے کند بہ مہمانی
ایں چنیں خاطرِ پریشاں را — شرم نا ید نماز مے خوانی

(ترجمہ) "تسبیح تیرے ہاتھ میں (زبانِ حال سے) یوں کہتی ہے دل کو پھیر، مجھے کیا پھیرتا ہے۔
تو نماز میں مصروف ہے اور تیرا دل مہمانی کے لیے باہر کی گشت کر رہا ہے۔
ایسے پریشان دل کے ساتھ جو تو نماز پڑھ رہا ہے، کیا تجھے شرم نہیں آتی؟

نقل ھے کہ ابوجہم بن حذیفہ ایک صوف کا سیاہ پارچہ جس پر سفید دھاریاں تھیں، تحفہ کے طور پر رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہنا اور اس پر نماز ادا کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اسے بدن سے اتار دیا اور کہا "اے عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یہ پارچہ ابوجہم کو واپس کر دے۔ جب نماز میں اس کپڑے پر میری نگاہ جا پڑی تو قریب تھا کہ مجھے غیرِ حق کی طرف مائل کر دے۔"

پس اس معاملہ میں پوری احتیاط کو کام میں لانا، اور دل کو غیر حق کے خیالات سے روکنا، سالک کے لیے واجبات سے ہے۔ جو سالک کہ نماز میں دل کی تسلی نہیں پاتا اور نماز کا نور اس کے دل پر نہیں چمکتا، اہلِ طریقت کے نزدیک اس کا سلوک بالکل ابتر ہے۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کو نماز غفلت اور دل کی پریشانی سے نہیں روکتی ہے، اس نماز سے دُوری اور ناامیدی کے سوائے اُسے کچھ حاصل نہیں ہے۔"

اب یہ مطلب بیان کیا جاتا ہے کہ نماز کی تین قسمیں ہیں:

اوّل: عام لوگوں کی نماز۔

دوم: خاص لوگوں کی نماز۔

سوم: خاص الخاص لوگوں کی نماز

اوّل: عام لوگوں کی نماز وہ ہے جس طرح پر کہ ہم لوگ رسم وعادات کے طور پر غافل دل سے ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ ظاہر حکم کی رُو سے (وہ نماز) ادا ہو جاتی ہے، مگر صدق وصفا سے خالی ہے۔ یہ نماز اس اخروٹ کی طرح ہے جس پر مغز نہ ہو اور اس صورت یا شکل کی مانند ہے جس میں جان نہ ہو۔

حضرتِ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "بہت سے ایسے لوگ ہیں، جو نماز سے سوائے دکھ اور ماندگی کے کچھ بھی حاصل نہیں کرتے۔" یعنی ظاہر میں تو وہ سجدہ کرتے ہیں، لیکن ان کا باطن پراگندہ ہے اور رکوع وسجود۔ قومہ وجلسہ میں احتیاط نہیں کرتے جیسا کہ رسم وعادت کے طریقہ پر نفس عادی ہو گیا ہے۔ غافلوں اور بے ادبوں کی مانند پڑھتے ہیں۔ اگر ان کی نماز میں حضورِ دل نہیں ہے اور اپنے پریشان دل کو جمع نہیں کر سکتے تو ظاہری رُکنوں میں بھی کچھ احتیاط نہیں کرتے۔

اب انصاف اور قیاس تیرے ہاتھ میں ہے کہ بھلا اس قسم کی نماز رب العزت کی درگاہ

کے قابل ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ مثنوی ؎

میگذاری از نمازِ غیرِ آں — لیک یک ذرہ نداری ذوقِ جاں

ذوق باید تا دہد طاعات بر — مغز باید تا دہد دانہ شجر

دانۂ بے مغز کے گردد نہال — صورتے بے جان نباشد جز خیال

طاعتش نغز است و معنی نغز بہ — جوز بسیار در وے مغز نہ

(ترجمہ) "تو نماز تو پڑھتا ہے، لیکن ذرہ بھر بھی تجھے اس میں ذوق نہیں۔

ذوق درکار ہے تاکہ بندگی کچھ پھل دے سکے۔ دانہ میں اگر مغز ہو تب ہی اس سے پودا نکلتا ہے جس دانہ میں مغز نہ ہو، بھلا وہ کہاں درخت بن سکتا ہے۔

ایسی بندگی ظاہر میں تو عجیب معلوم ہوتی ہے، لیکن باطن میں کچھ بھی عجیب نہیں ہے۔ اس کا ایسا ہی حال ہے کہ اخروٹ تو بہت سے ہوں، مگر مغز ایک میں بھی نہ ہو۔"

نماز دلہن کی طرح اس وقت اپنے چہرے سے نقاب اتارتی ہے۔ جب دل کے سامنے سوائے ذاتِ اقدس (خدا تعالیٰ) کے اور کچھ نہ ہو اور دل خیالاتِ غیر سے پاک ہو۔

دوم: **سالکانِ خاص کی نماز** - جو نیک بختی کے راستہ میں چلنے والے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب نماز کی طرف متوجہ ہو اور ظاہری طہارت کرنے لگے تو دل کو بھی توبہ و استغفار کے پانی سے خوب دھوئے اور ذوق و شوق کا متاع جو مذاقِ جان کو حلاوت بخشنے والا ہے، تلاش کرے اور جب مسجد یا مصلّےٰ پر قدم رکھے تو اپنے دل کو جو خداوند تعالیٰ کے انوار و اسرار کے محل کا ظہور ہے۔ ماسوی اللہ کے خیالوں سے پاک کرے۔ جس طرح اپنا ظاہری منہ قبلہ کی طرف کرتا ہے، دل کے منہ اور باطن کی توجہ کو بھی حقیقی قبلہ کی طرف لائے اور دل پر نظر جمائے اور جب تکبیر کہے تو دونوں جہان سے انقطاع کر کے دنیا و آخرت پر تکبیر کہے اور جب عبادت کے بچھونے پر کھڑا ہو، خداوند تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر نہایت ادب و حضور سے اس بلند درجوں پر پہنچانے والے (خداوند تعالیٰ) کے کلام (قرآن مجید) پڑھنے

میں مصروف ہو۔ جب رکوع میں جائے تو خضوع و خشوع کے ساتھ سر جھکائے اور کسرِ نفسی اور خود شکستگی سے کام لے اور نفس کی انانیت (میں ۔ پن) کو سر سے دُور کرے۔ جب سجدہ میں جائے، تو اپنی عاجزی اور خوارگی اور خداوند تعالیٰ کی عظمت اور جلالیت کا پورا پورا لحاظ رکھے۔ جب نماز کے ارکان پورے کر کے قرب کے بچھونے پر بیٹھے تو بلا غیروں کے پریشان کرنے کے ہشیاروں کے ساتھ دُعا و ثناء کہنا شروع کرے۔ جب سلام کہے، تو گویا اپنی خودی کو وداع کرے اور خدائے واحد کے جمال کے مشاہدہ میں غرق ہو تاکہ نماز کے ذریعہ سے نمازی کی رُوح عالم قدس پہ عروج پائے۔ اور حقیقتِ نماز اپنے چہرہ کشائی کو عمل میں لاتے۔ مثنوی ؎

این نمازت تاج شاہی مے دہد | بل ترا از خود رہائی مے دہد
نقدِ ہستی محو کُن در نماز | تا بگوئی پیش حق راز و نیاز

(ترجمہ) "یہی نماز تاجِ شاہی تیرے سر پر رکھتی ہے، بلکہ تجھ کو تجھ سے آزاد کر دیتی ہے۔ نماز میں اپنے وجود کے نقد کو مٹا دے تاکہ خدا کے سامنے تو اپنے راز و نیاز ظاہر کرے۔

سوم: خاص الخاص نماز یعنی نماز عارفین، وہ ہے کہ بدن عبادت میں ہو۔ دل حضور میں ہو۔ جان، محبت اور قرب میں ہو، اور نفس فنا در فنا جب عارف کامل نماز میں آتا ہے، تو اللّٰہُ اکبر کہتے ہی از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور حاضر حق۔ وہ نیستی کے سمندر میں ایسا ڈوب جاتا ہے کہ اس وقت کو نہ اپنی ذات کی خبر ہوتی ہے۔ نہ بشریت کی بُو، اس میں کچھ اثر رکھتی ہے۔ کیونکہ نماز کے ہر ایک رُکن میں عالمِ قدس سے اتنا فیض اس کے دل پر پڑتا ہے کہ اس کو از خود ربودہ کر کے بے خودی کے عالم میں خدا کے پاس حاضر کرتا ہے۔ ایک بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے۔ ایک نماز جو تجھ کو تجھ سے لے جائے۔ وہ ایسی ہزار نماز سے بہتر ہے کہ تو اپنے آپے میں ہو، اس لیے کہ حقیقتِ نماز اس شخص پر منکشف کرتے ہیں جو اپنی ذات سے فانی ہو کر خدا تعالیٰ کے ساتھ بقا پذیر ہو۔

شیخ محی الدین عربی قدس سرہٗ نے فرمایا: عام لوگوں کی نماز ظاہری اعضا کی نگہبانی کرتی ہے اور خاص لوگوں کی نماز ماسوی اللہ سے منہ پھیرنا اور اپنے شہود کے سمندر میں غرقاب ہونا ہے اور خاص الخاص لوگوں کی نماز وہ ہے کہ عبادت کرنے والا اصلاً (اپنے آپ میں) رہے ہی نہیں۔ (بلکہ) اپنی ہستی سے بالکل غائب ہوکر حق تعالیٰ کے پاس حاضر ہوجائے۔

پس سالکان طریقت جو میدانِ شریعت کے شہسوار ہیں۔ اس نماز کے ذریعہ سے اتنی بڑی ترقی کرتے ہیں کہ بیان اور برہان سے باہر ہے۔ اور یہ مقدمہ بیانی نہیں ہے بلکہ وجدانی ہے ؎

ہر کہ او از خود بکلی ابتر است

نایدش درے ازیں دریا بدست

(ترجمہ) "جو شخص اپنی ذات میں بالکل برا ہے۔ اس (وجدان کے) سمندر سے اسے موتی حاصل نہیں ہوتے۔"

جس طرح کہ مبتدی (نوآموز) کو اوائل میں ذکر و فکر سے ترقی حال نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح پر منتہی کا عروج بھی نمازوں ہی سے وابستہ ہے اور سالکان اہلِ کمال کی غایتِ درجہ، عاجزی کے ساتھ نماز پڑھنا ہے۔

اے عزیز! اگرچہ حال کے ابتدا میں شوق و لذت۔ احوال۔ مقامات۔ واردات۔ کشف و کرامات کا ولولہ غالب ہوتا ہے، لیکن منتہیوں کے کام کی نہایت، جو تلوین[1] اور محبت سے تمکین کے مقام پر پہنچتے ہیں، سوائے نماز کے اور کوئی امر نہیں ہے۔

جب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم توحید کے خلوت خانہ میں آیا چاہتے تھے تو فرمایا کرتے تھے۔ ارحنا یا بلال بالصلوٰۃ (اے بلال ہمیں نمازوں سے راحت دلاؤ) اور نماز کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ سے پیوستگی اور ملاپ جو معراج شریف کی رات

---

[1] اہل تصوف کی اصطلاح فقر کا ایک مقام ہے۔ مترجم

کو حاصل ہوا تھا، دنیا کے عالم میں آپ نے فرمایا:

صاحبِ **کشف المحجوب** قدس سرّہٗ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج شریف کی رات کو خداوند تعالیٰ کے حضور میں عرض کی، "اے خداوند تعالیٰ مجھ کو دنیا کے مصیبت خانہ میں پھر نہ بھیج اور لالچ اور حرص کی قید میں نہ ڈال۔" خداوند تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ ہمارا حکم یہی ہے کہ شرع قائم کرنے کے لیے آپ واپس ہی جائیں تاکہ جو کچھ ہم نے آپ کو اس مقام میں عطا کیا ہے، وہاں بھی عنایت کریں، چونکہ ضعیف اور غریب لوگ جو اپنے اصلی وطن سے جدا ہو کر دُور جا پڑے ہیں اور ان کے دل تو جدائی کی آگ سے جل رہے ہیں، انہیں اپنے اصلی وطن کی طرف جانے کا راستہ دکھا اور تاریکی اور مسافرت کی گلی میں بھٹکتے ہوئے لوگوں کی مدد کر۔ اور یہ چند روز کی جدائی آپ کو کچھ نقصان نہیں دے گی، لیکن آپ کا وجود جو کل مخلوقات کو فائدہ بخشے گا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

(ترجمہ) "ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور تو دنیا کو سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔"

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا میں لوٹ آئے اور آپ کا دل اس مقامِ الٰہی کا مشتاق ہوتا، تو ارشاد فرماتے: اَرِحْنَا یَا بِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ۔ (اے بلال ہمیں نمازوں سے راحت دلا، یعنی اذان کہو) اور نماز ہی کے ذریعہ سے مذکورہ بالا دولت کو پہنچتے۔

پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اکمل تابعین جنہوں نے آپ کے احسان کے دسترخوان سے بہت سے فائدے حاصل کیے اور تمام کاموں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت اور محبت میں مٹ کر اپنی جانوں کو فنا کے درجہ تک پہنچایا۔ ان کے لیے بھی اس دولت سے ان کی محبت اور لیاقت کے قدر حصہ اور فیض ہے۔

اے عزیز! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی وہ نعمتِ عظمےٰ اور دولتِ کبرےٰ ہے کہ ہر ایک قسم کے مقامات۔ کمالات۔ درجات وغیرہ سالکوں کو حاصل ہوئے، سب کے سب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہی ہیں۔ پس جو کام مطلب کے حصول کا ذریعہ ہو، اس میں سستی اور کوتاہی کرنا جہل اور نادانی ہے۔

(جب یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ) جو شخص ظاہر اور باطن میں اپنی ذات کو اخلاقِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آراستہ رکھے۔ اس کی ذات ستودہ صفات خدا تعالیٰ کے حضور میں پسند ہے اور آں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور پیروی کے قدر پر، ولایت کی کمالیت سے مستفید ہو کر کاملہ صفتوں سے موصوف ہو جاتا ہے۔ تو تُو اپنی ذات کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کو حق تعالیٰ سے الگ نہ جان۔ جب کوئی نیک بخت سالک تمام شرعی امورات پر مضبوط اور مستقل ہو اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ پسندیدہ اور اخلاقِ حمیدہ سے خلعت پہنے اور اس درگاہ کا مقرب ومقبول ہو تو اس کو خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نائب بنا دیتا ہے (قضا و قدر) خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھتے ہیں۔ اس کا نور سورج کے نور کی طرح ہوتا ہے جو تمام جہان کو اپنے فیض سے فیض یاب کرتا ہے اور ایک عظیم الشان دنیا کو روشنی سے مالا مال کرتا ہے۔ تمام جہانوں کی مخلوقات کا قیام اسی کی ذات بابرکات سے ہوتا ہے، لیکن (قضا و قدر) اس (پسندیدہ اور برگزیدہ) مرتبہ پر اس شخص کو سرافراز فرماتے ہیں جو شریعت۔ طریقت اور حقیقت کے سب رتبوں کا جامع ہو اس لیے کہ شریعت کے حکموں کو طریقت کے انوار کے مکاشفہ اور حقیقت کے اسرار کے مشاہدہ کے ساتھ نگاہ رکھنا، ایک بہت ہی بڑا کام ہے،

(۱) **شریعت**: اوامر و نواہی پر۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر مستقیم رہنے کا نام ہے۔

(۲) **طریقت** : صفات کا بدل جانا ہے بمصداق۔

(۳) **حقیقت** : اپنے دل کو غیرِ حق سے خالی کرنا، اپنی ذات کو خودی کی قید سے چھڑانا ہے۔ لیکن وہ سالک جو بیہوشی کے مقام میں ہو اور اس کے غلبہ کے باعث شریعت کے امورات میں قصور کرے، وہ کامل طور پر خلافت کے قابل نہیں ہوتا۔

چونکہ ہوشیاری کو مستی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسی سبب سے اس مقام کے رہنے والے (سکاری) جیساکہ شریعت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

نقل ہے کہ پیر بسطامی قدس سرہ السامی نے فرمایا کہ ایک موقعہ پر مجھ پر عروج[1] واقعہ ہوا۔ میرے سر کو آسمان پر لے جا کر مجھے بہشت اور دوزخ دکھلایا۔ میں نے کسی چیز کی طرف نگاہ نہ کی، تب پردہ سے آگے گزار دیا۔ پھر میں پرندہ بن گیا اور ہواؤ ہویت میں اڑتا تھا، یہاں تک کہ احدیت کے مقام میں ستارہ بن گیا۔ جب میں نے نگاہ کی تو وہ سب میں ہی میں تھا۔ میں نے عرض کی "اے خداوند! جب تک کہ مجھ میں میں ہے۔ میرے لیے تجھ میں راستہ نہیں ہے اور اپنی خودی کے باعث وہ حالت نہیں ہے۔ پس مجھے کس قسم کی خصلت اختیار کرنا چاہیے؟" ارشاد ہوا، "اے بایزید! تیرے لیے تجھ سے خلاص ہونے کی یہی تجویز ہے کہ تو میرے دوست (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی متابعت میں رہے۔ اس کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کے لیے سرمہ بنا اور اس کی پیروی اپنی ذات پر ہر وقت لازم رکھ تاکہ تجھے جس طرح طلب ہے، دستیاب ہو۔"

پس جس شخص کو خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم لایزال سے کمال اور تکمیل کے رتبہ پر سرفراز کیا ہے، اُس کی خود پرورش کرتا ہے اور اپنی طرف کا راستہ دکھاتا ہے، وہ گروہ جو ازلی سعادت کی رُو سے، اس سعادت کی لیاقت و استعداد رکھتے ہیں۔ شرعی حقوق کے ادا کرنے میں حد سے بڑھ کر کوشش کو عمل میں لاتے ہیں اور باوجودیکہ کمالاتِ معنوی ان کو حاصل ہو گئے ہیں،

---

[1] صوفیوں کی اصطلاح میں معراج کا نام ہے۔ مترجم

تو بھی وہ اس ذریعہ سے الگ نہیں ہوتے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے ان کے دلوں کو اپنی معرفت کے نور سے روشن کر کے مقام اعلیٰ علیین[1] پر پہنچا دیا۔

اے عزیز! جب تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت غالب نہ ہو اور سالک کے اوصاف آپ کے اوصاف میں فانی نہ ہو گئے ہوں اور اپنی ذات سے ربانیؔ اور خداتعالیٰ کے ساتھ پوری آشنائی نہ ہو گئی ہو۔ فنانی اللہ کا مقام جو عاشقوں کے مقام کی نہایت اور سالکوں کے مقصدوں کی غایت ہے، حاصل نہیں ہوتا۔ اور درجہ فنانی اللہ کا وصول فنانی الرسول کے حصول پر موقوف ہے اور فنا فی الرسول کا درجہ اس وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام صفتیں اور اخلاق اس میں موجود ہوں اور اس کے سب کے سب اعمال وافعال۔ حرکات وسکنات۔ عادات ریاضات اور عبادات ٹھیک ٹھیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریق پر ہوں جیسے بنی نوع انسان کی حقیقت، پاکیزگی میں ہوا اور پانی کی مثال رکھتی ہے کہ جب یہ دونوں چیزیں ہر ایک رنگ اور صفت میں مل جاتی ہیں، تو اسی رنگ میں رنگین ہو جاتی ہیں۔ پس پوری نیک بختی یہی ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے دوست حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے رنگ اور صفت میں رنگین کر دے تاکہ اس کے ذریعے سے حقیقی مقصد اور اعلیٰ مطلب پر پہنچ جائے۔ اس لیے کہ جو عمل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے، وہ سب کا سب درگاہِ الٰہی میں مقبول اور محبوب ہے۔ سالک کو اس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا۔ واجبات سے ہے۔ چنانچہ سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک صفتوں اور بزرگ عادتوں میں سے تھوڑا سا ذکر، معتبر دینی کتابوں سے اخذ کر کے مجمل طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

---

[1] علیین نام ہے بہشت کا۔ بندگانِ صالح کے اعمال نامے، نیکیوں کی ارواح کا مقام اور علیین ساتویں آسمان پر ہے، اس کی جڑ اس کی سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک ہے اور سر اس کا عرش مجید کے داہنے پایہ سے ملا ہے۔ نیک لوگوں کی ارواح قبض ہونے کے بعد وہاں پہنچتی ہے۔ مترجم۔

سُنو! خاص و عام کو پہلے سلام علیک کرنا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ مبارک میں تھا۔ ان کے نزدیک مالدار اور مفلس بے زر میں کچھ فرق نہ تھا۔ ہمیشہ خوش رُوئی سے شیریں اور نرم باتیں فرماتے۔ بُرا کہنا اور کسی کا عیب نکالنا، ان کی مبارک طبع میں نہ تھا۔ اگر کسی سے ناشائستہ حرکت دیکھتے تو (اس کی اصلاح کا) پوشیدہ طور پر ارشاد فرماتے تاکہ اس کا دل ٹوٹ نہ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں فروتن، بُردبار، خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے۔ صبر و قناعت۔ رحم دلی میں اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ عہد کے پکّے، وعدوں کے سچّے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں کرم و سخاوت اور احسان، اس حد تک تھے کہ جو چیز ان سے کوئی شخص مانگتا، بلا توقف دے دیتے تھے اور ہر ایک اہلِ مجلس کو اپنی عنایتوں اور مہربانیوں سے حصّہ دیتے۔ اُن کی مبارک مجلس کے ہر ایک رکن کو یقینِ کامل تھا کہ مجھ سے زیادہ عزیز آپ کے پاس اور کوئی نہیں ہے۔ ہر ایک کے ساتھ اس کی لیاقت کی استعداد پر کلام فرماتے۔ یہاں تک کہ ہر ایک راضی اور خوش دل ہوتا۔

آپ کے اخلاقِ مبارک ایسے وسیع اور عظیم الشان تھے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں عرصہ ۱۰ برس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا خادم رہا۔ اس عرصۂ دراز میں مجھے کبھی نہ فرمایا کہ تو نے فلاں کام اچھا نہ کیا یا کس لیے ایسا کیا؟ اگر میں اچھا کام کرتا تو میرے حق میں دُعائے خیر فرماتے اور اگر کوئی کام ان کے خلافِ طبع ہو جاتا یا بگڑ جاتا تو فرماتے کَانَ اَمرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقدُورًا (خداوند تعالیٰ نے ایسا ہی مقدر کیا تھا)

کسی فرد یا بشر پر خلافِ حق غصّہ نہ فرماتے اور نفس کے حق کے لیے جس کا تعلق دنیا کے ساتھ ہو، بدلہ نہ لیتے۔ ہنسی کھلکھلا اور قہقہہ نہ کرتے، لیکن ہونٹوں تلے مُسکراتے اور بلا حاجت و ضرورت کسی کے ساتھ بات نہ کرتے۔ آپ کی خاموشی بہت طول طویل تھی۔

اور جب بات کرتے تو اس کو تمام و کمال ختم کرتے، یعنی بالکل صحیح اور درست فرماتے۔ اس میں کسی قسم کا ادھورا پن اور شکستگی نہ ہوتی۔ الفاظ تو مختصر ہوتے، مگر ان کے معنی بہت ہی حاوی اور بسیط اور جب بات کرتے تو دائیں ہاتھ کے مبارک انگوٹھے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر لگاتے اور اگر اشارت فرماتے تو صرف انگلی کو ہتھیلی کی طرف کرتے اور جو کچھ آپ کے پاس حاضر ہوتا اسے حاضرین وغیر حاضرین، فقیروں، مستحقوں کو بانٹ دیتے اور جس کو دے دیتے، اُس پر کسی قسم کا احسان نہ جتلاتے۔ غریبوں کے حق میں دُعائے خیر فرماتے۔ بیمار پُرسی کے لیے ضرور تشریف لے جاتے اور اس بارے میں یہ عذر کبھی نہ کرتے کہ فاصلہ دُور دراز ہے کون جائے۔

دوستوں، بچوں، بزرگوں، عیال وغیرہ کے ساتھ محبت کرتے۔ پڑوسی کی بہت سی نگہبانی (اور غور و پرداخت) کرتے اور مہمانوں کو بہت ہی بزرگ رکھتے۔ کبھی کبھی اپنی چادرِ مبارک اُن کے لیے زمین پر بچھا دیتے اور مہمانوں کو اس پر بٹھاتے۔ اور سچی اور ٹھیک بات کہتے اور نہایت شرم اور کمالِ حیا سے پوری نگاہ کسی کے چہرے پر نہ ڈالتے۔ جو شخص احسان سے پیش آتا، اس کا بدلہ اتارتے۔ اور اکثر اوقات قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھتے۔ اور اپنی نشست و برخاست سوائے یادِ خدا نہ کرتے۔ مسواک اس قدر زیادہ کرتے تھے کہ اُن کے مبارک دانتوں کی جڑیں گھستی تھیں اور خاع خاع کی آوازِ مبارک گلے سے نکلتی تھی۔ اور قاطر یا کچر یا خچر پر سوار ہوتے تھے۔ کبھی کسی کو ساتھ بھی بٹھا لیتے تھے اور جو کوئی دعوت کرتا، اسے منظور فرماتے اور تعظیم دیتے، اگرچہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہوتی، اس کی مذمت نہ کرتے۔ اگر دل چاہتا تو نوشِ جاں فرماتے اور اگر رغبت نہ ہوتی تو واپس کر دیتے۔ اور خالی زمین پر بیٹھ جاتے اور وہاں کھانا کھاتے اور وہیں سوتے۔ اپنے گھر والوں کی خدمت کرتے۔ اپنی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے۔ اونٹ کا گھٹنا باندھ دیتے اور اس کے گھاس ڈال دیتے۔ خادم دسترخوان پر شامل کر لیتے۔ خمیر گوندھ لیتے۔ بازار جاتے اور اشیاء خرید لاتے۔

اپنی جوتی گانٹھ لیتے اور کپڑا سی لیتے اور جب مجلس میں جاتے تو جہاں پہنچتے وہیں بیٹھ جاتے اور اونچی جگہ پر بیٹھنے کا لالچ نہ کرتے اور اپنی خاص نشست کے لیے کوئی جگہ مقرر نہ فرماتے۔ اپنی امت کو بالانشینی سے منع فرماتے۔

جو شخص عالم۔ فاضل۔ صالح متقی۔ خداترس۔ زاہد۔ عابد اور دین میں زیادہ معلومات رکھنے والا اور ممتاز ہوتا، وہ آپ کا مقرب عزیز ہوتا، اور لوگوں سے اس کا حصہ آپ کی عنایتوں اور مہربانیوں کا زیادہ تر ہوتا اور دوستوں کی ضروریات اور مقاصد کو پورا اور حاصل کرتے۔ ان کو ایسے کاموں میں مشغول رکھتے جو ان کے احوال اور بھلائی کے مناسب ہوں۔ اپنے طالبین کے دلوں پر ہدایت اور رحمت کے نور چمکاتے۔ لوگوں سے نصیحتوں کے فائدے اور دلی توجہ اٹھا نہ رکھتے۔ آپ کی مجلسِ مبارک میں لایعنی اور بے فائدہ باتوں کا ذکر بھی نہ ہوتا۔ خیر و برکت کے طلب گار اور نیک بختی کے خواستگار گروہ در گروہ آتے اور دینی و روحانی برکتوں سے اپنا حصہ پاتے۔

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبارک دل انوار و معارف اور اسرارِ حقائق سے مالا مال تھا اور زباں دُرِ فشاں، دل کے خزانہ پر بمنزلہ چابی کے تھی۔ پس جن نصیحتوں سے اُمت کو فائدہ ہوتا تھا، ارشاد فرماتے تھے۔ اور سعادت کے خزانے بخشتے تھے۔ قرآن مجید کے سننے سے اکثر رویا کرتے تھے، یا رات کی نمازوں میں گریہ وزاری کرتے تھے۔ اُمت پر شفقت کرنے سے یا میت پر رحمت کے سبب سے بھی۔

انگڑائی نہ لیتے۔ حدیث شریف میں ہے، انگڑائی شیطان سے ہے اور چھینک رحمان سے۔ جب جمائی غلبہ کرے تو یا تو منہ کو بائیں ہاتھ سے ڈھانپے یا نیچے کے ہونٹ کو دانتوں سے پکڑ لے۔ جو لوگ ہائے ہائے آہ آہ کرتے ہیں، یہ بہت بُرا کام ہے، کیونکہ شیطان اُن پر ہنسی کرتا ہے۔ جب چھینک آتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یا تو اپنے مبارک منہ کو ہاتھ سے ڈھانپ لیتے یا کپڑے سے۔ اور پیٹ بھر کو یعنی بہت کھانے سے

جو ڈکار آتا ہے، اس کو مکروہ جانتے۔ جب دوستوں کے ہمراہ راستہ طے کرتے، تو ان کو اپنے آگے آگے لے جاتے اور خود بدولت ان کے پیچھے جاتے اور فرماتے کہ مجھے معاف کریں، اور میری پیٹھ کو فرشتوں کے لیے خالی چھوڑیں اور ضعیفوں کو تقویت دیتے اور تھکے ہوئے لوگوں لوگوں کو سوار کر لیتے نہ کسی کو رنجیدہ کرتے، نہ کسی سے رنجیدہ ہوتے اور ہمیشہ غمگین اور فکر مند رہتے اور کبھی سیر ہو کر کھانا نہ کھاتے اور رات کو آرام نہ کرتے، باوجود پارسائی اور پاکدامنی کے لباس کے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں محبوبیت کا درجہ رکھنے کے وصال کے روزوں، راتوں کے جاگنے اور بہت سی نمازوں کے پڑھنے سے ایک دم بھی آرام نہ پاتے۔ بزرگ درود اور کامل سلام اُن پر، ان کے اصحاب پر، ان کی آل پر ہو۔

اے عزیزہ! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ذات کی بزرگیوں اور خصوصیتوں کے گننے اور بیان کرنے کی کس کو طاقت ہے؟ لیکن نیک بخت آدمی جس قدر اس سعادت کی توفیق پائے، اس پر عمل کرے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے پودے کو اپنے دل کے میدان میں لگائے، کیونکہ آپ کی دوستی اور محبت کی تمام نیکیوں کی سردار اور عالی درجوں پر پہنچانے والی ہے۔ وہ بے پلہ مفلسوں کے لیے ایک معقول سرمایہ اور خالی ہاتھوں کے لیے کامل متاع ہے۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں فانی ہو، اور آپ کے حمیدہ اخلاق سے آراستہ ہو، دونوں جہان میں سعادتمند اور دین و دنیا میں مقبول ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں ایک شخص تھا جو بہت ہی بدکار اور بڑا ہی پریشان روزگار تھا۔ اس نے اپنی عمر کے پورے دو سو برس فسق و فجور میں گزار دیئے تھے اور طرح طرح کے ظلم و فساد، حد سے بڑھ کر خدا کے بندوں پر کیے تھے۔ اسی حالت میں ملک الموت اُس کی روح قبض کرنے کے لیے آیا اور قسم قسم کے گناہوں کے ساتھ اس کو دنیا سے لے گیا۔ لوگوں نے اس کی مرگ پر خوشیاں منائیں اور خداوند تعالیٰ کے شکر گزار ہوئے۔ پھر

اس کو گھسیٹ کر بنی اسرائیل کے کوڑے (میلا ہونے کی جگہ) میں ڈال دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام خداوند تعالیٰ کے پاس سے آئے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خداوند تعالیٰ کا پیغام دیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) خدا تعالیٰ آپ کو سلام دیتا ہے اور سلام کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ ہمارے ایک دوست نے دنیا سے آخرت کو کوچ کیا اور دشمنوں نے اس کو بنی اسرائیل کے کوڑے میں ڈال دیا۔ جاؤ اس کو وہاں سے باہر نکال لاؤ اور تجہیز و تکفین کر کے بنی اسرائیل کو اُس پر جنازہ پڑھنے کی رغبت دلاؤ تاکہ اس فعل سے یعنی نماز پڑھنے سے وہ بخشے جائیں اور قبولیت کا درجہ پائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم سے اُس میلا کی جگہ پر آئے جب اس آدمی کی لاش پر آپ کی نظر پڑی، تو دیکھا اور پہچان لیا کہ یہ وہی بدکار آدمی ہے جس نے دو سو برس فسق و فجور میں بسر کیے۔ حیران رہ گئے۔ لیکن چونکہ مامور تھے، اس لیے خداوند تعالیٰ کے حسب ارشاد کمربستہ ہو گئے۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ کی بارگاہ سے اس کے حال کی بابت دریافت کیا، تو حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ اے موسیٰ! میرے بندے نے جو جو گناہ اور بے ادبیاں اس سے مشاہدہ کیں۔ حقیقت میں وہ شخص سینکڑوں گنا بڑھ کر ان کے پاداش کا سزاوار تھا، لیکن ایک دن اس نے توریت کو کھولا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو آخرت کے بھی سردار ہیں نعت کو پڑھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نے اس کے دل میں جوش مارا۔ یہاں تک کہ وہ ورق جس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا نام محمد لکھا ہوا تھا، اپنے چہرے پر ملا اور اس کو چوما۔ پس اس مبارک نام کی برکت و بزرگی کے باعث اس کے دو سو برس کے گناہ میں نے معاف کر دیئے اور اُس کو میں نے اپنے مقبول بندوں میں لے لیا۔

ہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے در کے گدا، جب تیرے سر پر دین و دنیا کے سردار کا سایۂ عاطفت موجود ہے تو حقیقت میں وہ دونوں جہان کی دولت

وسعادت تیری گود میں ہے۔ اس دولت کی قدر پہچان اور جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نصیب تھا، تجھے بھی دیا گیا ہے۔ جو چیز ان کے لیے طفیلی تھی تجھ کو اصالۃً دی گئی ہے ؎

نہ دانم کہ دانی چہ دولت تراست

کہ فخرِ دو عالم ترا پیشوا است

(ترجمہ) میں نہیں خیال کر سکتا کہ تجھے کون سی دولت مطلوب ہے۔
جبکہ دونوں جہان کا فخر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تیرا پیشوا ہے"

ہر ایک سعادت مند آدمی جو آں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فانی ہو، اور آپ کی متابعت اور پیروی میں مستقل اور راسخ ہو تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے درحقیقت بے واسطہ فیض پاتا ہے اور اس کے فیض کے ذریعے سے خداوند تعالیٰ کی درگاہ کا مقرب اور مقبول ہو جاتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دراصل حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت ہے اور آپ کی محبت کے علامات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رُوحِ پُرفتوح پر ہمیشہ درود اور صلوٰۃ نہایت عجز و اخلاص سے پہنچاتا رہے تاکہ محبت اور اخلاص کی قدر پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیت سے فیض یاب ہو اور اللہ تعالیٰ کے فیض ورحمت کے قابل ہو۔

کتاب المصابیح میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک بار مجھ پر درود شریف پڑھے۔ خداوند تعالیٰ دس بار اس پر رحمت بھیجتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندۂ مومن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو مقرر فرماتا ہے تاکہ فی الفور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ انور پر حاضر ہو کر کہے یا رسول اللہ! فلاں شخص فلاں آدمی کے بیٹے نے تجھ پر ایک بار درود شریف بھیجا ہے۔ آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کمال فرحت وخورسندی سے جواب میں فرماتے ہیں کہ "اگر اس نے ایک دفعہ مجھ پر درود بھیجا ہے تو دس بار میری طرف سے اُس پر صلوٰۃ پڑھ۔"

پس وہ نہایت خوش گھڑی ہے کہ تیرا اسلام اور تسلیمات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر پہنچ جائے اور کیا ہی نیک بختی اور خوش قسمتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی یاد اور ان کے جواب باصواب سے سرفراز ہو جاتے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن میرے لیے سب سے زیادہ مقرب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر بہت دفعہ درود شریف بھیجے۔ خاص کر جمعۃ المبارک کی رات کو اور جمعہ کے دن کو تو بہت ہی دفعہ پاک پڑھے۔"

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم من صلی علیّ وعلیٰ آلی مائۃ مرۃ لیلۃ الجمعۃ غفراللہ لہ ذنوب عشرین سنۃ ومن صلی علیّ وعلیٰ آلی یوم الجمعۃ مائۃ مرۃ غفراللہ ذنوب مائۃ سنۃ۔

(ترجمہ) "حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر اور میری آل پر جمعہ کے دن ایک سو بار درود پڑھا، اس کے ایک سو برس کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔"

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ "جمعہ کے دن جو شخص ایک ہزار بار درود شریف پڑھے، وہ تب تک نہیں مرتا، جب تک اپنی جگہ بہشت میں نہیں دیکھ لیتا۔"

اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جمعہ کی رات کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس رات میں خود بنفسِ نفیس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم درود شریف سنتے ہیں۔
اور جو شخص جمعہ کی رات میں ہزار بار درود شریف اور دو رکعت نماز اور ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ دفعہ آیت الکرسی اور گیارہ دفعہ سورۃ اخلاص پڑھے اور سلام کے

بعد ایک سو بار اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ پڑھے تو ضرور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھے گا اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھے، اُس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگی۔

پس کونسی سعادت اس سے بڑھ کر ہے اور کونسی عبادت اس سے خوشتر ہوگی کہ ایک سعادت مند بندہ اس کی کمالیت کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جہان کے آراستہ کرنے والے جمال اور خوبصورت چہرے سے شرف یاب ہو اور اس دولتِ عظمےٰ کے پانے سے دین و دنیا کا سعادت مند ہو جائے۔

اگر خداوند تعالیٰ توفیق دے تو چار رکعت نمازِ عبہر ادا کرے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار فیض آثار کے مشتاق ہوتے ہیں تو مذکورہ بالا نماز پڑھتے ہیں اور آپ کے دیدارِ مبارک کا عالم خواب میں مشاہدہ کرتے ہیں اور نماز عبہر چار رکعت ہے ایک ہی سلام سے۔ اگر دن کا وقت ہو تو دو سلام سے ادا کرے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اِنَّا اَنْزَلْنَا دس مرتبہ اور کلمۂ تمجید پندرہ مرتبہ اور رکوع میں مسنونہ تسبیح کے بعد کلمۂ مذکور دس دس مرتبہ اور قومہ میں تین مرتبہ۔ اور سجدہ میں تسبیح مسنونہ کے بعد مذکورہ بالا کلمہ پانچ مرتبہ پڑھے اور جلسہ میں کچھ نہ پڑھے۔ ایسے ہی دوسرے سجدہ میں پانچ مرتبہ۔ جب نماز ختم کر چکے تو کسی سے بات نہ کرے اور سورۃ فاتحہ دس مرتبہ پڑھے اور ایک مرتبہ مفصلہ ذیل دُعا کرے،

جزی اللہ عنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم ما ھو اھلہ۔

اس نماز کے اور بھی بہت سے فضائل ہیں، لیکن اس مقام پر مختصر طور اتنے پر ہی قناعت کی جاتی ہے۔ الحاصل پھر اصلی مدعا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور درود شریف کی حقیقت میں زبانِ قلم کو شیریں کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ سب سے بڑھ کر سعادت اور بہتر عبادت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے، اس لیے کہ بہت درود بھیجنے سے آں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جو تمام سعادتوں کی سردار ہے۔ غالب آتی ہے اور اس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ کی پاک درگاہ میں قبولیت درجہ پاتا ہے اور درود شریف کی برکت سے سب سیّات (گناہ) حسنات (نیکیوں) سے بدل جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جہاد کو تشریف لے جا رہے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ساتھ تھی۔ خیمہ میں اترے اور آپ نے کھانا طلب کیا۔ ایک روٹی جو کی موجود تھی۔ وہ حاضر کی گئی۔ فرمایا کچھ لگاوَن (لازمہ سالن) بھی ہے؟ دوستوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں۔

اتفاقاً ایک شہد کی مکھی اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے سروں پر گھوم رہی تھی، اور بڑے زور سے بھنبھناتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! یہ مکھی کیوں اس قدر شور مچاتی ہے؟" فرمایا: "یہ کہتی ہے کہ ہم مکھیوں کی فوج بے قرار اور طول ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم روٹی کو بغیر لگاوَن کے کھاتے ہیں، حالانکہ ہم نے اسی پڑوس والے پہاڑ میں شہد تیار کر رکھا ہے، لیکن اس کے یہاں لانے کے وسائل اور طاقت ہم میں نہیں ہے۔ کسی کو بُلاتی ہیں کہ وہاں سے جا کر شہد لاتے۔"

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چوبی پیالہ اپنے ساتھ لیا اور مکھی کے پیچھے پہاڑ کی طرف گئے۔ مکھی ایک غار میں چلی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کا تعاقب کیا۔ نہایت صاف و مصفا شہد دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے وہ شہد دوستوں میں بانٹ دیا اور سب کو حصہ مل گیا۔ لیکن وہ شہد کی مکھی ویسے ہی بھنبھنا رہی تھی۔ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا سبب دریافت کیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے جواب دیا کہ ہمارے ساتھ سوال و جواب کر رہی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا ہے "تمہاری خوراک کیا ہے؟" اس نے جواب دیا ہے "اے اللہ کے رسول! اس پہاڑ اور بیابان میں ہم کڑوے پھول اور بے مزہ پتے کھاتی ہیں۔" پھر میں نے پوچھا "جب تمہاری خوراک ایسی کڑوی اور بے مزہ ہے تو پھر ایسا صاف و مصفا اور مصفا و شیریں شہد کیونکر ممکن ہوا؟" تو اس نے جواب دیا "اے اللہ کے رسول! ہمارا ایک امیر اور سردار ہے جس کے ہم سب تابع ہیں۔ جب ہم پھولوں کا رس چوسنے بیٹھتی ہیں تو ہمارا امیر آپ پر درود شریف بھیجنے کے لیے زبان کھولتا ہے تو ہم سب اس کی ہم آواز ہوتی ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک بھیجتی ہیں، تو وہ سب تلخ پھول اور بے مزہ پتے درود شریف کی برکت سے ہمارے حلق میں پہنچتے ہی شیریں ہو جاتے ہیں اور شہد نہایت صاف و مصفا ہو جاتا ہے۔ اسی سبب سے لوگوں کے درد کی شفاء اس میں ہے۔"

جس حالت میں کہ شہد کی مکھیاں صدق و اخلاق سے درود شریف پڑھتی ہیں، تو ان کی غذا کی تلخی شیرینی سے بدل جاتی ہے۔ پھر اگر مومن بندہ بھی درود و صلوٰۃ کا تحفہ، اس موجودات کے باغ کے سردار کی پاک رُوح پر، محبت و اخلاص بھیجے گا۔ تو امید ہے کہ اس کے سب گناہ نیکیوں سے تبدیل ہو جائیں گے اور اس کے ذریعے سے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقرب اور درگاہِ الٰہی کا واصل ہو گا۔

حدیث شریف میں وارد ہے "خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھ میں اس سے بھی زیادہ تر نزدیک ہوں کہ جس قدر تیری زبان میں تیرا کلام ہے یا تیرا اندیشہ تیرے دل میں ہے یا جیسا کہ تیرے بدن کا تیرے رُوح کے ساتھ، یا تیری آنکھوں کے نور تیری آنکھوں کے ساتھ، یا تیری شنوائی کو تیرے کانوں کے ساتھ، یا تیرے آبِ دہن کو تیرے دہن کے ساتھ، یا تیری آنکھ کی سیاہی کو اس کی سفیدی کے ساتھ ہے؟" موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا "اے خداوند! میری عرض تیری جناب میں یہی ہے کہ

میں تیرا نہایت ہی مقرب ہو جاؤں۔" تب خداوند تعالیٰ نے فرمایا: "اے موسیٰ! حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بہت زیادہ درود پاک بھیجا کر تاکہ یہ دولت تیرے نصیب ہو۔ اور بنی اسرائیل کو میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ جو شخص مجھ سے ملاقات کرے اس حال میں کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہو، اس پر شعلہ دوزخ مقرر کر دوں گا اور اپنے دیدار پاک سے اُسے محروم رکھوں گا تاکہ میرے دیکھنے کی سعادت نہ پاسکے اور کوئی فرشتہ اس پر رحم نہ کرے اور کوئی پیغمبر اس کی شفاعت نہ کرے اور فرشتے اس کو پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیں، جہاں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے اور کبھی وہاں سے چھٹکارا نہ پاتے۔"

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: "اے خداوند! **محمد** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کون ہیں کہ کوئی شخص اُن پر صلوٰۃ اور درود بھیجے بغیر تیرے نزدیک تر اور قرب کی دولت کے قابل ہو ہی نہیں سکتا؟" خداوند کریم نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی امت نہ ہوتی تو نہ میں بہشت کو پیدا کرتا، نہ دوزخ کو، نہ سورج کو ظاہر کرتا نہ چاند کو، نہ دن کو پیدا کرتا نہ رات کو۔ نہ ہی مقرب فرشتوں کو، نہ نبیوں، رسولوں اور ولیوں کو اور نہ ہی تجھ کو۔ اے موسیٰ! اگر تو **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار نہ کرے گا اور اُن پر درود شریف نہ بھیجے گا، تو تجھے بھی دوزخ کی آگ میں جلا دوں گا، اگرچہ ابراہیم خلیل اللہ ہی کیوں نہ ہو۔"

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: "حضرت **محمد** رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بہت بزرگ ہونے کی میں نے گواہی دی اور اُن پر بہت بہت درود شریف بھیجتا ہوں، لیکن اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ تو مجھے زیادہ دوست رکھتا ہے یا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو؟" خداوند تعالیٰ نے فرمایا: "اے موسیٰ! تو کلیم ہے اور **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حبیب ہے۔ اور میرے نزدیک کلیم سے حبیب زیادہ پیارا ہے۔"

پس اس سے زیادہ نزدیک کوئی راستہ نہیں ہے کہ سالک کو اسی راستہ سے (قضاو قدر) قبول کریں۔ اور درود شریف کی برکت سے حقیقی دولت کا دریچہ کھولیں، لیکن انسان کو لازم ہے کہ درود شریف پڑھنے کے وقت باوضو ہو اور اس کے تمام آداب بجالائے۔ یعنی جس وقت درود شریف شروع کرے، قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہایت تعظیم کے ساتھ بیٹھے اور پاک وصاف جگہ میں پڑھے۔ میلی جگہ، راستہ پر اور کوچہ و بازار میں نہ پڑھے اور اپنے ظاہر و باطن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں متوجہ کرے۔ اور اپنے دل کو آپ کی محبت میں دے دے اور ان کے ذوق میں ڈوب جائے۔ کیونکہ کوئی بھی مزہ زیادہ تر شیریں اور کوئی بھی مٹھاس اس سے خوش تر نہیں ہے۔

اور اگر حاصل ہو سکے تو کچھ خوشبوئی بھی ساتھ رکھ لے اور ایسا خیال باندھے کہ آپ حاضر ہیں اور سنتے ہیں اور منتظر اور امیدوار رہے تاکہ درود شریف کے ذریعے سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پاک جناب سے فیض پہنچے اور دنیا و دین میں سعادت مند ہو اور درود شریف سے فارغ ہو کر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ پڑھے:

یارسول اللہ انت سید المرسلین و انت شفیع المذنبین وھادی المضلین انا عاجز مسکین لا مخاذی ولا ملاذی سوائ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) انظر الیٰ احوال بعین الکرمت واعطی مائدۃ من نوالی حضورک

(ترجمہ): اے اللہ کے رسول! تو تمام رسولوں کا سردار ہے، تو سب گنہگاروں کا شفاعت کرنے والا ہے۔ تو گمراہوں کو صراطِ مستقیم دکھانے والا ہے۔ میں عاجز و مسکین ہوں۔ کوئی بازگشت کی اور پناہ کی جگہ تیرے سوائے نہیں ہے۔ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)، میرے

احوال کی طرف دیکھ بزرگی کی آنکھ سے۔ اور اپنے مبارک حضور کے دستر خوان سے مجھے عطا فرمانا۔" (آمین آمین ثم آمین)

اشعار

کجائی اے رسول اللہ کجائی   چرا در دیدۂ تارم نیائی
منم مشتاق باصد آرزو ہا   چہ خوش باشد دیدارم نمائی
بہ بُویت زندہ ام ہر جا کہ ہستم   بروئیت آرزو مندم کجائی

(ترجمہ): اے اللہ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کہاں ہیں؟ آپ میری تاریک آنکھوں میں کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ میں سینکڑوں آرزوؤں کے ساتھ تمہارے دیدار کا مشتاق ہوں۔ پھر میری کیا ہی خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے اپنا جمال دکھا دیں؟ میں جہاں ہوں تیری ہی خوشبو سے زندہ ہوں۔ تمہارے دیدار کا آرزومند ہوں، آپ کہاں ہیں؟"

اور اللہ تعالیٰ کا درود اور سلام ہو آپ پر، آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ کرام اور تابعین پر ہو۔ آمین ثم آمین!

دُوسرا مقصد

اِس میں مفصلۃ الذیل اُمورات کا بیان ہے

(۱) نفس کشی

(۲) نفس سے لڑائی

(۳) اپنی حقیقت یا اصلیت کو پہچاننا

(۴) تقسیمِ اوقات

(۵) قرآن کریم پڑھنے کے فضائل

(۶) تہذیبِ اخلاق

(۷) نفس کشی اور اس کے ساتھ لڑائی کے کئی ایک دیگر فائدے

جان اے عزیز! قضا و قدر نے رُوحِ لطیف کو کہ جسم کثیف میں پھنسا دیا ہے اور اس بے گھونسلہ پرندے کو اس تنگ و تاریک پنجرے میں ڈال دیا ہے۔ تو اس کا اصل یہ ہے کہ اس ذرۂ خاک کو محنت کشی کی کٹھالی میں گلا کر اپنی مانند پاک و صاف کر۔ اور ہمیشہ کی توجہ کے ساتھ طاعات اور عبادات کے ذریعے سے اس کو مجلاّ و مصفا کرے تاکہ بمصداق آیۂ کریمہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ (میں اپنا نائب زمین میں پیدا کرنے والا ہوں) وہ نہایت کے قابل ہو جائے اور فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (تو میرے خاص بندوں میں مل کر بہشت میں داخل ہو جا) کے سزاوار بن جائے۔ اس لیے کہ خداوند تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ ریاضت اور مشقت کے سوائے (قضا و قدر) نیک بختی کا راستہ نہیں دکھاتے، اور محنت اور عبادت کے بغیر فتوحات کے دروازے نہیں

کھولتے۔ جس طرح پر کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے ، وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (ترجمہ) "یعنی جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے راستہ میں مجاہدہ کیا، ان کو ہم راستہ دکھاتے ہیں۔"

یہ بات کاملانِ اہل معانی کے نزدیک تحقیق شدہ ہے کہ جو چیز بیش قیمت ہے، وہ بہت سے رنج اور محنت کے بغیر ہاتھ نہیں آتی اور جو چیز سہل اور کم قدر ہو، وہ تھوڑی سی کوشش سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ دکھ اور تکلیف کا بوجھ سوائے جوانمردوں کے کوئی نہیں اٹھاتا اور سعادت کا خزانہ تکلیف اٹھائے بغیر قبضہ میں نہیں آتا اور رسمی طاعت اور عادی عبادت سے یہ مشکل حل نہیں ہوتی۔ اس لیے (خالص) بندگی میں کمرِ ہمت چست باندھنی چاہیئے اور اپنے وجود کے شیشہ کو ریاضت اور نیک اعمال کی ریتی سے، بشری میل سے پاک و صاف کرنا چاہیے، کیونکہ خداوند تعالےٰ نے اپنے دیدار کا وعدہ نیک اعمال پر منحصر رکھا ہے ، فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّہٖ اَحَدًا۔

(ترجمہ) "پس جو شخص اپنے پروردگار کے دیدار کی اُمید رکھتا ہے، اس کو چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ کرے۔"

پس عقلمند آدمی کو لازم ہے کہ کسی وقت بھی اپنے رب کی عبادت سے آرام نہ کرے کہ انسان کی بزرگی اور بلند درجہ کا حصول، خدا تعالیٰ کی بندگی کے لوازمات کے ادا کرنے پر ہی موقوف ہے۔ اگر بندہ بندگی میں قصور کرے اور اختیار کی باگ نفس و شیطان کے ہاتھ میں دے دے، تو ایسا بندہ چوپایوں اور حیوانوں سے بدتر ہے۔

قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْغَافِلُوْنَ۔

(ترجمہ) "وہ لوگ چارپایوں (مویشی) کی طرح ہیں، بلکہ اس سے زیادہ گمراہ ہیں، وہی لوگ غافل ہیں۔"

اس لیے کہ جو اُس (خدا تعالیٰ) کی پیدائش کا مقصود تھا، وہ حاصل نہ کیا۔

اگر طاعت گزاری اور فرمانبرداری پر جیسا حق ہے ٹھہرا ہے اور اپنے اوقات کو ایسی وجہ پر کہ سوائے اس کے مصروف نہیں ہو سکتا، نگہ رکھے اور مقام اعلیٰ علیین کا صدر نشین ہو جائے تو فرشتوں سے بھی بزرگ ہو جائے، کیونکہ فرشتوں میں شہوت اور حرص پیدا نہیں کی گئی اور انسان کی طبیعت میں عقل و حرص دونوں رچے بسے ہیں۔ اگر عقل و حرص کو ہوا پر غلبہ دے کر خدا تعالیٰ کے راستہ میں لگ جائے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی میں کوشش کرے اور فرشتوں سے بھی زیادہ بزرگ ہو جاتے۔

پس جو شخص مجاہدہ اور نفس کشی کو اپنا کام سمجھ لے اور خواہشوں کے دروازے اپنے اوپر بند کر لے، وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک فرشتوں سے زیادہ بزرگ اور قرب میں ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ خداوند کریم فرماتا ہے :"اے میرے فرشتو! دنیا میں میرے مومن بندہ کی طرف نگاہ کرو کہ اس کو میں نے کھانے پینے میں گرفتار کیا اور ہر ایک قسم کی شہوات کو ان پر مقرر کر دیا اور اس نے محض ہماری رضامندی کے لیے اپنی خواہشات کو ترک کر دیا اور نفس کی لذات سے منہ موڑ لیا ہے اور میرا مطیع اور حکم بردار غلام بن گیا ہے۔"

صاحبِ "کشف المحجوب" قدس سرہ نے کہا ہے کہ "ہر ایک آدمی کو ہمیشہ دو دو دعوتیں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک تو عقل سے اور دوسری حرص و ہوا سے۔ جو شخص عقل کی دعوت کے تابع ہو جاتا ہے، وہ ایمان کی خلعت (سرو پا) سے عزت پاتا ہے۔ اور جو شخص حرص و ہوا کے بلاوے میں آ کر پکڑا جائے، وہ اسی میں ڈوب جاتا ہے اور حرص و ہوا سب کی سب نفسِ امارہ کی خواہش سے ہے، لیکن اس حرص و ہوا کو ریاضت اور عبادت کے سوائے اور کوئی توڑنے والا نہیں ہے۔"

اس شخص پر لاکھ آفرین، جو اپنے نفس کی ہوا پر غالب آتا ہے اور اپنی حقیقت کو پہچانتا ہے اور اپنے وجود کی طاقت کو معلوم کرتا ہے کہ بنی نوع انسان کو کس فائدہ کے لیے

پیدا کیا گیا ہے اور یہ سب عجائب و غرائب اس میں کس لیے رکھے گئے ہیں۔

"ہاں جس کو انہوں نے نوازا، اس کو واقف کر دیا۔"

کاملانِ طریقت نے کہا ہے کہ اپنے تئیں پہچان۔ تاکہ تو خدا تعالیٰ کو پہچانے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا، بیشک اس نے اپنے پروردگار کو پہچانا۔

اور نفس کی شناخت یہ ہے کہ آدمی جان لے کہ میری پیدائش ایک بے قدر گندے پانی کی بوند سے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں فرمایا ہے:

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ (یعنی کیا ہم نے تمہیں خوار پانی سے پیدا نہیں کیا)

اور یہ وجودِ انسانی جو چار مخالف عنصروں کے ملاپ سے مرکب ہے۔ تو ایک ذات جامع الکمالات ہے جس نے مٹی۔ ہوا۔ پانی اور آگ اپنی قدرتِ کاملہ سے باہم آمیز کر دیا ہے اور ان چاروں چیزوں کو جوڑ کر ایک جسم بنا دیا۔ اور اس جسم کو رُوح سے زندہ کر کے پرلے درجے کے حسن و جمال سے لسے آراستہ کر دیا اور اس جسم میں دس حسوں کو پیدا کیا جس میں پانچ ظاہری اور پانچ باطنی ہیں۔

ظاہر کے پانچ یہ ہیں: (۱) دیکھنے کی حس (۲) بولنے کی حس (۳) چکھنے کی حس۔ (۴) سننے کی حس (۵) مس کرنے یا چھونے کی حس۔

باطنی کے پانچ یہ ہیں: (۱) عقل (۲) وہم (۳) خیال (۴) سمجھنے کی طاقت (۵) یاد رکھنے کی طاقت۔

ان سب چیزوں کی جسم میں ایک جگہ جمع کر کے انسان کے نام موسوم کیا گیا اور آیتِ کریمہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (یعنی ہم شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں) کے خلعت سے مشرف کیا اور بمصداق وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (یعنی میں نے اس (انسان میں) اپنی رُوح میں سے پھونکا۔ پھر سب (فرشتوں) نے اس کو سجدہ کیا)

کے اکرام سے مکرّم کیا اور اپنی عظیم الشان بخششوں سے اس کو سرفراز کیا اور قسم قسم کی عنایتوں سے بہرہ مند کیا اور بندگی کے لیے حکم فرمایا۔

جب بندہ نے عبودیت کو تحقیق کر لیا کہ میں بندہ ہوں اور وہ پاک خدا میرا پروردگار ہے جو کمال درجہ کی صفتوں سے آراستہ ہے جس نے ایسی عمدہ چیزیں مجھ میں میری سرشت میں رکھ دی ہیں اور مجھے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ۔

(ترجمہ) "اے لوگو! تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم سب کو پیدا کیا۔"

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔

(ترجمہ) "اور ہم نے جن و انس کو پیدا نہیں کیا، مگر عبادت ہی کے واسطے"

پس جس شخص نے ان مطالب کو یقینِ دل سے جان لیا، اس نے اپنی ذات کو بندہ ہونا اور خداوند تعالیٰ کو اپنے پروردگار ہونا مان لیا۔

اب اپنے اصل حقیقت پر ایک نظر ڈال، اور جان کہ کیا چیز ہے؟ کہاں سے آیا؟ کس مطلب کے لیے آیا؟ اور پھر کہاں جائے گا؟ اور انسان کے اندر ان سب عجائبات کے پیدا کرنے کا کیا باعث ہے؟

چنانچہ اس مطلب کو مختصر طور پر عمدہ مثالوں سے ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ نیک بخت آدمی اپنے ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے آراستہ رکھے اور خداوند تعالیٰ کی نزدیکی کے قابل ہو جائے۔

جاننا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ۔ (میں زمین میں اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں) لطیفۂ رُوح کو اپنی کمال قدرتِ کاملہ سے وجودِ انسانی کی سلطنت کا خلیفہ و حاکم بنایا اور انسانی ملک کی محافظت اور ایمانی دولت کی حراست اور پاسبانی کا حکم فرمایا اور عقلِ کامل کو جو ہر نیک کو بد سے جدا کرنے والی ہے۔

اس کا وزیر اور مشیر قرار دیا اور نفسِ امارہ اور شیطان بدکارہ جو پرلے درجے کے باغی اور سرکش ہیں، اس کے دشمن اور ڈاکو بتایا اور لشکرِ ظاہری و باطنی، اندرونی و بیرونی کو اس کے تابع کر دیا تاکہ بادشاہ اپنے بے نظیر وزیر کے صلاح و مشورہ سے اپنی بادشاہت پر حکومت کرے اور اپنے بدن کے تمام لشکر اور رعیت کو کج روی اور ہوا پرستی سے درستی اور خدا پرستی کے راستے پر لائے اور انسانی وجود کی بادشاہت کی جو انوارِ غیبی کا گنجینہ اور اسرارِ لاریبی کا خزینہ ہے۔ طاعت۔ عبادت اور مراقبہ میں بہت ذکر کرنے سے نورانی رکھے اور اہلکاروں کے تمام لشکر کو خدا تعالیٰ کے دشمنوں کا فریب کھانے سے بچا کر اپنے کام میں مشغول رکھے، چنانچہ ظاہری لشکر ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، زبان اور بدن کے دیگر اعضاء ہیں۔ ان سب کو طاعت اور عبادت کے زیور سے آراستہ رکھے اور ہر ایک عضو کو خدا تعالیٰ کا حکم قبول کرنے کے لائق بنائے تاکہ اس کا وجود خدا تعالیٰ کی رحمت کے قابل ہو جائے اور انسانی اوصاف سے ترقی کر کے فرشتوں کی صفتوں تک پہنچ جائے اور تخلقوا باخلاقِ اللّٰہ کے رتبہ پر سرفراز ہو جائے۔

معنوی یا اندرونی لشکر باطنی حسّیں ہیں جیسے قوتِ متخیلہ۔ قوتِ حافظہ۔ قوتِ مدرکہ۔ قوتِ اندیشہ۔ ان سب کو ایک طرف لگائے اور جھوٹی تدبیروں اور ماسوی اللہ کے خیالات سے نجات پا کر کسبِ باطنی یعنی ذکر و فکر، مراقبہ اور خطروں کے دُور کرنے میں مشغول کرے تاکہ باطن کی بادشاہت غیروں کے شور و غل سے جن کا نام حدیثِ نفس ہے خالی ہو اور الٰہی فیوضات قبول کرنے کے قابل ہو جائے اور دشمنوں کی فوج کو زک ملے۔ جب ظاہر و باطن خدا تعالیٰ کے نور سے منوّر ہو جاتے تو ان دونوں فوجوں کی مدد اور اعانت سے سعادتوں کے خزانے جمع کر کے اپنے اصلی مطلب کے راستے کی منزلوں کو طے کرے اور قربِ الٰہی کی سعادت کو پہنچے اور غیروں کے درہم برہم کرنے اور ظالم نفس کی کدورت سے بچ کر خداوند تعالیٰ عزّ اسمہ کے جمال کے نظارے سے بہت حصّہ پائے اور نہایت خوشی و آرام سے اس فانی دنیا

اور اندھیری گلی سے صحیح و سالم گزرے۔

اور اگر وزیرِ عقل۔ نفس و شیطان کے تابع ہو جاتے اور غفلت اختیار کر لے اور تمام مثلاً حرص و ہوا۔ شہوت۔ تکبر۔ بخل۔ حسد۔ سخن چینی۔ خود بینی جو کل بدبختیوں کی متاع ہے غالب آجاتے اور عنصری ملک کا بادشاہ نحیف اور کمزور ہو جائے تو جسم کے شہر کا تمام اندرونی و بیرونی گمراہ ہو جائے اور ابدی سعادتوں کے ذخیروں سے محروم رہ جائے اور مقصود کا راستہ اس پر بند ہو جائے اور جسم کی بادشاہت دشمنوں اور ڈاکوؤں کے قبضہ میں آجائے اور خراب و ویران ہو جائے، لیکن میرے سرمایے کا اصل اصول محبت کا کام ہے۔ جب تک کہ خداوند تعالیٰ کی کمال درجہ تک محبت نہ ہو اور انسان سلوک کے میدان میں قدم نہ رکھے، (تب تک) اس سلطنت کی حقیقت کو نہیں پائے گا اور بدن کے شہر کو دشمنوں کی فوج کے حملوں سے نہ بچا سکے گا۔

پس ہرگز ہرگز اپنی حقیقت، سلطنت، رتبہ اور بزرگی سے تو غافل نہ رہ! کیونکہ خدا تعالیٰ نے تجھ کو تمام مخلوقات سے زیادہ بزرگ اور اشرف بنایا اور تیرے وجود کی بادشاہت کا تجھ کو بادشاہ کیا اور سعادتوں کے خزانے جمع کرنے کے لیے اندرونی اور بیرونی افواج تیرے سپرد کیں اور تجھ کو اپنی طرف بلایا تاکہ فرشِ زمین سے تو عرشِ بریں تک پہنچ جائے۔ اور اس خالقِ بے ہمتا کی نزدیکی کی نیک بختی کا شرف تیرے نصیب ہو۔

پس نیک بختوں کی ایک یہ نشانی ہے کہ انسان اپنے تمام اعضائے ظاہری اور حواسِ باطنی کو اس کام میں اکٹھا کرے اور کسی وقت بھی اپنے تئیں عبادت اور یادِ خدا سے خالی نہ رکھے اور اپنے ظاہر و باطن کو بندگی اور فرمانبرداری کے کام میں لاتے، اس لیے کہ سب سے بڑھ کر بزرگ وہی شخص ہے جو اپنی تمام ہمت کو ظاہری اور باطنی صفائی میں مصروف رکھے اور اپنی عزیز عمر کو غفلت اور گناہگاری کا سرمایہ نہ بنائے۔ کیونکہ ایمان کا درخت یادِ خدا کے سوائے مضبوط اور مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اور دینِ اسلام کا کارخا

بغیر عبادت رونق پذیر نہیں رہ سکتا۔ جب قضاو قدر کسی سعادت مند کو اس اعلیٰ علیین مقام پر پہنچاتے ہیں، تو ان تمام سعادتوں کا اسے حصہ دیتے ہیں۔ اب جس شخص کو اس مطلب کی آرزو ہو کہ نیک بختیوں کے خزانے جمع کرے، تو اس کو لازم ہے کہ اس راستہ میں مضبوط قدم رکھے اور اپنے رات و دن کے تمام وقتوں کو یادِ خدا میں محفوظ رکھے اور ان وقتوں میں سے ہر ایک وقت کو اس ترتیب سے جو آگے بیان کی جاتی ہے، خداوند تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرے تاکہ عزیز اور لاثانی وقت کا کوئی حصہ بھی بے فائدہ اور رائیگاں نہ جائے جس کے تلف ہو جانے کی آخرکار اس کو حسرت اور شرمندگی ہو۔ جب آدھی رات گزر جائے تو جاگ پڑے اور تازہ طہارت (وضو وغیرہ) کر کے تحیۃ الوضو کی دو رکعت پڑھے اور نمازِ تہجد میں مشغول ہو جائے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

رکعتان فی جوف اللیل خیرا من الدنیا ومافیھا

(ترجمہ) "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے جوف کی دو رکعت تمام دُنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔"

حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص تہجد پڑھے۔ میں اور وہ دونوں ایک ساتھ بہشت میں جائیں گے اور وہ قیامت کے دن پورے ایک ہزار آدمی کی شفاعت کرے اور جب وہ قبر سے اُٹھے گا، تو اس کا تمام چہرہ سورج سے بھی زیادہ روشن ہوگا۔"

ایک گروہ نے حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس سرہٗ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا: "اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ بہشت کا کیسا سلوک کیا؟" آپ نے جواب میں فرمایا: "ان تمام عبادتوں نے کچھ بھی نفع نہ دیا، مگر وہ دو رکعتیں نماز کام میں آئیں جو آدھی رات کو ادا کی جاتی تھیں۔"

جاننا چاہیے کہ نمازِ تہجد کم از کم چار رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں۔ ہر ایک رکعت میں الحمد شریف کے سورۃ یٰسین۔ سورۃ مزمل۔ سورۃ اخلاص میں سے جس کی توفیق پائے پڑھے، لیکن سورۃ یٰسین کا پڑھنا افضل واقع ہوا ہے۔

بزرگوں کا قول ہے کہ سورۃ یٰسین قرآن کریم کا دل ہے۔ اور جبکہ قرآن کریم کا دل، مومن کا دل، رات کا دل باہم جمع ہوں۔ اُس وقت بہت سی فتوحات کی کشائش حاصل ہوتی ہے۔ انسان کا دل روشن اور نورانی ہوتا ہے۔

نمازِ تہجد کے ادا کرنے کے بعد اُسی مصلّی پر بیٹھے اور نہایت ہی عجز و انکسار کے ساتھ استغفار میں مشغول ہو۔ جو شخص اس وقت استغفار چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت کے صاف پانی سے اس کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے۔ پھر اس کے بعد نیاز کے ہاتھ اٹھا کر حق سبحانہ وتعالیٰ کے فضل و کرم کے خزانوں اور رحمت کے دریاؤں سے مغفرت اور بخشش کا طالب ہو، کیونکہ ایسے وقت رحمت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور لطفِ الٰہی کی ہوا چلنے لگتی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے ؛ لیس اکرم علی اللہ من الدعاء۔ (کوئی چیز خدا تعالیٰ کے حضور میں دعا مانگنے سے زیادہ عزیز نہیں ہے) لیکن انسان کو لازم ہے کہ دُعا مانگنے کے آداب اور شرطیں بجا لائے تاکہ بہت جلد قبول ہو۔

صحیح حدیث شریف میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ عزاسمہ حیا اور فضل و کرم کی تمام صفتوں سے موصوف ہے۔ جب کوئی بندہ اس کے حضور میں دُعا لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ اس کے ہاتھوں کو اپنے فضل و کرم کے خزانوں سے خالی ہٹا دے۔ پس خداوند تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز دُعا دُعا سے بہت بزرگ نہیں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ سب سے زیادہ کامل ادب دُعا کے لیے توبہ و استغفار۔ اخلاص

دل کو حاضر رکھنا۔ وجہ حلال کی روٹی کھانا۔ کپڑوں کو پاک رکھنا۔ باوضو ہونا اور قبلہ کی طرف مُنہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھانا۔ دوزانو ہو کر بیٹھنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب دُعا مانگتے تو دوزانو ہو کر قبلہ رو ہو کر بیٹھتے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف یا مدح فرماتے۔ اور دُعا کے شروع اور اختتام پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنا اور دونوں ہاتھوں کو ننگا کر کے اپنے کندھوں کے برابر لانا اور نہایت عجز و نیاز۔ فروتنی، شکستگی اور بیچارگی کو عمل میں لانا اور دُعا میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وآلہٖ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسلام کو اور اولیاء اللہ اور صالحین کو اپنا وسیلہ بنانا اور دُعا میں بہت ہی مبالغہ کرنا، کیونکہ خداوند تعالیٰ دعا میں مبالغہ کرنے والوں کو بہت ہی دوست رکھتا ہے اور دُعا سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر پھیرنا۔

لیکن دُعا مانگنے میں جلدی نہ کرے۔ اور چونکہ خداوند تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: ادعونی استجب لکم (تم مجھ سے دُعا مانگو اور میں اس کو قبول کروں گا۔) ناامید نہ ہو جائے۔ اگر دنیا میں دُعا کے منظور ہونے کا اثر نہ ہوگا تو خداوند تعالیٰ اُس جہان میں اپنے خاص ثواب کا خزانہ عطا فرمائے گا۔

جب دُعا سے فارغ ہو تو اپنے باطنی سبق یعنی ذکر و فکر میں مشغول ہو، کیونکہ نیک وقت کا نیک کاموں میں خرچ کرنا بہتر ہے اور سب سے نیک کام حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد ہے۔

اگر نیند غلبہ کرے تو منہ اور آنکھوں کو ٹھنڈے پانی سے دھو دے یا تازہ وضو کرے، تاکہ سستی اور کاہلی ہٹ جائے۔ اگر کچھ دیر ہو جائے تو صبح ہونے سے پہلے جاگ پڑے اور از سرِ نو وضو کرے اور اپنی اسی جگہ پر تہجد کی سنتیں ادا کرے اور یہ دُعا تین بار حضورِ دل سے پڑھے:

یا حی یا قیوم یا حنان یا منان یا بدیع السموٰت والارض یاذوالجلال والاکرام یامن لا الٰہ الا انت اسئلک ۔ ان تحیی القلبی بنور معرفتک یااللہ یااللہ یااللہ ۔

کیونکہ دل کے زندہ رکھنے کے لیے اس دعا میں بڑا اثر ہے اور اگر فرصت ہو تو ایک سو بار پڑھے :

سُبحان اللہ وبحمدہٖ ۔ سُبحان اللہ العظیم ۔
استغفراللہ واتوبُ الیہ ۔

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم
کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان
الی الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم
وبحمدہ ۔

(ترجمہ) "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ دو کلمے خفیف ہیں زبان پر اور وہ بھاری ہیں وزن میں، قبول کیے جاتے ہیں خدا کی طرف سے پاک ہے اللہ ساتھ تعریف اپنی کے ۔ اور پاک اللہ بزرگ تعریف کیا گیا ۔"

اس کے بعد مسجد میں جائے اور گھر سے نکلتے وقت آیۃ الکرسی پڑھے ۔ جو شخص گھر سے نکلتے وقت آیۃ الکرسی پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کو بھیجتا ہے تاکہ اس کے لیے دعائے استغفار کہیں اور اس کے گھر کے واپس آنے تک آگے اور پیچھے سے اس کی نگہبانی کریں ۔ اور یہ ایک بہت ہی بزرگ عادت ہے ۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ثواب کی رُو سے آیت الکرسی سے بڑھ کر کوئی آیت بزرگ تر نہیں ہے ۔ اس آیت کے نزول ہونے کے وقت ستر ہزار فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ہمراہ آئے تھے ۔"

جب مسجد کے دروازے پر پہنچے، تو اندر جانے کے وقت یہ دُعا پڑھے:

اعوذ باللہ العظیم وجہ الکریم و سلطانہ القدیم من الشیطٰن الرجیم۔

پہلے دائیں پاؤں کو مسجد میں رکھے اور کہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بسم اللہ والحمد للہ والصلٰوۃ والسلام علیٰ رسول اللہ۔ اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح اَبوابَ فضلك و رحمتك۔

اور جب مسجد کے اندر جاتے تو یہ دُعا پڑھے:

بسم اللہ دخلنا علیَ اللہ توکلنا۔

اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ جو شخص نماز باجماعت کو دوست رکھے۔ خداوند تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے۔ اور نماز باجماعت کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں ہیں اور بے شمار ثواب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب میں سے جس کی نماز باجماعت فوت ہوجاتی، وہ سات دن تک اس کا ماتم کرتا۔ اور اگر تکبیرِ اولےٰ فوت ہوجاتی، تو تین دن ماتم کرتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا "ایک آدمی نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے، لیکن جماعت میں حاضر نہیں ہوتا؟" آپ نے فرمایا: "وہ دوزخی ہے۔" چنانچہ ایک ماہ تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہی سوال ہوتا رہا اور یہی جواب ملتا رہا۔

اور نیز حدیث شریف میں وارد ہے "گو ایک شخص نے اتنی نمازیں ادا کی ہوں جتنی میری تمام امت نے کی ہیں، اور اسی قدر اس نے روزے۔ زکوٰۃ اور تمام عبادتیں ادا

کی ہیں۔ اگر جان بوجھ کر سنّت اور جماعت کا تارک ہوا، تو قیامت کے دن مالک کو حکم ہوگا کہ اُس شخص کو دوزخ میں ڈال دیں اور اُلٹا کر دیں۔ اور اس کو یہ نہ پوچھیں کہ تو کہاں تھا اور یہ کیا کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دُنیا و آخرت میں اُس پر رحمت کی نظر نہ کرے گا اور اس کی توبہ قبول نہ کرے گا۔"

اس کے بعد صحابہ کرام نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول! اگر وہ شخص نماز فرض ادا کرے تو اُس کا کیا حال ہوگا؟" فرمایا: "اگرچہ اکیلے پن میں نماز فرض پڑھا کرے جبتک کہ جماعت میں حاضر نہ ہو، اس کی جگہ دوزخ میں ہی ہوگی۔"

اور کتاب **محک الطالبین** میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرائیل امین علیہ السلام سے نماز با جماعت کی فضیلت کے باب میں دریافت کیا۔ اس کے جواب میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اگر دو آدمی مل کر نماز ادا کریں تو خداوند تعالیٰ ان دونوں میں سے ہر ایک کو ایک سو نماز کا ثواب عطا فرمائے گا اور جب تین شخص ایک جگہ مل کر نماز ادا کریں تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو ہر رکعت کے مقابلے میں چھ سو نماز کا ثواب عنایت فرماتے گا۔

اگر چار آدمی جمع ہوں، تو ہر ایک رکعت میں ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک ہزار نماز کا ثواب ملے گا۔ اور جب پانچ آدمی باہم مل کر نماز ادا کریں تو ہر ایک کو ہر ایک رکعت کے مقابلہ میں دو ہزار ایک سو نماز کا ثواب ہوگا۔ اور جب چھ آدمی ایک جگہ جمع ہو کر نماز ادا کریں، تو ہر ایک رکعت کے مقابلہ میں چار ہزار چار سو نماز کا ثواب ہوگا۔ اور جب سات آدمی ایک جگہ جمع ہو کر نماز با جماعت ادا کریں تو ہر ایک کے لیے ہر رکعت کے مقابلے میں سات لاکھ سات سو نماز کا ثواب ہوگا۔ اگر آٹھ آدمی ہوں، تو ہر ایک کے لیے ہر رکعت کے مقابلے میں ایک کروڑ آٹھ سو نماز کا ثواب ہوگا۔ اور جب نو آدمی تو خداوند تعالیٰ ہر ایک کے لیے ہر ایک رکعت کے مقابلے میں ستر کروڑ نو لاکھ نماز کا ثواب عطا فرماتے گا۔ جب دس آدمی

جمع ہوں اور مل کر نماز ادا کریں تو حق سبحانہ وتعالیٰ ہر ایک کو ہر ایک رکعت کے مقابلے میں اَسّی کروڑ دس لاکھ نماز کا ثواب دے گا۔ اور جب گیارہ آدمی ہوں تو اگر آسمان کے ساتوں سمندر اور ساتوں زمینیں سیاہی (روشنائی) ہو جائیں اور چودہ طبق کاغذ ہو جائیں اور جہان کے سب درخت قلمیں ہو جائیں اور کل آدمی اور کل فرشتے لکھنے لگیں تو بھی ہر ایک کے ثواب کو ہرگز نہیں لکھ سکیں گے اور اس کا ثواب سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔"

لیکن یہ ثواب کامل اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ امام پرہیزگار ہو۔ جس[1] شخص نے پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھی، گویا اُس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور فرض۔ واجبات۔ سنت۔ مستحب اور دیگر نماز کے آداب میں پوری پوری احتیاط کی جائے اور حضورِ دل کے ساتھ پڑھے، کیونکہ اطاعت میں حضور ایسا ہی ہے جیسا جسم میں رُوح کہ الحضور فی الطّاعت کالروح فی الجسد۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب جماعت میں حاضر ہو تو تکبیرِ اولیٰ کا ثواب پاتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی فضیلت میں یوں ارشاد فرمایا ہے: تکبیرۃ اَولیٰ خیر من الدّنیا وَمَا فیہا (تکبیرِ اولےٰ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے) جو شخص ایسی دولت کو جو کہ دنیا و فیہا سے بہتر ہے، ہاتھ سے جانے دے، وہ بڑا نادان اور پلے درجہ کا زیاں کار ہے۔

اور نماز فریضہ کے بعد آیت الکرسی پڑھے۔ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من قرأت الکرسی وکل صلوٰۃ مکتوبۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الاموات (ترجمہ) "آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے ہر ایک فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی۔ اس کو سوائے موت کے اور کوئی چیز بہشت میں داخل ہونے سے مانع نہیں اور ۳۳ بار سبحان اللہ۔ اور ۳۳ بار الحمد شریف۔ اور ۳۴ بار اللہ اکبر۔ جُدا جُدا

---

[1] من صلّی خلف امام تقی فکانما صلّی خلف نبی۔

پڑھے اور ایک بار یہ دُعا پڑھے :

لاالٰہ الاّ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ لہٗ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت وھو حی لایموت وھُو علیٰ کل شیئٍ قدیر۔

اس کے بعد مراقبہ اور باطنی شغل میں مشغول ہو، کیونکہ علی الصباح ہی کام میں مصروف ہوجانا تمام دن کی بنیاد کو مضبوط کرنا ہوتا ہے۔ اگر وقت کے اوّل حصہ میں خلل پڑ جائے اور ہرج واقع ہوجائے تو سارے کا سارا دن بے مزگی اور پریشانی میں گزرے گا۔

جب تک مسجد میں موجود رہے، سوائے ذکرِ الٰہی کے دنیاوی مطالب کی بات نہ کرے۔ حدیث شریف میں وارد ہے : من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللہ تعالیٰ عملہٗ اربعین سنۃ۔"

(ترجمہ) "جس نے دنیا کے مطالب کی بات مسجد میں کی، خدا تعالیٰ نے اس کی عمر کے گذشتہ چالیس برس کے نیک اعمال ضائع کیے۔"

جب سورج اچھی طرح نکل پڑے تو دو رکعت نمازِ اشراق ادا کرے اور ہر رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے پانچ دفعہ سورۃ اخلاص پڑھے۔

<u>کہتے ہیں</u> کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شیطان کو بہت ہی اداس اور دلگیر دیکھا تو فرمایا: "اے شیطان! تجھے اس قدر رنج واندوہ کس لیے دامنگیر ہوا ہے؟" اس نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسول! اِن لوگوں کے ہاتھوں سے جو فجر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں اور فوراً یادِ خدا میں بیٹھ جاتے ہیں، یہاں تک کہ سورج چڑھ جاتا ہے، تو اس وقت وہ نمازِ اشراق پڑھتے ہیں۔" اور یہ بھی شیطان نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب میں فرشتوں کے عالم میں تھا، تو میں نے عرشِ بریں پر لکھا ہوا پڑھا تھا کہ جو شخص فجر کی نماز باجماعت ادا کرے اور وہیں بیٹھ کر حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد میں سُورج نکلنے تک مشغول رہے۔ پھر نمازِ اشراق ادا کرے، تو اس کے ستر ہزار گناہ بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے

بخش دیتا ہے اور اس کو دوزخ کی آگ سے خلاصی دیتا ہے۔"

پس جو شخص یہ دو رکعت نماز ادا کرے، وہ ایسا ہی ہے کہ گویا اس نے تمام دن خدا تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی اور اس کو اس قدر ثواب ملتا ہے جو لکھنے پڑھنے میں نہیں آتا۔

اس کے بعد پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری رکعت سورۃ اخلاص پڑھے اور پھر دُعا مانگے اور خداوند تعالیٰ سے استعانت طلب کرے تاکہ اس تمام دن میں کسی قسم کی گنہ گاری اور بے فرمانی وقوع میں نہ آئے۔

اس کے بعد اپنے مکان میں واپس ہو کر یارانِ اہلِ شوق اور دوستانِ صاحب ذوق کے ساتھ جو ہمیشہ خدائے کریم کی جناب میں توجہ رکھتے ہیں صحبت رکھے۔ اور جاہلوں اور عام لوگوں کے ساتھ جو غفلت میں مدہوش رہتے ہیں، میل ملاپ نہ رکھے، اس لیے نیک آدمیوں کی صحبت نیک کام سے اچھی ہے اور بُرے لوگوں کی صحبت بُرے کام سے بُری ہے۔ خاص کر مبتدی کو ان لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ جو مسخرا پن۔ گالیوں اور بیہودہ قصوں کے پڑھنے کے عادی ہیں اور غافلوں اور بڑ بکواسیوں کی صحبت سے جو کھیل کود میں مشغول ہیں، بچتا رہے۔ اگر عالم ہے تو پڑھائی میں مصروف ہو۔ اگر عالم نہیں ہے تو مشائخ کے حالات، اور اولیاء اللہ کے مناقب کے چند ورق مطالعہ کرے، کیونکہ اولیاء اللہ کا کلام اس راستے کے چلنے والے کے لیے ایک کوڑا ہے جو بندگی میں چست اور دلیر بناتا ہے اور ذوق و شوق کو بہت تازہ کرتا ہے اور اس بات پر اطلاع دیتا ہے کہ مخالفوں کو سوائے اس کے کیا پریشانی ہے اور موافقوں کو کیا بزرگی اور شادمانی ہے۔ جب سعادتمند طالب ان معنوں کی طرف نظر کرتا ہے، تو طاعت اور عبادت پر اس کی خواہش زیادہ سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ لیکن ہر وقت اس بات کی طرف غور کرے کہ کوئی بھی ظاہری شغل، اس کے دل میں غفلت اور حجاب تو نہیں لاتا اور حضور مع اللہ میں کچھ فتور نہیں ڈالتا، اس لیے کہ ریاضت عبادت، علم اور نیکیوں کے تمام حالات وغیرہ کے مطالعہ سے صرف اسی قدر مطلب ہے کہ ہر

گھڑی حضورِ الٰہی تازہ تر ہو اور اس راستہ کی ترقی کا ذریعہ۔

ہر ایک شغل (اور کام) عام سے نیک ہو یا بد، جب محب اور محبوب (بندہ اور خدا) کے درمیان ایک پردہ ہو تو اہلِ معنی کے مذہب میں اس کا چھوڑ دینا ہی اچھا ہے اور سب سے اعلیٰ اور عمدہ کام خداوند تعالیٰ کی جناب میں توجہ کرنا ہے اور چاہیئے کہ ہمیشہ باوضو رہے۔ "وضو مومن کا ہتھیار ہے"۔ پس جو شخص ہمیشہ ہتھیار بند رہے، دشمن اس پر کبھی فتح نہیں پا سکتا۔

حدیث شریف میں وارد ہے: "جب تک مومن باوضو رہے، فرشتے اس کے حق میں بخشش مانگتے رہتے ہیں اور اگر باوضو ہونے کی حالت میں اس دنیا سے رحلت فرما جائے تو اس کو شہیدی درجہ ملتا ہے۔"

اور نیز حدیث شریف میں وارد ہے: لا یواظبُ علی الوضوالامومن (یعنی مومن کے سوا کوئی شخص باوضو نہیں رہتا) جو لوگ اپنے تئیں پاک صاف رکھتے ہیں، خداوند کریم ان کو دوست رکھتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ بعض اولیاء کرام کسی وقت بھی بے وضو نہیں رہتے اور سوائے قضائے حاجت کے ان کا وضو کبھی نہیں ٹوٹتا۔ اور مسواک کو بھی ترک نہ کرے۔

حدیثِ صحیح میں وارد ہے: "مسواک کے ساتھ ایک نماز، بے مسواک کی ستر نمازوں سے بہتر ہے اور وضو کرتے وقت ان دعاؤں کے سوا جو سنت ہیں اور کلمہ شہادت کے سوائے اور کسی قسم کا بیہودہ کلام نہ کرے۔"

حدیث شریف میں وارد ہے: "جو شخص وضو کے وقت بیہودہ کلام کرتا ہے، اس کے اعضاء گناہوں سے پاک نہیں ہوتے اور اگر اس قسم کا کلام نہ کرے تو اس کے اعضاء پاک ہو جاتے ہیں۔"

وضو سے فارغ ہوتے وقت اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ تین مرتبہ اور کلمہ شہادت اور مفصلہ ذیل دعا پڑھے:

اللّٰھمّ اجعلنی من التوابین وجعلنی من المتطھرین ہ وجعلنی من عبادك الصالحین من الذین لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون ہ

(ترجمہ) "بارِ خدایا! تو مجھے توبہ کرنے والوں، پاک رہنے اور اپنے نیک بندوں سے کردے اور مجھے ان لوگوں سے بنا، جن پر قیامت کے دن نہ کوئی خوف ہوگا نہ کسی قسم کی غمگینی۔"

حدیث شریف میں وارد ہے: من قرأ انا انزلنه فی لیلة القدر بعد الوضو ثلث مرة اعطاء الله تعالیٰ اجر الف شھید وَالّذین قاتلوا فی سبیل الله تعالیٰ۔

(ترجمہ) "جس نے وضو کے بعد اِنّا اَنزَلنٰهُ فِی لَیلَةُ القَدرِ یہ تین مرتبہ پڑھی، اس کو اللہ تعالیٰ ایک ہزار شہید، اور ان نفوسِ قدسیہ جنہوں نے خدا تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا، اجر عطا فرماتا ہے۔

اور نیز تین مرتبہ یہ دُعا پڑھے:

سُبحانك اللّٰھمّ و بحمدك۔ اشھد ان لا الٰه الا الله اَنت سُبحانك استغفرك واتوب الیك۔

اور ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضوء ادا کرے، اس لیے کہ تحیۃ الوضو کی نماز میں بہت بڑا ثواب ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے: "جو شخص پوری احتیاط سے وضو کرے، یعنی اس کے فرائض، سنتیں اور واجبات، اور سب کے سب آداب بجالائے اور پھر اٹھ کر حضورِ دل کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے تو بلا شک وشبہ وہ بہشت میں جائے گا۔"

نقل ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم معراج شریف کی رات میں ترقی اور عروج ہی فرماتے جاتے تھے، تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی نعلین کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز اپنے آگے آگے سنتے جاتے تھے۔ جب معراج شریف سے عالمِ دنیا میں تشریف لائے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی تفتیش فرمائی کہ "کس عمل سے تو اس درجہ تک پہنچا؟ اور کونسے نمایاں عمل کی بدولت تو وہاں آگے آگے دوڑ رہا تھا؟" حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کہا: "صرف ایک عمل میرے پاس ہے کہ تحیۃ الوضو کی دو رکعت نماز ہمیشہ ادا کرتا ہوں، اور کبھی میں نے اُس کو ترک نہیں کیا۔" جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "بے شک وہاں تو اسی عمل سے اس عظیم الشان مقام پر پہنچا۔"

اس کے بعد دُعائے مغفرت مانگے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

من لم یسئل اللہ یغضب علیہ (جو شخص اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے)

لیکن جاننا چاہیئے کہ سالکانِ اہلِ معنی کے نزدیک طہارت (پاکیزگی) کی کئی ایک قسمیں ہیں:

اوّل: ظاہری طہارت۔ یعنی ظاہری اعضاء کا پاک وصاف پانی سے دھونا۔ جو ہر ایک کو معلوم ہے۔

دوم: باطنی طہارت۔ اور وہ یہ ہے کہ جب ہاتھ دھوئے تو چاہیے کہ دُنیا کی محبت سے ہاتھ دھوئے۔ جب منہ میں پانی ڈالے تو منہ کو غیروں کے ذکر سے خالی کرے۔ جب ناک میں پانی ڈالے تو گویا خود بینی کو اپنی ذات سے الگ کرے۔ جب منہ دھوئے تو اپنے دل کا منہ غیر اللہ کے نقوش سے دھوئے۔ جب ہاتھ دھوئے تو گویا دنیا کی تمام بُری حرکات اور مناہی سے توبہ کرے۔ جب سر کا مسح کرے تو تکبّر اور خُودی (میں پن) کو اپنے سر سے دُور کرے۔ جب پاؤں دھوئے تو خداوند تعالیٰ سے شریعت

کے راستے پر مستقیم رہنے کی توفیق اور مدد مانگتے تاکہ ظاہری و باطنی دونوں طہارتیں حاصل ہوں۔

نقل ہے کہ جو شخص ظاہری طہارت کرتا ہے، اس کو تو فرشتے دوست رکھتے ہیں۔ اور جو شخص باطنی طہارت رکھے، اس کو فرشتوں کا رب دوست رکھتا ہے۔ پس اس سے زیادہ اور کونسی سعادت ہے کہ بندہ کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ دوست رکھے۔

سالک کو لازم ہے کہ ظاہری و باطنی طہارت رکھا کرے تاکہ عارفانِ اہلِ کمال اور کاملانِ صاحب حال کے زمرہ میں اسے جگہ ملے۔ اس کے بعد نفی و اثبات کا ذکر، یا اسم ذات یا پاس انفاس، جو کچھ پیرِ طریقت سے اس کو شغل ارشاد ہوا ہو۔ اس میں مصروف و مشغول رہے اور اس کی لذت سے متلذذ ہو۔ اکثر اوقات قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا عمل ہے۔ اور اپنے ظاہر و باطن کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف متوجہ کرلے اور تمام وقتوں میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو حاضر و ناظر جانے اور اٹھنے بیٹھنے میں خضوع و خشوع اور تمام آداب کو لازم رکھے اور ناشائستہ حرکات و سکنات سے باز رہے۔

نقل ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تازہ وضو فرما رہے تھے اور اپنی انگشتری کو اپنے دستِ مبارک میں پھیرتے تھے۔ فرمانِ الٰہی نازل ہوا کہ "اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) تجھ کو ہم نے کھیل کے لیے پیدا نہیں فرمایا؟" اس کے بعد پھر کبھی ایسا نہ کیا۔ فرماتے تھے: خداوند تعالیٰ نے مجھے ایسا ادب دیا کہ جملہ آداب سے برتر و بہتر ہے، اس لیے کہ ظاہر ادب کی خوبی دراصل باطنی خوبی کا ثمرہ ہے اور ظاہر و باطن کا تابع ہے۔

اگر کوئی دنیوی کام پیش آجائے تو اس کو کسی اور شخص کے سپرد کر دے اور آپ فارغ دل ہو کر یادِ خدا میں مشغول ہو۔ جو آدمی اپنے کاموں کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے، اس کے کاموں کا اِتمام نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے آراستہ و پیراستہ کیا جاتا ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام باوجودیکہ تمام رُوئے زمین کی سلطنت و مملکت کے مالک تھے، کبھی بھی دُنیا کے مال اور اس کی حکایت کو لب تک نہ لاتے تھے۔ اگر اس مال میں اور خزانہ داخل کرنے کے لیے لاتے تو ہر ایک شخص کے حوالے کر دیتے تھے جو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا تھا اور فرماتے جتنا کہ میں اس مال میں مصروف رہوں، اتنا خدائے تعالیٰ کے ذکر میں کیوں نہ مشغول رہوں۔ اور اگر بامر لاچاری کوئی دنیا کا کام دامنگیر ہو اور اس کی فکر نہ چھوڑے۔ تو لازم ہے کہ بے قراری اور جلد بازی کو اس میں راستہ نہ دے۔ بمصداق آیتِ کریمہ: لا تلھیھم تجارۃٌ ولا بیعٌ عن ذکر اللّٰہ۔

(ترجمہ: "ان نفوسِ قدسیہ) کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روک سکتی"

ظاہراً نہایت ہی حوصلہ اور بُردباری اور آہستگی سے اس کا سرانجام کرے اور باطن کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کر دے اور ایسا نہ ہو کہ (ظاہر و باطن) دونوں ہی کو ضائع کر دے۔

اور کسی ایک کے ساتھ بھی بد کلامی اور ترش روئی سے پیش نہ آئے، بلکہ ہر ایک کے ساتھ شیریں کلامی اور کشادہ پیشانی سے نرم اور ملائم باتیں کرے، اس لیے کہ بزرگی کا سب سے بہتر پیرایہ خدا تعالیٰ کی خلقت کے ساتھ اچھے اخلاق اور فروتنی سے پیش آنا ہے۔ اور دین و دنیا کے سب سے اعلیٰ درجوں پر پہنچنے کا یہی ایک ذریعہ ہے اور اسی کے حسب حال بہت سی جگہوں میں دیکھا گیا ہے کہ جو شخص بلند قدر اور صاحب رتبہ ہے، اس میں نیک اخلاق اور فروتنی ضرور ہی پائی جاتی ہے۔

اگرچہ فروتنی ہر ایک آدمی کے لیے زیب و زینت اور خوش آئند ہے لیکن بلند درجہ بزرگوں سے خوش تر اور زیبا تر ہے۔ اس کے لیے کہ اچھے خلقوں کی بدولت، بڑوں کی بڑائی خدا اور خلقِ خدا کے سامنے بہت ہی بڑھ کر دکھلائی دیتی ہے ؎

ہر کہ دارد در جہاں خلقِ نکو
مخزنِ اسرار باشد جانِ اُو

(ترجمہ) "اس دنیا میں جو شخص نیک خلق ہے، اُس کی جان (خدا تعالیٰ کے) بھیدوں کا خزانہ ہے۔"
حدیث شریف میں وارد ہے: "نیک اخلاق کی بدولت نیک آدمی کو وہ درجہ ملتا ہے جو رات کو (تہجد کی) نماز پڑھنے والوں اور دن کو (ماہِ رمضان کے) روزہ رکھنے والوں کے نصیب ہوتا ہے۔"

حضرت ابو عبداللہ شمائی قدس سرہٗ کی خدمت میں لوگوں نے عرض کیا کہ اولیاء اللہ کی خلقت میں کیا شناخت ہے؟" انہوں نے فرمایا کہ زبان کی نرمی۔ نیک اخلاق۔ تازہ روئی۔ کسی پر اعتراض نہ کرنے، عذر قبول کرنے اور سب نیکوکاروں اور بدکاروں پر شفقت کرنے سے۔

لیکن خلقِ خدا کے ساتھ تواضع، خاص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ تواضع سے مراد فروتنی ہے (اپنے نفس کو حقیر ترین جاننا) خداوند تعالیٰ کے حضور لیں اس کی خلقت کے سامنے۔ دیگر انسانوں سے بدرجۂ کمال پاک ہونے کی یہی قابلیت ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کے لائق ہونا چاہیے، تو وہ تواضع کے ساتھ ہی اس تعظیم کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ وہ یہ نیت کرلے کہ شاید اس (دوسرے) شخص کا درجہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے بہت زیادہ ہے اور یہ کامل عارفوں کی مثال ہے کہ ہر ایک انسان کو اپنی ذات سے بہتر اور برتر جانتے ہیں اور اپنے نفس کو نہایت ذلیل اور خوار گنتے ہیں۔ اگر ان کے در پر کوئی سوالی۔ محتاج۔ فقیر اور شکستہ دل آئے تو بمصداق آیۂ کریمہ: وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔
(لیکن سوالی۔ پس اس کو جھڑکی مت دے)
اس کے سوال کو رد نہیں کرتے اور حتی المقدور اس کو خالی ہاتھ اپنے دروازے سے نہیں چلاتے، کیونکہ تمام نیک صفتوں میں سے کوئی صفت بھی سخاوت سے زیادہ نیک نہیں ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "جو شخص سوالی کو اپنے در سے خالی ہانکتا ہے، ایک ہفتہ تک فرشتے اس کے گھر میں نہیں جاتے۔"
اور جو کچھ للٰہ خیرات کرے، نہایت خوش دلی اور تازہ روئی سے خرچ کرے۔ ناپسندیدگی

اور سخت گوئی کو عمل میں نہ لائے۔

نقل ہے کہ کل قیامت کے دن فقیروں میں سے ایک فقیر کو لائیں گے جس کے پاس نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور عبادت سے بہت سرمایہ ہوگا۔ وہ سب کا سب خدا تعالیٰ کی درگاہ میں قبول نہ ہوگا اور فرشتوں کو ارشاد ہوگا کہ اس (فقیر) کو دوزخ کی طرف لے جاؤ۔ وہ عرض کرے گا کہ بار خدایا! میں نے دنیا میں بہت سے نیک عمل کیے تھے۔ کس جرم کی پاداش میں مجھے دوزخ میں ڈالا جاتا ہے۔ حکم ہوگا کہ بہت سے فقیر۔ درویش۔ سوالی دنیا میں تیرے در پر آئے تھے، اور تو نے ان سے منہ پھیر لیا تھا۔ آج کے دن ہم نے تجھ سے منہ پھیر لیا ہے اور تیری طاعت کو تیرے منہ پر مارا ہے۔

پس جو فقیر اور مسافر آئے، تو اس کو حقارت کی آنکھ سے نہ دیکھے۔ اس لیے کہ وہ خداوند تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے، بلکہ سب فقیروں۔ صالح لوگوں اور درویشوں کو اپنے اہل و عیال اور بال بچوں سے زیادہ دوست رکھے۔ اس لیے کہ فقیر اور صالح لوگ۔ خدا تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں اور آخرت کے ثواب کا ذریعہ ہوتے ہیں اور انسان کے عیال اور بال بچے دنیا یاد دلاتے ہیں اور خداوند تعالیٰ سے غافل کرتے ہیں۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن ان کے ہاں کوئی سوالی نہ جاتا۔ فرماتے "کیا ہوا کہ آج ہمارے گناہوں کا دھونے والا کوئی نہ آیا۔"

اور سلوک کی دنیا میں یہ ایک عظیم الشان صفت ہے، لیکن سخاوت کی چند شرطیں ہیں،

شرطِ اوّل: چھپا کر خیرات کرے اور اپنے تئیں سخی مشہور نہ کرے تاکہ دکھلاوے سے دور اور اخلاص سے نزدیک ہو اور اپنی سخاوت گھمنڈ نہ کرے اور مال کے نشہ میں اپنی ذات کو فقیروں اور درویشوں سے بہتر جانے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک بزرگی فقیروں ہی کو ہے، نہ کہ دولت مندوں کو۔ اور اگر کوئی فقیر یا درویش آئے تو اس کو پہلے سلام علیک کہے اور اس کی بہت ہی بزرگداشت کرے، اس لیے کہ وہ خداوند تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے: "خیرات پہلے خداوند تعالیٰ کے لطف کے ہاتھ میں جاتی ہے۔ اس کے بعد فقیروں کے ہاتھ میں آتی ہے۔ پس جو دولت مند آدمی کہ فقیر کو کچھ للٰہ دیتا ہے، درحقیقت وہ خدائے تعالیٰ کو دیتا ہے' اس لیے کہ فقیر خداوند تعالیٰ کا نائب ہے۔"

شرطِ دوم: اور جو کچھ کہ دے خوش دل سے دے۔ اگر کراہت سے دے تو اس بات کا ڈر ہے کہ شاید قبول نہ ہو۔ اور جو کچھ حلال۔ بہتر اور اپنے نفس کے نزدیک عزیز ہو اور بہت ہی دوست ہو۔ خداوند تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو دوست رکھتا ہے جیسا کہ خود اس نے اپنے پاک کلام قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: لا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ۔ (ترجمہ" اور مت ارادہ کرو پلید کا اس میں سے کہ خرچ کرو اُس کو، حالانکہ تم اس کے لینے والے نہیں ہو، مگر یہ کہ آنکھ میچ لو بیچھے اس کے۔

یعنی جو چیز تم کو دی جائے اور تم اُس کو ناپسندیدگی کے ساتھ لو، تو ایسی چیز کو خدا کے راستہ میں کیوں خرچ کرتے ہو؟"

شرطِ سوم: اور خداوند تعالیٰ کا شکر بجا لائے کہ اُس نے ایک محتاج کو میرے پاس بھیجا جس کا مطلب میرے ہاتھ سے نکلتا ہے۔

اور آدھے پہر دن چڑھے نماز چاشت یعنی نماز ضحیٰ ادا کرے۔ اگرچہ اہل حدیث کے نزدیک اشراق اور ضحیٰ ایک ہی نماز ہے، مگر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دونوں کے لیے نقل کرتے ہیں، تو دونوں کو پڑھنا اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ یہ عبادت ہے، بلکہ بعضے بزرگوں نے اس نماز کو اشراق کے متصل ہی پڑھا ہے۔ اس لحاظ سے کہ کہیں فوت ہی نہ ہو جائے اور یہ نمازِ تہجد کے رنگ میں ہے۔ چار رکعت سے لے کر بارہ رکعت تک۔ غرض کہ پہلی رکعت سورۃ والشمس۔ دوسری سورۃ واللیل۔ تیسری میں سورۃ والضحیٰ۔ چوتھی میں سورۃ الم نشرح۔ اور اگر باقی رکعتوں میں بھی لذت حاصل ہو تو ہر ایک میں

آیت الکرسی اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہشت میں ایک دروازہ ہے کہ اس کو باب الضحیٰ کہتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا، تو ایک پکارنے والا آواز دے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ جو دنیا میں نماز ضحیٰ ادا کرتے تھے اور اُس پر مداومت رکھتے تھے، اٹھیں اور بہشت میں آئیں، خدا تعالیٰ کی خوشنودی سے"

اور نماز ضحیٰ سے فارغ ہو کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی دُعا پڑھے:

اللّٰھم انی اسئلك ایمانا دائمًا واسئلك قلبا خاشعًا واسئلك علمًا نافعًا واسئلك یقینًا صادقًا واسئلك دینًا قیمًا واسئلك العافیۃ من کل بلیہ واسئلك تمام العافیۃ واسئلك دوام العافیۃ واسئلك الشکر علی العافیۃ واسئلك غنا عن الناس۔

(ترجمہ) "بار خدایا! یہ عاجز تیری درگاہ میں نہایت نیاز وزاری سے دائمی ایمان، خوفناک دل۔ نفع مند علم۔ سچے یقین۔ پکے دین۔ عافیت۔ ہر ایک قسم کے آرام اور اُس آرام کے شکر، اور لوگوں سے بے پرواہی کی درخواست کرتا ہے۔"

اور روزی کا ڈر اپنے دل سے دور کرے اور اس کے پیچھے بے آرام اور بے چین نہ ہو اور اس کے فکر میں اپنے دل کو متردد نہ کرے، اور اس مطلب کے لیے اندیشہ ناک نہ ہو کہ کیا کھاؤں گا اور کیا پہنوں گا (ہمارا) رزق بندہ کو اسی طرح ڈھونڈتا ہے جس طرح کہ بندہ روزی کو ڈھونڈتا ہے۔

پس سالک کو لازم ہے کہ اپنے یقین کو اس مطلب میں مضبوط رکھے کہ جو روزی میری قسمت میں پہلے دن سے لکھی ہے، میری کوشش اور تلاش کے بغیر بھی مجھے آملے گی۔ اس کے پیچھے دوڑنا اور دربدر کی خاک چھانتے پھرنا حقیقت میں اپنی عمر کے سرمایہ کو ضائع کرنا ہے جس طرح کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے: ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ۔

(ترجمہ) "جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کا کارساز ہے۔"

نیز فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا

(ترجمہ) "خدا کی زمین میں کوئی ایسا چلنے والا نہیں ہے جس کو روزی دینا خداوند تعالیٰ نے اپنے ذمے نہ کرلیا ہو۔"

پس خداوند تعالیٰ کے اس وعدے پر اپنے یقین کو مضبوط کر کے فراغ دلی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے کام میں لگا رہنا چاہیئے اور اپنی تدبیروں کو اُس پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

ایک بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ جس قدر تعلق انسان کو رزق کے ساتھ ہے۔ اگر رزق دینے والے (خدا تعالیٰ) کے ساتھ ہو تو ہرگز رزق کے لیے اس قدر درماندہ نہ ہو۔ اور جو شخص اپنے کاموں کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور یادِ خدا میں مشغول ہو جاتا ہے، وہ غیب الغیب سے روزی پاتا ہے۔ لیکن بعض بزرگوں نے جو کسب یا سبب اختیار کیا ہے تو اپنے حالات کے پوشیدہ رکھنے کے لیے یا اپنے پیغمبروں کے طریق کو مدِ نظر رکھ کر ایسا کیا ہے۔ اگر کوئی کامل سالک سدرمق کے لیے کوشش کرے تو اس کے لیے کچھ منع نہیں ہے، کیونکہ اس کی نگاہ اسباب سے بالکل الگ ہو گئی ہے اور وہ سببوں میں سوائے اسباب بنانے والے (خدا تعالیٰ) کے کچھ بھی نہیں دیکھتا اور اس کے درمیان غیر کو نہیں دیکھتا۔

شیخ عبداللہ انطاکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تمام لوگوں کا جمال اسباب کے ثابت ہونے میں موقوف ہے، لیکن فقیروں کا جمال۔ مسبب کے نفی و اثبات اور اس کی طرف رجوع ہونے اور اس کے حکموں پر راضی ہونے میں ہے۔

اور جو کچھ کسبِ حلال سے اس کو ملے، اس میں سے اپنی بھوک کے تیسرے حصے کے برابر کھائے اور اگر اس میں کچھ فضولی کرے تو اس کا دماغ کمزور ہو جائے گا اور عقل کے جوہر میں نیک و بد میں جدائی کی متاع ہے، خلل پڑ جائے گا۔ دماغ کی کمزوری کے باعث حقائق و معارف ربانی سمجھے نہیں جا سکتے لیکن زیادہ کھانے کی بابت، سو زیادہ کھانے سے

سینکڑوں بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خاص کر سالک کا پیٹ بھر کر کھانا گناہوں میں داخل ہے اس لیے کہ پیٹ بھر کر کھانا کاہلی اور سستی لاتا ہے اور نیک کاموں کے کرنے سے روکتا ہے۔

اور شیخ عبداللہ مختار سہروردی قدس سرہ نے کہا: "تو اس طرح روٹی کھا کہ تو نے اس کو کھایا ہو! نہ کہ اس نے تجھ کو۔ اگر تو نے اس کو کھایا، تو سب کا سب نور ہو جائے گا۔ اگر اس نے تجھے کھایا ہے تو سب کا سب دھواں ہو جائے گا۔"

حاصل کلام کہ کم کھایا کر اور اوسط کو نگاہ رکھا کر۔ اور لقمہ کھاتے میں پوری احتیاط رکھے جو ہر ایک قسم کے شک و شبہ سے خالی ہو۔ جو شخص لقمہ حلال اور پاک کھاتا ہے اُس کا پھل یہ ہے کہ اس کو طاعت کی زیادہ تر توفیق ہوتی ہے اور جو شخص لقمہ حرام کھا وے، اُس کا پھل گناہ اور غفلت پیدا کرنا ہے جو اعضاء اور جوارح (ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ۔ کان وغیرہ) حلال روٹی سے پرورش پا گئے، ان سے سراسر نیک کام صادر ہوتے ہیں اور حلال روزی کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ شریعت اُس کی بُرائی اور ہجو نہ کہے اور کھانے کے وقت خدا تعالیٰ اُس کو نہ بھولے اور غفلت سے نہ کھائے۔ اس لیے کھاتے وقت خدا تعالیٰ کے حاضر ہونے کی رعایت، نعمتوں کے حقوق کا ادا کرنا اور باطنی صفائی کا ذریعہ ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک صاحبِ دل کے سامنے کوئی بڑا حجاب، غلیظ اور زیادہ لقمہ کھانے سے بڑھ کر نہیں ہے جو غفلت سے کھایا جائے۔"

اور ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ پڑھے اور آخر میں الحمدللہ۔ جو شخص لقمہ شروع کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کھانے میں شیطان اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور کھانا کھانے کے اول و آخر نمک چکھے اور کھانا کھانے کے اثناء میں پانی کم پیے تاکہ نیند کا غلبہ نہ ہو۔ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے اور کھاتے وقت دایاں گھٹنا اٹھائے اور بائیں پنڈلی پر بیٹھے اور (دیوار۔ تکیہ وغیرہ پر) سہارا لگا کر نہ کھائے، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں بندہ ہوں اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں۔"

اور جب تک بھوک نہ لگے، ہرگز نہ کھائے اور ابھی بھوکا ہی ہو کہ کھانے سے ہاتھ اٹھالے اور خوانچہ یا دسترخوان پر بہت تکلف نہ کرے اور اکیلے نہ کھائے اور کھانے میں جتنے زیادہ ہاتھ ہوں، اتنی ہی زیادہ برکت ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مہمان کی تلاش میں روز ایک دو میل تک جاتے اور جب تک کوئی مہمان نہ ملتا، اکیلے نہ کھاتے۔ اور بزرگانِ سلف کی یہ عادت تھی کہ کبھی بھی تنہائی کی حالت میں کھانا نہ کھاتے۔

حدیث شریف میں وارد ہے: "جو شخص مہماندار نہیں ہے، اس میں بھلائی اور برکت نہیں ہے۔" اور اپنے اہل وعیال۔ بال بچوں۔ درویشوں اور فقیروں کو برابر دے اور ان میں فرق نہ کرے، بلکہ زیادہ لذت دار ہوں تو دوسروں پر اسے نثار کرے اور مہمانوں کو بہت ہی عزیز اور بزرگ رکھے اور اس کا دل خوش کرے۔ کھانا کھانے سے اصلی مقصود یہ ہو کہ عبادت کی طاقت بڑھے نہ کہ نفس کی خوشی۔ اور کھاتے وقت کھیل، بیہودہ بک بک اور جھوٹی کہانیاں نہ کہے۔ اگر اولیاء اللہ کا ذکر یا نیک لوگوں کی حکایت بیان کرے تو کچھ منع نہیں ہے اور سوکھے ٹکڑے اور تر لقمے یا چرب نوالے میں فرق نہ کرے۔ جو کچھ خداوند تعالیٰ دے اس پر صبر کرے اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی بُرائی نہ کہے۔ اور شکر کی حقیقت یہ ہے کہ نعمت سے جو کچھ حاصل ہو، اس کو نعمت دینے والے (خدا تعالیٰ) کی طاعت میں خرچ کرے۔ اگر وجہ حلال کی روٹی کھائی ہو، تو خدا تعالیٰ کا شکر بجالائے اور اگر کوئی مشتبہ چیز کھا گیا ہے تو رو دے اور خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگے، اندوہناک ہو اور توبہ کرے تاکہ پھر کبھی اس طرح کا شکی لقمہ نہ کھایا جائے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اگر اتنے روزے رکھو کہ سوکھ کر بال کی طرح باریک (دُبلے) ہو جاؤ تو بے فائدہ ہے اور خدا تعالیٰ انہیں قبول نہیں کرتا۔ مگر حرام لقمہ سے پرہیز کرنے میں اور جو نعمت حاصل ہو اور جہاں سے ملے حق سبحانہ وتعالیٰ

کی بخشش اور عنایت سے جانے نہ کسی کی طرف سے۔

نقل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ایک دن (خدا تعالیٰ کی درگاہ میں) مناجات کی، جس کا مضمون یہ ہے: "بارِ خدایا! میں تیری نعمتوں کا شکر کس طرح ادا کروں؟" حکم ہوا کہ "جس نعمت کو ہماری دی ہوئی یقین کرتا ہے۔ اُن تمام کا شکر ادا کرتا رہ۔"

لیکن ان نعمتوں کے لینے والے پر لازم ہے کہ عطا کرنے والے کے حق میں دُعائے خیر کہے۔

جب کھانے سے فارغ ہو۔ سورۃ الحمد و سورۃ لایلاف و سورۃ اخلاص پڑھے اور ہاتھ دھوئے اور دوبارہ وضو کرے۔ اگرچہ پہلے بھی باوضو ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ وضو کا نور کھانے کے بوجھ اور کساوت کو دل سے دُور کرتا ہے اور طبیعت کو ہلکا اور راضی کرتا ہے اور طعام سے فراغت پا کر دو رکعت نماز، کھانے کے شکرانے میں ادا کرے تاکہ وہ گرد و غبار جو کھانے کے سبب سے دل پر بیٹھ گیا تھا، دور ہو جائے، اس کے بعد رات کی سُستی اور ماندگی کے دور کرنے کے لیے تھوڑے عرصے کے لیے لیٹ جائے تاکہ رات کا جاگنا بغیر سُستی کے حاصل ہو، لیکن پیشین (ظہر) سے پہلے ہی جاگ پڑے اور نیند کی تاریکی کی کسافت دُور کرنے کے لیے نفی و اثبات قلبی یا زبانی میں جس کے لیے ارشاد کیا گیا ہو، مشغول ہو۔

اس کے بعد تازہ وضو کرے اور پیشین کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر کے قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو کہ سب عبادتوں سے بہتر اور سب طاقتوں سے بڑھ کر قرآن مجید کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ کل قیامت کے دن قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں وارد ہے: قرآن مجید کی بزرگی، تمام کلاموں پر ایسی ہی ہے، جیسی خدا تعالیٰ کے فضل کو تمام مخلوقات پر۔

نقل ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کو

خواب میں دیکھا۔ عرض کیا: "اے خداوند! کس ذریعہ سے تیری درگاہ کا قرب حاصل کروں؟" حکم ہوا: "میرے کلام مجید پڑھنے سے۔" پھر عرض کیا: "سمجھ کر پڑھا جائے یا بے سمجھ؟" حکم ہوا: "سمجھ کر یا بے سمجھ۔"

اور نیز قرآن مجید کے فضائل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ "اگر کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو کر قرآن مجید پڑھے تو ہر ایک حرف کے صلہ میں ایک سو نیکی اس کو عطا ہوتی ہے اور اگر سوائے نماز کے باوضو ہو کر پچیس نیکیاں۔ اور اگر بے وضو پڑھے تو دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں۔"

اور تمام قرآن مجید کے حروف حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق تین لاکھ بیس ہزار چھ سو ستر (۳۲۰۶۷۰) ہیں۔ پس قرآن مجید کے پڑھنے والے کو ہر حرف کے مقابلہ میں دس ثواب ہیں، لیکن کمال درجہ کی پیروی اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے کے آداب کو نگاہ میں رکھے اور ذوق کو قائم رکھے۔ اول یہ ہے کہ باوضو ہو اور پاک صاف جگہ میں قبلہ رُو نہایت ادب کے ساتھ بیٹھے، کیونکہ جس کے دل پر خداوند تعالیٰ کے جلال و عظمت کا غلبہ ہو۔ وہ خدا کا کلام پڑھنے میں بھی باادب ہو۔ اور فحش، جھوٹ، چغلی اور بیہودہ کلام سے اپنی زبان کو پاک رکھے۔ جس زبان پر اللہ تعالیٰ کا کلام جاری ہو، اس کو بیہودہ باتوں میں آلودہ نہ کرے تاکہ قرآن مجید کی لذت اور مٹھاس دل پر اثر کرے۔ جب قرآن مجید کی روشنی، پڑھنے والے شخص کے دل پر پہنچتی ہے اور زبان سے جان تک آتی ہے۔ تو ایسے ایسے اسرارِ ربانی ظاہر ہوتے ہیں کہ کسی کتاب اور تفسیر کے مطالعہ سے نہیں ہوتے اور ایک ایسی محبت اور فرحت رونما ہوتی ہے کہ ہرگز ہرگز کسی بیان اور تقریر سے حاصل نہیں ہوتی۔

اور قرآن مجید کو ناظرہ پڑھے۔ اگرچہ اُس کو یاد ہی ہو۔ جو شخص ناظرہ پڑھے۔ اس کو دگنا ثواب ملتا ہے اور ناظرہ پڑھنے سے صحت اور غلطی بھی معلوم ہو جاتی ہے اور آنکھیں بھی ثواب سے بہرہ یاب ہوتی ہیں، لیکن جو شخص قرآن مجید کا حافظ ہے، وہ دونوں جہانوں کا سعادت مند ہے

اور اس کی فضل و بزرگی محتاج نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید حق تعالیٰ کے خزانوں میں ایک بہت بڑا خزانہ ہے جس شخص کے سینے میں ایسا گنجینہ ہو، حقیقت میں اس نے بہت بڑی سعادت حاصل کرلی ہوتی ہے۔ پس کون ہے جس نے اتنی بڑی بھاری دولت (خدا تعالیٰ سے) پائی ہے اور جو شخص اپنے صفحۂ دل پر کلامِ ربانی حفظ رکھتا ہو، اُس کو اس سے بڑھ کر سعادت اور برتر فضیلت کیا چاہیے کہ بندہ کی زبان کلامِ ربانی سے جاری رہے۔

حضرت ابو یعقوب الزباب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک مرید سے پوچھا کہ کیا تجھے قرآن مجید حفظ ہے؟" اس نے کہا، نہیں!" فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی پناہ جس مرید کو قرآن مجید یاد نہ ہو وہ ایسے پھول کی طرح ہے جس میں بُو نہ ہو۔ پھر کس چیز پر ناز کرسکتا ہے اور کیونکر بول سکتا ہے اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کی سعی کرسکتا ہے؟"

اور چاہیے کہ تین دن میں ختم کرے۔ وگرنہ ایک ہفتہ میں، لیکن ایک مقررہ قرأت ظاہری لوگوں کے لیے ہے۔ اہلِ معنی اپنے حسب حال اور دل کی جمعیت کے موافق جس قدر طاقت رکھتے پڑھے اور شروع کرتے وقت اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھے۔ قرآن مجید میں ہے: "جب تو قرآن مجید پڑھنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ۔" اس لیے کہ تعوذ کے باعث قرآن خوانی میں انسان وسوسہ شیطانی سے بچا رہتا ہے اور شیطان کا کسی قسم کا غلبہ اور تصرف اس پر نہیں رہتا اور قرآن مجید کی تلاوت میں ایک ایک لفظ واضح کرے اور ایک ایک حرف کو اس کے مخرج سے نکالے۔

اور جو شخص تلفظ اور قرآن خوانی کے قاعدہ سے نابلد ہو، اس کو چاہیئے کہ قاری استادوں سے جو اس علم میں پوری مہارت رکھتے ہیں، سیکھ لے اور الفاظ کو درست کرلے۔ اگر غلط پڑھے تو گنہ گار ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات کو راگ رنگ میں نہ پڑھے۔ اگر دکھلاوے اور لوگوں میں خلل اندازی کا ڈر ہو، تو اونچی آواز سے نہ پڑھے۔ نہیں تو آہستہ دل میں پڑھنا بہتر ہے۔ "پوشیدہ عمل کو ظاہری پر بزرگی ہے۔"

نیز حدیث شریف میں وارد ہے: "چھپ کر پڑھنے (سِرّی قرأت) کو بلند آواز (جہری قرأت) پر وہی بزرگی ہے، جو چھپا کر خیرات کرنے کو علانیہ کرنے پر ہے"۔ لیکن اولیٰ وافضل یہی ہے کہ نہ ہی بہت بلند آواز سے پڑھے اور نہ ہی بہت آہستہ (درمیانہ روی کو عمل میں لائے) اور باطنی حسّوں کو قرآن مجید پڑھنے میں خوب اکٹھا کرے تاکہ توجہ بگڑ نہ جائے اور اپنے تئیں گریہ وزاری میں لائے۔ اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت بنائے، اس لیے ایسا کرنا عجز و نیاز کے بہت ہی قریب ہے اور جو عمل عجز و نیاز کے قریب ہے، اس کی بہت قبولیت ہوتی ہے

اور اس بات پر لالچی نہ ہو کہ جلدی ختم ہو جائے، بلکہ جس قدر تلاوتِ قرآنِ مجید کرے، چاہیے کہ حوصلہ مندی اور فکر کے ساتھ ہو اور معانی قرآن کو حاضر رکھ کر کرے۔ زبان سے گزار دینا ہی مدعا ہو، اس لیے کہ قرآن مجید کا پڑھنا، حقیقت میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کلام کرنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

من اراد ان یتکلم مع اللہ تعالیٰ فلیقراء القران۔

(ترجمہ) "جو شخص خداوند تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنا چاہے، اس کو چاہیئے کہ قرآن مجید پڑھے"۔

پس جو غفلت سے پڑھا گیا ہے، اس کو ان پڑھا سمجھے اور دوبارہ پڑھے اور اگر عالم ہے، تو قرآن شریف کے معنوں میں غور وفکر کرے۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اوالقی السّمع وَھُوَشَہِیْدٌ۔

بے شک قرآن مجید (کے پڑھنے سننے) میں نصیحت ہے۔ اس شخص کے لیے جس کا دل بہت سے مجاہدہ۔ ریاضت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے باعث بشریت کے لالچ اور نفس کی پلیدیوں سے پاک ہے اور ہوش کے کان لگا کر سُنے۔

اور سمجھ دہ ہے جو امر ونہی۔ وعدہ وعید۔ عبادت طاعت۔ حلال وحرام اور معاملات میں سے کلامِ ربانی میں ہے"۔ جس وقت کوئی عذاب کی آیت آئے، کانپ جاتے اور خوف کھائے اور دردمند اور غمناک ہو۔ اور جب رحمت کی آیت پر پہنچے، تو راضی اور خوش دل ہو۔ اور رحمت کی آیت کو دوبارہ پڑھے۔ اور جب سجدہ والی آیت پڑھے، تو فوراً سجدۂ تلاوت کرے

اگر سالک صاحبِ معنی ہے تو اپنے آپ میں ڈوب جائے۔ یعنی اپنے محبوب کی صورت کے لیے اس کا کلام پڑھ کر بہت ہی مشتاق ہو جس قدر کہ دل کی صفائی، زیادہ تر قرآن مجید کے پڑھنے سے دل کی تسلی اور باطن کی ترقی کا بڑھ کر ذریعہ ہے ؎

عروسِ چہرۂ قرآں نقاب انگاہ بکشاید
کہ دار الملک ایماں را مجرّد باید از غوغا

(ترجمہ: "قرآن مجید کے چہرہ کی دُلہن اپنے منہ سے نقاب اس وقت اتارتی ہے جب ایمان کی بادشاہت کو شور و غوغا سے علیحدہ دیکھتی ہے۔")

اے عزیز! اگرچہ خدا کا کلام سب لوگ پڑھتے ہیں، لیکن ظاہری لوگوں کا پڑھنا اور ہے، اور اہلِ معانی کا پڑھنا اور۔ اس لیے کہ قرآنی انوار (قضا و قدر) اس وقت ظاہر کرتے ہیں کہ اس کا دل نفسانی حرص و ہوا اور بشریت کی صفتوں سے پاک ہو۔ اور قرآن مجید کے خوبصورت چہرہ کا عکس، اس شخص پر جلوہ گر ہوتے ہیں جس کا دل ماسوی اللہ کی غفلت اور تاریکی کے غبار سے صاف و شفاف ہو۔ جاننا چاہیے کہ ہر ایک چیز کی ایک صورت اور حقیقت ہے۔ سو ظاہر لوگ قرآن مجید کے آواز اور لفظوں سے ہی فائدہ پاتے ہیں، اور آخرت کے نیک درجے اور دینی سعادت حاصل کرتے ہیں، لیکن ان کے دلوں کو اتنی شائستگی نہیں ہے کہ قرآن مجید کے انوار کو لے سکیں، لیکن اہل دل اس کی حقیقت سے نفع لیتے ہیں اور اس کے معنوں کی خوشبو سے، جان کے مغز کو عطرناک کرتے ہیں، بلکہ جو لوگ روشن دل اور صاف باطن ہیں، ان کے لیے ہر ایک حرف قرآنی حروف میں سے اسرارِ معانی

کے بھید کا پردہ کھولنے والا ہے اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے خوبصورت چہرہ کا آئینہ ہے ؎

قومے ز وجودِ خویش فانی

رفتہ ز حروف در معانی

(ترجمہ) "جس قوم نے اپنے وجود کو فنا فی اللہ کر دیا ہے

وہ حرفوں سے بڑھ کر معنوں تک پہنچ گئی ہے"

حدیث شریف وارد ہے کہ "جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مناجات کرتے اور خدا کا کلام سننے سے لوٹ کر آتے، تو لوگوں سے بھاگتے اور اپنے کانوں میں انگلیاں دیتے، تاکہ لوگوں کی بات نہ سن سکیں۔ اس وقت ان کو عوام کی بڑبڑ گدھے کی آواز سے بھی زیادہ ناپسندیدہ معلوم ہوتی تھی۔"

پس اے عزیز! تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو سب سے بہتر اور تمام آسمانی کتابوں سے بزرگ تر ہے۔ جب تو پڑھتا اور سنتا ہو تو تجھے لازم ہے کہ پڑھتے وقت ماسوی اللہ سے بھاگ کھڑا ہووے۔ اور لوگوں کا کلام سُننے سے کانوں میں روئی ڈال کر اور دل کی توجہ ایک طرف کر کے کلامِ ربانی کے انوار سے پاک خدا میں ایسا مر مٹے، اور غرق ہو جائے کہ کسی اور طرف کی تجھے خبر تک نہ ہو تاکہ اس ذریعے سے حجاب کاٹا جائے اور خدا کے قرب میں ترقی ہو۔

جب عصر کا وقت آ پہنچے، تو پھر تازہ وضو کرے اور چار رکعت سنت عصر پڑھ کر نماز فرض باجماعت کے ساتھ ادا کرے اور مراقبہ میں جائے اور اپنے معشوق (خدا تعالیٰ) میں مستغرق ہو، کیونکہ ایک گھڑی کے مشاہدہ کا استغراق، ہزار ریاضت اور مجاہدہ سے بہتر ہے۔ اور شام کے وقت تک اور کسی کے ساتھ سوائے یادِ خدا کے بات نہ کرے۔ جو شخص صبح و شام ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو، وہ اُسی کے ذکر میں گِنا جاتا ہے، اور اس کو غافل نہیں کہا جاسکتا۔

قولہ تعالیٰ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّ دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ہ

(ترجمہ) "اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اپنے پروردگار کو اپنے دل میں گریہ وزاری وخوف سے اور ایسی آواز سے جو بلند نہ ہو، صبح وشام خدا تعالیٰ کو یاد کیا کرو اور غافلوں کی فہرست میں اپنا نام درج نہ کراؤ۔"

اور اس وقت کی بزرگی اس لیے ہے کہ ان دونوں وقتوں (صبح وشام) میں فرشتے جمع ہوتے ہیں اور بندہ کے اعمال (خدا تعالیٰ کے حضور میں) لے جاتے ہیں۔

اے عزیز! جو آدمی اُن دونوں وقتوں میں، اہلِ کرم دولت مندوں کے در پر جاتا ہے تو وہ ان کی بخشش سے بے نصیب نہیں رہتا۔ تو پھر اگر مومن بندہ ہر صبح وشام پوری محبت کے ساتھ یادِ الٰہی میں مصروف ہوگا، تو وہ اس پاک وبے عیب واہب العطایا خدا تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے کیونکر محروم ہو سکے گا۔

اور جب شام کا وقت آئے تو نماز فرض جماعت کے ساتھ ادا کرکے، دو رکعت سنّتِ مؤکدہ حفظِ ایمان، جن میں سے ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی ایک بار۔ سورۃ اخلاص چھ بار اور معوذتین ایک بار پڑھے۔

اور علاوہ اس کے دو رکعت، ایمان کی سلامتی کے لیے، جن میں سے ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد پانچ آیتیں سورۃ انعام کی پڑھی جائیں، ادا کرے اور ان دو رکعتوں میں بلاناغہ پابند رہے، کیونکہ اس کی بہت ہی فضیلت ہے اور ان کے ادا کرنے میں ثواب بے شمار ہے۔

اس کے بعد اور دو رکعت نماز ہر ایک رکعت میں چاروں قل شریف پڑھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، تمام اصحاب، ازواجِ مطہرات، اہلِ بیت، تابعین،

تبع تابعین، مجتہدین اور اپنے سلسلے کے تمام پیروں اور سب مشائخوں پر فاتحہ پڑھے اور اُن کے مبارک روحوں سے مدد مانگئے، کیونکہ جو شخص بزرگوں کے ارواح کو فاتحہ سے یاد کرتا ہے تو ان کو اطلاع ہو جاتی ہے اور وہ ضرور ہی مدد کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے: "دعا اور فاتحہ کے بڑے بھاری ثواب کو نور کی طشتریوں میں رکھ کر ارواح کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں فلاں اشخاص کی طرف سے یہ ہدیہ ہے۔ وہ ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے کوئی زندہ خوب وعمدہ تحفہ سے خوش ہوتا ہے۔"

اور اس وقت کی محافظت میں پوری پوری احتیاط کام میں لائے کہ خدا تعالیٰ کی یاد اور حق جل وعلیٰ کی عبادت کے سوائے کسی اور کام میں مصروف نہ ہو۔ اس لیے کہ وقت کو صبح ثانی کہتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ بزرگ ہے، کیونکہ صبح کی جو گھڑی گزرتی ہے، وہ جدائی لاتی ہے اور جو گھڑی شام کی جاتی ہے، وہ باہم ملنے کی تسلی بڑھ جاتی ہے اور بے غل غپاڑ خدا تعالیٰ کی یاد حاصل ہوتی ہے۔

اس کے بعد درود شریف پڑھنے میں مشغول ہو اور نیاز اور سچائی کے رُو سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھے اور آپ کی پاک درگاہ میں توجہ کرے اور آپ کے بے مثال جمال کا آرزو مند ہو، کیونکہ درود کا پڑھنا، ہزاروں برکتوں کا سرچشمہ اور سعادتوں کے دروازوں کی چابی ہے اور اس وقت میں درود شریف کا مقرر کرنا اس لیے ہے کہ شاید اس ذریعے سے خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار فیض آثار کا شرف حاصل ہو جائے اور اس عظیم الشان دولت کے حصول سے دین و دُنیا کی سعادت نصیب ہو۔ اگر خداوند تعالیٰ صاحب فضلِ عظیم کی عنایت ہو) اور درود شریف کی فضیلت پہلے مقصد میں لکھی جا چکی ہے۔

اور اگرچہ ہر ایک درود کی خوبیاں اور خاصیتیں مشائخوں کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ لکھی ہوئی موجود ہیں۔ لیکن تجربہ میں یہی آیا ہے کہ درود خمسہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں زیادہ قبولیت ہے اور پورا پورا اثر ہے، لیکن درود شریف کی فضیلت سوا اُس کے قبول ہونے کا یہی موجب ہے۔ نماز میں تشہد کے بعد پڑھتے ہیں۔

جب درودوں سے فراغت حاصل ہو، تو عشاء (خفتن) کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اور نماز ہو چکنے کے بعد اپنے گھر میں واپس آتے اور گھر میں داخل ہوتے وقت حسب ذیل دعا پڑھے: رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ

اور کسی کے ساتھ باتیں نہ کرے، مگر اپنے گھر کے لوگوں کو سلام علیک کہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارک ہے۔

نهى عن النوم قبل العشاء وعن التكلم بعد العشاء

(ترجمہ "عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد باتیں کرنا منع ہے۔")

اس کے بعد اپنے تکیہ گاہ میں آئے اور گزشتہ وقتوں کی طرف نگاہ کرے۔ اگر تمام دن خدا تعالیٰ کی یاد میں اور اس کی رضامندی میں گزرا ہے تو شکر ہے تاکہ مصداق آیہ کریمہ لئن شکرتم لازیدنکم (اگر تم شکر کروگے تو میں اپنی نعمتوں کو تم پر اور بھی زیادہ کروں گا) یادِ خدا میں اس کو استغراق ہو، اور خلافِ مدعا یا غفلت سے گزرا یا بندگی میں کچھ قصور ہو گیا ہو تو اس سے نادم اور پشیمان ہو اور کمال عجز وزاری کے ساتھ۔ ستر بار استغفار پڑھے کہ قصوروں کا معاف ہونا اور رحمت کا نازل ہونا زیادہ تر عجز و نیاز سے ہوتا ہے۔

اور اگر اسے یقین ہو کہ میں جاگ پڑوں گا تو وتروں کی نماز تہجد کے بعد پڑھے۔ جب اپنے مصلّے پر وتروں کی نماز میں دیر کرے اور پچھلی رات میں پڑھے، تو رات کے اعمال کے لکھنے والے اس کے نام پر نیکیاں لکھتے ہیں، جب تک کہ وہ وتروں سے فراغت حاصل نہ کرلے اور تمام رات بھر کچھ نہ کھائے۔ اور اگر اشتہا دامن گیر ہو تو بہت تھوڑا کھائے تاکہ گرانی اور کاہلی آنے پائے اس لیے کہ تھوڑا کھانے میں دل کی صفائی۔ رُوح کی لطافت۔ جسم کی صحت۔ اعضاء کا ہلکاپن۔ وضو کا نہ ٹوٹنا۔ نیند کا نہ آنا، یہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

اور اگر نیند کا غلبہ ہو جائے تو بستر پر آکر سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور آمن الرّسول اور تینوں قُل پڑھ کر دونوں ہتھیلیوں میں پھونک کر بدن پر ملے کہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ اگر وضو ہو تو بہتر ہے، نہیں تو وضو دوبارہ کرلے۔ جو شخص باوضو ہو کر سوتا ہے۔ اس کو قائم اور روزہ دار کا ثواب ملتا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے: "جو شخص پاک صاف ہو کر سوتا ہے۔ اس کی جان کو (قضا و قدر) کے اجازت دیتے ہیں کہ جا کر سیر کر اور عرش بریں کا طواف کر، اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ کر اور اس طرح پر سوئے کہ سر اُتر کی طرف یا دکن کی طرف اور دائیں ہتھیلی اپنے منہ کے نیچے اور منہ کو قبلہ رُو لائے اور اس وقت کو یاد کرے کہ اس طریق سے اس کو قبر میں سلائیں گے۔

چاہیے کہ استغفار پڑھ کر اور اپنے دل کو تمام علاقوں سے کاٹ کر خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ کرے اور اپنا آخری دم خیال کرے جیسے آدمی کی جان کہ اس کو بحالتِ خواب قبض کرتے ہیں، تو اس کو کیا خبر کہ دوبارہ اس کو زندہ کریں گے یا نہیں۔ "النوم اخ الموت۔" (نیند موت کی بہن ہے) اور تکلف (بناوٹ) سے نہ سوئے اور خدا تعالیٰ کے ذکر میں اپنے مشہود میں غرق رہے اور ذوق حاصل کرے، یہاں تک کہ نیند غالب ہو جائے۔

ایسی خواب (جس کا اوپر ذکر ہوا) نیک بختوں کی ہے، بلکہ (اصل بات پوچھو تو ایک عمدہ) ہے اور جس وقت جاگے، ہوشیار ہوتے ہی دل کو حاضر، زبان کو ذاکر بمصداق آیہ کریمہ:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (سورۃ السجدہ)

(ترجمہ) "دُور ہوتی ہیں کروٹیں اُن کی، بچھونوں سے پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ڈر سے اور طمع سے اور چیز سے کہ ہم نے ان کو رزق دیا ہے، خرچ کرتے ہیں۔"

طارق بن شہاب جو تابعین میں سے ایک معتبر شخص تھے۔ تحریر فرماتے ہیں: "میں ایک سفر میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا جو ایک مشہور و معروف

صحابی تو ارتخ اسلام میں تھے۔ میں تہجد کے لیے اٹھا مگر وہ نہ اٹھے۔ ہاں صبح ہونے سے پہلے انہوں نے نماز کی چند رکعتیں ادا کیں۔ مجھے اس بات سے تعجب ہوا کہ حالانکہ وہ مجھ سے افضل تھے اور پھر نہ اٹھے (اس کا کیا باعث ہے) جب انہوں نے میرے تعجب کو دیکھا تو کہا کہ میں رات بھر نماز میں تھا۔ جب میں جاگتا تھا تو کیا آپ نہیں دیکھتے تھے کہ میں خدا تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھا۔ یہاں تک میں پھر سو جاتا تھا۔ میں نے کہا کہ بے شک۔ اس نے کہا کہ وہی ذکر بجائے نماز ہے۔

اور تمام وقتوں کو خدا تعالیٰ کے یاد کرنے اور حق تعالیٰ کی عبادت میں قائم رہنے کو اپنے اوپر لازم رکھے کہ خداوند تعالیٰ نے آدمی کو اس کی عمر کا تمام وقت ایک سرمایہ دیا ہے۔ تاکہ اس سے نفع حاصل کرے۔ پھر اگر سرمایہ رائیگاں جائے، تو نفع کہاں سے ہاتھ لگے گا۔

پس جو شخص باقاعدہ زندگی بسر کرنا چاہیے یا اس کو لازم ہے کہ مذکورہ بالا طریق پر اپنے وقتوں کو تقسیم کرے تاکہ دونوں جہان کا سعادتمند اور دین و دنیا میں مقبول ہو۔ اور ہر ایک عبادت سے تازہ حضور اور بے اندازہ ترقی حاصل کرے اور ہر ایک عمل سے ایک تازہ مزہ پائے جس طرح پر کہ صاحبانِ نعمت کے دسترخوانوں پر قسم قسم کے کھانے چنتے ہیں اور ہر ایک کھانے سے ایک علیحدہ مزہ اور نرالی لذت پاتے ہیں۔ اسی طرح پر ازلی سعادتمند اور خدا تعالیٰ کی درگاہ کے مقبول۔ قسم قسم کی عبادتوں میں اپنے وقتوں کو آباد رکھتے ہیں۔ اور طرح طرح کی عبادتوں سے نیک بختیوں کے خزانے کے ذخیرے ظاہر کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: ہر ایک روز سورج چڑھتے آواز دیتے ہیں: اے آدم! کے بیٹے مجھ سے اپنا حصہ لے، یعنی بہت سی بندگی اور بکثرت نیکی کر۔ جب میں تجھ سے جدا ہو جاؤں گا، تو پھر کبھی بھی تیرے پاس لوٹ کر (واپس) نہ آؤں گا۔ پس جس شخص کو تقدیر الٰہی کے کارخانہ سے کامل عقل اور عالی فطرت نصیب ہوتی ہے۔ وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھتا ہے اور اتنا جانتا ہے کہ سانسوں (انفاس) کے جواہروں کا خزانہ، بے فائدہ خرچ کرنا

ہوشمندوں کا کام نہیں ہے اور عمر بھر کی پونجی کو رائیگاں کر دینا عقلمندوں کا انجام نہیں ہے۔ اس لیے کہ عقل کامل، ایک ایسی متاع ہے کہ انسان کو بزرگی کے رتبہ پر پہنچاتی ہے اور اس (انسان) میں جو حیوانات والی صفتیں ہیں، ان کو فرشتوں والی خوبی سے مبدل کر دیتی ہے اور کامل عقل سے، عقل معاد (دینی کاموں کی عقل) مراد ہے نہ دنیاوی عقل، اور دین کے بزرگوں، اور یقین کے راستے پر چلنے والوں کے نزدیک عقل کا مآل یہ ہے کہ آدمی اپنے کاموں کی صورت، اپنے اطوار و احوال۔ اقوال اور افعال کو عقل کی عینک لگا کر دیکھے اور ناپسندیدہ خصلت اپنی ذات میں موجود ہے۔ اس سے پرہیز کر کے صفاتِ حمیدہ سے موصوف ہو تا کہ کامل انسان بن جائے۔

اور انسان دو چیزوں سے ملا ہوا ہے: (۱) صورت (۲) صفت۔ اور حکم صفت کو ہے، اس لیے کہ صورت فنا ہو جاتی ہے اور صفت قائم و باقی رہتی ہے۔ اسی باعث سے ہے کہ کل قیامت کے دن ہر ایک حشر اپنی صفتوں پر ہو گا اور صورت معنوں کے رنگ میں رنگی جائے گی۔ اور جو صفت اندر ہے باہر نکل جائے گی۔ اگرچہ الحال محسوسات کے شغل سے کچھ معلوم نہیں ہوتا، لیکن جس وقت جان تن سے نکل جائے گی۔ اصل حقیقت روشن ہو جائے گی۔

پس آدمی کو لازم ہے کہ اچھی صفتوں کا اپنی ذات پر غلبہ دے اور رات دن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے، لیکن جب تک تو پسندیدہ صفتوں اور برے عملوں میں تمیز نہ کر لے۔ اپنی ذات کو اچھی صورت۔ نیک اخلاق سے سنوار نہیں سکتا۔ پس اچھی صفتوں کو کان لگا کر سن جو حسبِ ذیل ہیں:

علم۔ حیاء۔ رضا۔ عفو۔ رافت۔ نصیحت۔ تواضع۔ مروّت۔ مدارات۔ محبّت۔ شجاعت۔ سخاوت۔ عدل۔ تقویٰ۔ زہد۔ ورع۔ توکل۔ اخلاص اور تصدیق وغیرہ۔

اور بری صفتیں یہ ہیں: دُنیا اور اس کے بلند رتبوں کی محبت۔ کینہ۔ خودی۔ بخل۔ غصہ۔ خود بینی۔ جھوٹ۔ چغلی کھانا۔ تہمت۔ حرص۔ ظلم۔ دکھلاوا۔ لمبی امیدیں رکھنا۔

خلقت کے عیبوں میں نظر ڈالنا۔ رحمت کی کمی۔ نصیحت سے منہ پھیرنا۔ دشمنی رکھنا۔ لالچ۔ اپنے برابر کسی کو نہ سمجھنا۔ بہت کھانا۔ شہوۃ وغیرہ۔

العلم والحیاء والرضاء والعفو والرافۃ والنصیحۃ والتواضع والمروت والمدادات والمحبت والشجاعت والسخاوت والعدل والتقویٰ اوالزھد والورع والتوکل والاخلاص والصدق وغیر ذٰلک۔

حب الدنیا والجاہ والحقد والکبر والبخل والغضب والعجب والکذب والغیبۃ والتھمۃ والحرص والظلم والریاء وطول الامل والنظر فی عیب الخلق وقلۃ الرحمۃ وترک النصیحۃ والعداوۃ والطمع والرعونۃ وکثرۃ الاکل والشھوۃ۔

اس لیے کاملانِ اہل معنی نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ اچھے خلقوں کے ساتھ اگر تھوڑی عبادت بھی ہو، تو اسے قبول کر لیتے ہیں۔ اگر اچھے اخلاق نہ ہوں اور عبادت بہت ہو تو کسی سے قبول نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب نیکوکار بندہ کو قبر میں رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے نیک عملوں میں سے ایک نہایت خوبصورت شکل پیدا کرتا ہے تاکہ اس آدمی کی مونس وغمگسار ہو۔ اور وہ (آدمی) اس شکل کے حسن و جمال کے دیکھنے سے خوش ہوتا ہے۔ اس شکل کے گلے میں موتیوں کا ہار ہوتا ہے۔ آدمی اس شکل میں ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ ہار ٹوٹ جاتا ہے اور موتی زمین پر بکھر جاتے ہیں۔ تب وہ بندہ شرمندہ ہو جاتا ہے، مگر وہ شکل جمیلہ کہتی ہے کہ کچھ غم نہ کر اور آ کر موتیوں کو زمین سے چُن لے۔ ابھی وہ پورے چن نہ چکے ہوں گے کہ حضرت اسرافیل (علیہ السلام) صور (بگل) پھونک دیں گے اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

قولہ تعالیٰ لم یلبثوا الساعۃ من النھار۔ (ابھی دن کی ایک گھڑی بھی نہیں گزری)

اور جو شخص بدکردار ہو، اس کے بُرے کاموں سے ایک بُری شکل بنتا ہے۔ جس کا منہ کالا ہوتا ہے اور دانت لمبے اور اس کے منہ سے سخت بدبو آتی ہے اور وہ بدکردار بندہ کہتا ہے کہ بُری شکل مجھ سے کب دُور ہوگی۔ وہ کہتی ہے کہ میں تجھ سے کبھی علیحدہ نہ ہوں گی۔ میں تیری بدکرداریوں کا مجموعہ ہوں جو تو دنیا میں کرتا تھا۔ اس آدمی کے لیے ایک ایک گھڑی ایک ایک برس ہو کر گزرے گی۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس نیکوکار بندہ کو وہ شکل جمیلہ ایسی پسند آتی ہے کہ وہ مرا ہوا قبر سے نہیں اٹھتا اور اس کی حوریں اور غلمان جو بہشت میں کہیں گے: "اے اللہ ہمارا مالک کہاں ہیں؟" فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جاؤ اس بندے کو ساتھ لاؤ۔ فرشتے اس بندے کے گرد اگرد کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے اے خدا تعالیٰ کے دوست اٹھ اور بہشت چل۔ وہ کہے گا کہ یہی جگہ بہشت ہے۔ حکم ہوگا کہ اس کے گلے میں نور کا طوق ڈالیں اور بہشت میں لائیں، کیونکہ ابھی بے چارے نے بہشت کو نہیں دیکھا۔ جب وہ بہشت کو دیکھے گا تو اپنی اس قبر اور شکل کو بھول جائے گا۔"

پس بُری خصلتوں سے الگ رہنا اور نیک صفتوں کا خوگر ہونا، سعادتمندوں کی عادت ہے۔ عقلمند آدمی کو لازم ہے کہ نیک کاموں کو ہمیشہ نجات کی پونجی جانے اور جلد گزر جانے والی عمر پر بھروسہ نہ کرے۔ فرصتِ وقت کو غنیمت گنے اور آخرت کے توشہ سے غافل نہ ہو اور ہمیشہ اپنے اصلی وطن کو جانے کے لیے تیار رہے اور اپنے تئیں راستہ پر سرائے کا مسافر جانے۔ موت کو بہت یاد کرے اور اپنے نفس کو مردہ جانے اور دنیا کے فائدوں کے ساتھ کم ہی محبت۔ میلان اور رغبت کرے اور جو کچھ خدا کے سوائے ہے۔ اس کو ہیچ اور نابود جانے۔ کسی کے ساتھ دکھ۔ کینہ۔ بخل۔ تکبر نہ کرے اور نفسانی حرص و ہوا کی متابعت کو ترک کرے اور دنیا سے ہمیشہ نفرت اور کراہت کرے اور اپنی تمام ہمت

کو ایسا یک سو کرے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور طرف نہ پھرے اور اپنے ظاہر کو بندگی اور شریعت کی پابندی سے آراستہ رکھے اور دل کو غیر حق سے پاک و صاف رکھے اور ایک دم بھی خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے، اور اپنے پروردگار کو بھول نہ جائے، اور اپنے جسمی عبادت کو حضورِ دلی کے ساتھ جمع کرے اور اپنے خداوند تعالیٰ کے وعدہ پر ٹھیک یقین رکھے۔ توکل اور قناعت کو اپنے وجود پر اختیار کرے اور جس قدر رزق اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اس پر راضی اور شکر گزار رہے اوروں کی کمائی پر آنکھ نہ رکھے اور زیادہ طلبی میں اپنے عزیز وقت کو ضائع نہ کرے اور خدا کی خدمت کو خلقت کی خدمت پر مقدم رکھے۔ بدعتیوں اور جاہلوں سے صحبت نہ رکھے اور بدکاروں اور بے حیاؤں کی دوستی میں گرفتار نہ ہو جائے اور دلی ارادہ پر عمل کرے اور رخصت سے دُور رہے۔

شبہ اور حرام سے پرہیز کرے۔ حلال کی روٹی میں کوشش کرے۔ مال کے جمع کرنے پر لالچی نہ بنے۔ اور اگر دنیا کی ثروت حاصل ہو جائے تو اس کا دھوکا نہ کھائے۔ اگر نہ ملے تو اس کی تلاش میں اپنی جان کو (دربدر) خوار نہ کرے، اور جو کچھ خدا تعالیٰ کی یاد کے ساتھ کما سکتا ہے یا حاصل کر سکتا ہے، اُسی پر راضی اور صابر ہو جا۔

گلہ اور شکایت کو لب تک نہ لائے اور باقی کو فانی سے تبدیل نہ کرے۔ دکھلاوے سے دُور رہے اور خدا تعالیٰ کی عبادت کو غرض آلودہ نہ کرے۔ جو کچھ کرے، خلوصِ دل کے ساتھ کرے، اس میں کسی قسم کا لالچ نہ ہو۔

فقیروں اور درویشوں کو حقارت کی آنکھ سے نہ دیکھے اور شکستہ دل اور نراسوں کے دل ہاتھ میں لائے۔ کسی کے دل کو آزردہ نہ کرے۔ کسی کے دکھانے سے نہ دکھے، اور جس شخص کو ستانا چاہے اور بھلائی و پرہیزگاری کو اپنا دوست بنائے اور خداوند تعالیٰ کی عبادت اور دین کے کاموں میں سستی نہ کرے اور اپنے عملوں کو اپنی نظر میں جگہ نہ دے۔ اور ان کی قدر و قیمت جانے اور خوفِ خدا اور آخرت کا غم اپنے دل سے دُور نہ کرے۔

سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی سے دل نہ لگائے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کی رضامندی میں کوشاں رہے اور لوگوں کے عیبوں سے پردہ پوشی کو عمل میں لائے اور جس کے ساتھ نیکی کرے، اس کو کبھی زبان پر نہ لائے۔ جو شخص اس سے بُرائی کرے، اس سے بدلہ نہ لے، بلکہ بدی کا بدلہ نیکی سے کرے اور دوست دشمن کو یکساں دیکھے۔ اپنے نفع کے لیے کسی دوسرے کا نقصان پسند نہ کرے۔ اور ایسی صحبت جس میں لغو اور بیہودہ باتیں ہوتی ہیں، ہرگز نہ بیٹھے اور کسی کو جواب دینے میں تیز مزاج اور ترش رُو نہ ہو۔ بات وہی کرے جو ٹھیک اور درست ہو۔ کم کھانے اور کم سونے کا عادی بنے۔ اپنے نفس کا فرماں بردار اور تابع نہ ہو جائے، بلکہ اس کے عیبوں اور بُرائیوں کو ہمیشہ دیکھتا رہے۔ بزرگانِ سلف کی باتیں دل کے کانوں سے سنے، ان پر عمل کرے اور بزرگوں کی خصلتوں کو اپنا پیشوا بنائے۔ اس لیے کہ یہ سب اچھے اخلاق خدا تعالیٰ کے طالب کے لیے ایک عظیم الشان سرمایہ اور دین کی دولت کے نگہ رکھنے کے لیے ایک محکم قلعہ ہیں۔

لیکن اس بات کو بھی جان لے کہ بُری عادتیں جو مزاج کی زمین میں جڑ پکڑ گئی ہوں، وہ ریاضت اور مجاہدہ کے بغیر دُور نہیں ہوتیں اور اخلاق کی آراستگی اور صفات کی پسندیدگی خداوند تعالیٰ کی طاعت اور عبادت کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔ یہی تو باعث ہے کہ بڑے بڑے دینداروں اور یقین کے راستے پر چلنے والوں نے مدت مدید اور عرصۂ بعید۔ اپنے نفس کو ریاضت کی کٹھالی میں گلایا ہے اور اس کے ذریعہ سے دل کو بُری صفتوں اور بدعادتوں سے پاک کیا ہے۔ مثنوی

آنانکہ گوئے عشق زمیداں ربودہ اند — بنگر کہ وقت کار چہ جولاں نمودہ اند

در وسع آدمی نبود آنچہ کردہ اند — ایشاں مگر ز طینتِ انساں نبودہ اند

(ترجمہ) جو لوگ عشق کے میدان سے گیند لے گئے ہیں، تو دیکھ کہ کام کے وقت میں انہوں نے کیا کیا جولانیاں دکھلائی ہیں، چونکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے، وہ آدمی کی بساط سے بڑھ کر ہے، تو ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ گویا انسانی طبیعت کے آدمی ہی نہ تھے۔

اے عزیز! جس گروہ نے ریاضت کی تلواروں اور مخالفت کی چھریوں سے نفس امارہ کو مارا ہے اور پورے مجاہدہ اور محنت سے اپنی جان کو پاک کیا۔ عزت اور اقبال کا تاج انہیں کے سر پر رکھا گیا اور (روحانی) سلطنت کی قبا انہیں کے زیب تن ہوئی اور دولت کی پیٹی انہیں کمر پر باندھی گئی۔ پس اگر تجھ میں بھی کچھ ہمت ہے تو اس چند روزہ آرام کو اپنے اوپر حرام کر۔ اور دنیا کی خوشی اور آسودگی کو رخصت کر اور بہادرانہ طریق پر اس راستہ میں آ اور اپنے دل میں سوچ کہ آدمی کو عالمِ دنیا میں کس لیے لائے ہیں۔ اگر کھانے۔ سونے۔ شہوت چلانے اور اکرام سے بیٹھنے کے لیے پیدا کیا ہے، تو چاہیئے تھا کہ چوپائے اور حیوانات بھی بزرگ ہوتے، حالانکہ ان سب کو خداوند تعالیٰ نے آدمی کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے اور آدمی کو خاص اپنی ذات کے لیے بنایا۔ جس بوجھِ امانت کو زمین و آسمان اٹھا نہ سکے، اس کے سر پر ڈال دیا۔ جس طرح کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔

(ترجمہ) "ہم نے اس امانت کو آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا، تو انہوں نے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور (دیکھو) انسان نے اٹھانے سے اٹھا لیا۔ یہ (آدمی) بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔"

حدیث شریف میں وارد ہے کہ "دو فرشتے آواز دیتے ہیں۔ ایک کہتا ہے افسوس! یہ خلقت پیدا نہ ہوتی ہوتی۔ دوسرا کہتا ہے پیدا ہوئی تھی تو جانتی کہ مجھ کو (قضاو قدر نے) کس لیے پیدا کیا ہے؟"

پس تو ہوشیار ہو اور اپنی چند روزہ زندگی کو غنیمت جان! اس میں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کر، تو کس چیز پر دھوکا کھا گیا ہے؟ اور کس امید پر بھروسہ کر بیٹھا ہے۔

جب عمر کے لیے کوئی خاص مہلت اور مدت مقرر نہیں ہے۔ تجھے کیا ہے کہ کس وقت تو اس دنیا سے کوچ کر جائے گا۔ آج کے دن ہمیشہ کی سعادت جستجو سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اور جب وہ وقت آجائے جس کی خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں خبر دی ہے، یعنی

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

(ترجمہ) "جب ان کی اجل آجاتی ہے تو نہ ہی ایک دم (مقررہ وقت سے) آگے ہوتی ہے نہ ہی پیچھے"

اور ابھی تیرے سب کام ادھورے ہی ہوتے ہیں کہ تجھ کو عالمِ دنیا سے اٹھالے جاتے ہیں۔ اس وقت تو کیا عذر کرے گا؟ اپنی نجات کے لیے کونسی سند پیش کرے گا؟ ماں، باپ، بی بی، بچے، بھائی، دوست، مال، مرتبہ، شان و شوکت سب کے سب سعادت کے راستے سے کانٹے کرکٹ ہو گئے اور انہوں نے اصلی مقصود سے تجھے دور ہٹا دیا۔ آخر کار سب کو اسی جگہ چھوڑ تنہا خاک کے تلے جانا ہے۔

نقل ہے کہ شاہنشاہِ سکندرِ اعظم نے اپنے آخری وقت میں وصیت کی کہ میرے دونوں ہاتھوں کو کفن سے باہر رکھنا۔ انہوں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا اس لیے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دُنیا کے جہان سے خالی ہاتھ جاتا ہوں اور کسی چیز کو اپنے ہمراہ نہیں لے جاتا۔

پس عبرت کی آنکھ سے دیکھ کہ ہمارے وہ ساتھی جو دنیا کے مال و دولت سے مسرور تھے اور جنہوں نے دنیا وی کاموں کے سرانجام دینے میں ایسی ایسی تدبیریں کی ہیں کہ عقل دنگ اور فکر حیران رہ جاتی ہے۔ وہ کہاں گئے؛ ان کے وجود سے کوئی نشان باقی نہیں۔ ان کے احوال سے کوئی واقف نہیں، تو کل کو ہمارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔

حدیث شریف میں وارد ہے "جب میت کو قبر میں رکھتے ہیں اور عذاب دیتے ہیں تو اس کے پڑوسیوں کی روحیں آواز دیتی ہیں اے عزیز! تو ہم سے تھوڑی دیر کر کے آیا،

اور ہم تجھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے۔ ہمارا حال دیکھ کر تو نے کیوں عبرت نہ لی اور جو ہم سے تغافل اور سستی وغیرہ ہوئی تھی اس کا تو نے تدارک کیوں نہ کیا؛ اور اپنی تمام قابلیت کو بیکار چھوڑ دیا اور اپنی عمر کے متاع کو غفلت میں برباد کر دیا۔

افسوس صد افسوس! ہم بدبختوں، بے عقلوں سے اس بُری خصلت یعنی بُری خصلتوں کے سوا اور کوئی نیک کام سرانجام ہی نہیں پاتا۔ اور پرلے درجہ کی غفلت کے باعث ہم کبھی ہوشیار اور واقف ہی نہیں ہوتے اور اس دنیا کے فنا پذیر اور نفسانی لذتوں میں ہی خوش دل اور مسرور ہو رہے ہیں۔ ہم نے دین کے خروار میں حرص و شہوت کی آگ لگا رکھی ہے۔

اے حسرت و شرمندگی! ہماری تمام عمر، نفسانی لالچوں کی متابعت میں گزری اور ربانی حکموں کے برخلاف تباہ و برباد ہو گئی ہے اور کوئی ایسا کام ہم سے نہ ہو سکا جو ہماری آخری نجات کا ذریعہ ہوتا۔ اب جو بڑھاپے کی کمزوری نے ہم پر ڈیرہ ڈال دیا اور وہ جوانی کی طاقت اور امنگ جاتی رہی، تو سوائے حسرت اور پشیمانی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ پس سب سے بڑھ کر عقلمند وہی آدمی ہے جو اپنے تمام وقتوں کو خدا تعالیٰ کی یاد میں محفوظ رکھ کر سعادتوں کے خزانے جمع کرے اور اس چند روزہ زندگی کو نفسانی حرص و ہوا کے برخلاف خدا تعالیٰ کے راستے میں قربان کرے، کیونکہ نفسانی حرص و ہوا کی متابعت ہی ایک ایسا بڑا کام ہے جو سعادتِ جاودانی کی روک ہے اور جو انسانوں کو خدا تعالیٰ کے راستہ سے دُور لے جاتا ہے اور لاکھوں خواہشوں کو برخلاف حکم ربانی ہمارے دلوں سے پیدا کرتا ہے اور اپنی فوج کو جس کے بڑے بڑے افسر اور سپہ سالار حرص و ہوا، شہوت۔ تکبر۔ بخل۔ حسد۔ غضب۔ ایک کی بات لے کر دوسرے کو لگانا، خود بینی وغیرہ ہیں، ہم پر مقرر کرتا ہے۔ پس نفس آدمی کا دوست نما دشمن ہے اور ظاہر میں وہ آشنا ہے، لیکن دراصل بیگانہ۔ جو آدمی اس کا مطیع اور فرمانبردار ہو۔ ہزاروں خرابیوں اور بلاؤں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور صغیرے و کبیرے (چھوٹے و بڑے)

گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے اور آخرت کی سعادت حاصل کرنے سے بالکل محروم رہ جاتا ہے۔
اگرچہ آج کے دن انسان کو نفس کی برائیاں اور مکاریاں معلوم نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ وہ حکم دے، اس کے مطابق کرتا ہے، لیکن کل دارالجزاء یعنی بدلہ کے دن کام کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اور جو کچھ آج کر رہا ہے، سب کا سب اپنی آنکھ سے دیکھ لے گا پس جب تک نفسِ امارہ کی خودرائی اور میں پن زندہ اور اس کا حکم قائم ہے۔ اسلام کے کارخانے میں خرابی در خرابی ہو رہی ہے۔

جب نفسِ امارہ کی حالت نفسِ مطمئنہ کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور ریاضت و مجاہدہ سے قابو میں آتا ہے تو فرماں بردار اور مطیع ہو جاتا ہے۔ اس وقت انسان کے لیے امن ہی امن ہے اور مقامِ اعلیٰ علیین ہے۔

قولہ تعالیٰ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

(ترجمہ) "لیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے سے ڈرا ہو اور اپنے نفس کو شہوت سے روک رکھا ہو، پس تحقیق بہشت وہی ہے رہنے کی جگہ۔"

یہی تو سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو کافروں کے ساتھ جہاد کرنے پر بزرگی اور برتری دی ہے اور اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمایا: رجعنا من جهاد الاصغر الی الجهاد الاكبر۔

(ترجمہ) "اب ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔"

تاکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے سوا کوئی کام نہ کرے اور بندگی کے راستہ سے انحراف اختیار نہ کرے اور انکار اور سرکشی کو چھوڑ کر چھوٹے دشمن (نفس امارہ) کے مذہب سے بیزار ہو کر خدا تعالیٰ کی غلامی اور فرماں برداری میں آئے اور رات دن رضائے الٰہی میں کوشش کرے۔

پس اس مطلب کو بخوبی سمجھنا چاہیے کہ نفسِ امارہ اس وقت قابو میں آتا ہے جب تو

خداوند تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے کہ تو اس کو ریاضت سے پامال کرے۔ اس لیے مفصلہ الذیل چار صفتوں سے بڑھ کر تزکیۂ نفس کے لیے، اور کوئی زیادہ کامل ریاضت نہیں ہے۔

خواجہ عبداللہ سہل تستری قدس سرہٗ نے فرمایا: تمام قسم کی خوبیاں اور نیکیاں چار خصلتوں میں رکھی گئی ہیں اور انہیں چار خصلتوں سے خدا تعالیٰ کے لوگ۔ ابدال کے درجہ تک پہنچے ہیں۔ اس لیے کہ کمال مجاہدہ اور نہایت ریاضت جن کے نفس امارہ ٹوٹ پھوٹ کر ہموار اور صاف ہوتا ہے۔ ان چاروں عادتوں پر ہی موقوف ہے:

اوّل: کم سونا۔
دوم: کم کھانا۔
سوم: کم بولنا۔
چہارم: لوگوں کے پاس کم بیٹھنا

چنانچہ ان میں سے ہر ایک خوبیاں تفصیل وار بیان کی جاتی ہیں:

جاننا چاہیے کہ خلوت (تنہائی) کا فائدہ۔ اور عوام کے ساتھ صحبت کرنے کا نقصان یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ ملاپ رکھنے میں لاکھوں فتنے اور بلائیں اپنا منہ دکھاتی ہیں اور غفلت جو تمام بدبختیوں کا سردار ہے، غالب آتی ہے۔ اور بُری صفتیں مثلاً حسد۔ کبر۔ غضب۔ ریا۔ جھوٹ۔ غیبت۔ چغل خوری۔ ڈھینگ مارنا۔ خود بینی۔ خودستائی، بناؤ سنگار۔ دنیا کی محبت۔ رتبہ کا لالچ۔ حرص و طمع اور نفاق پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ ردی خصلتیں۔ دین کی خرابی اور خداوند تعالیٰ سے دُور ہونے کا باعث ہیں، اس لیے غافلوں کی صحبت میں ایک ایسا اندھیرا چھایا ہوا ہوتا ہے، جس کے دل کو سالکانِ صافِ دل کے سوا اور کوئی شخص کم ہی جانتا ہے۔ پس جو شخص غافلوں کی صحبت میں بیٹھے، تو ان کی غفلت کا دھواں دل کی آنکھوں کو اندھا کر دیتا ہے اور جو کچھ ان کی طبیعت میں ہے، ان کے اہل صحبت میں سما جاتا ہے۔ یہی تو باعث ہے کہ اہل معنی بزرگوں نے خلقت کے میل جول سے الگ

ہوکر گوشہ نشینی کو اختیار کیا ہے اور اپنے دل کے شیشے کو اندھیرے اور کھوٹ سے پاک صاف رکھا ہے تاکہ خداوند تعالیٰ کا ذکر و فکر اور عبادت حاصل ہو اور ان کے دل کا باغ معانی کے ثمرات سے زینت ناک ہو، کیونکہ دنیا کے لوگ حق سبحانہ و تعالیٰ کے راستے سے بہکانے اور ہٹانے والے ہیں۔ خاص کر بندی کو تو خلقت کے ساتھ بلا ضرورت صحبت نہ رکھنا چاہیے۔

پس اے عزیز! تو ہوشیار رہ اور اپنی ذات کو لوگوں کی صحبت سے دور رکھ، کیونکہ ان کے دلوں میں دنیا کی محبت۔ بداخلاقیاں۔ اور غفلت اس طرح پر غالب اور قائم ہو گئی ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ بیٹھیں۔ ان میں پورا پورا اثر کرتی ہے۔

خواجہ ابوالحسن نوری قدس سرہٗ نے فرمایا: "جس طرح کہ ایک نیک بخت کی صحبت بدبخت پر اثر کرتی ہے۔ اسی طرح بدبخت کی صحبت، نیک بخت پر بھی اپنا عمل دخل کرتی ہے اور دل کو سیاہ کرتی ہے۔"

حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا: "آپ خدا تعالیٰ تک کب پہنچے؟" فرمایا: "اس وقت جب کہ میں نے چار تکبیریں کہیں۔" انہوں نے پوچھا: "چار تکبیریں کیسی ہوتی ہیں؟" فرمایا: "اول میں نے معلوم کیا کہ تمام خلقت مر گئی ہے۔ سو میں نے ان کے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں۔ نہ میرا ان کے ساتھ کوئی کام۔ نہ اُن کا میرے ساتھ کوئی سروکار۔ پس مجھے یقین ہو گیا کہ عذاب۔ بخشش۔ رحمت کرنے والا اور روزی دینے والا فقط خداوند تعالیٰ ہے۔ اگر ظاہر طور پر نفع و نقصان ان سے تھا بھی، تو وہ سب اسی (خدا تعالیٰ) کی تقدیر کے موافق و مطابق تھا۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے حضرت داؤد طائی قدس سرہٗ سے کہا: "مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔" فرمایا: دنیا سے روزہ رکھ اور اپنی مرگ کے وقت اس کو افطار کر۔ لوگوں سے اس طرح بھاگ جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں۔"

اور حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں: "توریت میں مذکور ہے جب انسان

قناعت کرتا ہے، تو وہ بے نیاز ہو جاتا ہے اور جب خلقت سے گوشہ نشینی اختیار کرے تو سلامت رہتا ہے۔"

ایک امیر نے حضرت حاتم اصم کو کہا کہ "آپ کو کچھ حاجت ہے تو فرما دیجئے کہ میں اس کو پورا کر دوں۔" فرمایا: "ہاں ہے۔" اس نے کہا: "وہ کیا ہے؟" فرمایا: "نہ تو مجھے پھر دیکھ اور نہ میں تجھے پھر دیکھوں۔"

حضرت فضیل قدس سرہٗ نے کہا: "جب رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے تو میرے دل میں ایک طرح کی خوشی آتی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ دن نکلنے تک گوشہ میں بیٹھوں گا اور لوگوں کے پریشان کیے بغیر خداوند تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوں گا اور جب دن کی روشنی نمودار ہوتی ہے تو میرے دل میں ایک قسم کا رنج پیدا ہوتا ہے۔ کہتا ہوں کہ اب لوگ مجھ کو یادِ حق سے روک دیں گے اور اپنی طرف مشغول کریں گے۔"

حضرت لقمان حکیم کو لوگوں نے پوچھا: "تُو تو ایک گڈریا تھا، اس درجہ تک (جس پر تُو اب ہے) کونسی طاعت سے پہنچا؟" آپ نے کہا: "سچ بولنے، چپ رہنے، بُری صحبت سے بچنے سے۔"

پیر بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا: "خداوند تعالیٰ کے پہچاننے کی یہ علامت ہے کہ خلقت سے متنفر اور ہمیشہ چُپ چاپ رہے۔"

حضرت یحییٰ معاذ قدس سرہٗ نے کہا: "اکیلا رہنا، صدیقوں کی عین آرزو ہے، اور خدا تعالیٰ کے ساتھ خوگر ہونا، مطلب ان کا ہے۔" پس دیکھ اور اچھی طرح نگاہ کر کہ خداوند تعالیٰ کی درگاہ کے مقرب لوگ خلقت سے کس طرح بھاگتے تھے اور لوگوں کی صحبت سے بیزار ہو کر اور تمام آفتوں سے چھوٹ کر گمنامی کے گوشہ میں، ربانی رضامندی انہوں نے حاصل کی اور خاص بندوں میں داخل ہوتے اور اکیلاپن کو مجلس آرائی سے بہتر جانا۔
اس زمانے میں بعض کچے فقیر، جن کو شربتِ فنا اور بقا سے مَس تک نہیں۔ لوگوں کو

اپنی طرف مائل کرنے کے لیے کیا کیا مکاریاں عمل میں لاتے ہیں۔ اپنی دنیاوی عزت اور اقبال اور خلقت کو اپنی طرف رجوع کرنے کے لیے کیا کیا تدبیریں جاری کرتے ہیں اور جو وقت کہ نیک عملوں کے کرنے کا تھا، اس کو رائیگاں اور برباد کردیتے ہیں۔

افسوس صد افسوس! وہ نہیں جانتے کہ شیخی کی یہ کرّ و فر اور مشائخی کا یہ طمطراق اور تزک وشان۔ جس میں صدق وصفا کی بُو تک نہیں۔ کل کو کسی کام نہ آئے گا اور صدق وصفا کے حاصل کیے بغیر فنا اور بقا کا درجہ اور مشائخ اور اولیا۔ اللہ کے طریقوں پر چلنے کے سوائے سعادت کا دروازہ اس پر ہرگز نہ کھولیں گے۔

وہ جماعت جو خلقت سے عزت واقبال چاہتی ہے اور لوگوں کی مدح سرائی سے خوش ہوجاتی ہے۔ وہ خلقت کے پردے میں اپنے حسب مراد نفس، خدائے تعالےٰ کے فیض ورحمت کی نظر سے دور جا پڑے اور خدا تعالیٰ کے تقرب کی بزرگی سے شرف یاب نہیں ہوئے۔

لیکن کاملینِ اہل معنی کے نزدیک گوشہ نشینی کے یہ معنی ہیں کہ سالک ایسے درجہ کو پہنچ جائے کہ اپنی ذات میں گوشہ گیر ہو۔ یعنی ما سوائے اللہ چھوٹ کر اور حق تعالیٰ میں فانی ہوکر خدا تعالیٰ کے جمال بے مثال میں ایسا محو و مستغرق ہو کہ اس کے نزدیک صحبت اور خلوت یکساں ایک سی ہوجائیں اور ایک عمیق سمندر کی طرح کسی قسم کی میل سے گدلا نہ ہو۔ اگر اس کا ظاہر لوگوں کے ساتھ ملاقات ہو، مگر اس کا دل حضرت ذوالجلال کے ملاپ سے اس کے جمال کے چمکاروں سے مالا مال ہو، یہاں تک کہ عارفوں کی منزل گاہ وہاں ہے جہاں پر کسی غیر آدمی کا گزر تک نہیں، بلکہ ان کی ذات کو بھی اپنی خبر نہیں ہے ؎

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست
جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

(ترجمہ): کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جہاں درندے اور پھندا نہ ہو۔ خداوند تعالیٰ

کی خلوت کے سوائے کہیں بھی آرام نہیں ہے۔"

اگر اس مقام سے ذرا نیچے اتر آئیں اور دل کو خلقت کی طرف لائیں تو بھی فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (یعنی جدھر منہ کرو ادھر ہی خدا تعالیٰ ہے) کے مقام میں ہوتے ہیں اور ہر ایک چیز میں اس پاک ذات خداوند تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور غیر کا انہیں خیال بھی نہیں ہوتا اور کسی مخلوق میں سوائے اس ذاتِ حق کے نہیں دیکھتے۔

دوم : کم کھانا۔ سو اس کا یہ فائدہ ہے کہ جو شخص اپنے معدہ کو خالی رکھے۔ اور تھوڑا کھانے کا عادی ہو جائے۔ اس کا دل الٰہی فیض واردات کے قابل ہو جاتا ہے اور شہوت اور حرص نفسانی اس پر غالب نہیں آتی اور ہمیشہ باوضو رہتا ہے اور سستی۔ نیند۔ کاہلی وغیرہ اس پر غلبہ نہیں پا سکتیں اور خدا تعالیٰ کی خلقت پر شفیق اور رحم دل ہوتا ہے۔ اور جس قدر عبادت کرے لذت پاتا اور شیطان اس سے بھاگتا ہے۔

نقل ہے کہ شیطان کہتا ہے کہ جو شخص پُرشکم نماز میں ہو۔ اس کے ساتھ میں بغل گیر ہوتا ہوں اور جو شخص بھوکا نیند میں ہو میں اس سے بھاگتا ہوں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے فرمایا: "جو شخص بہت کھانا کھاتا ہے۔ اس کے معدے سے دھواں اٹھتا ہے اور فیض کے چشمہ کو بند کر دیتا ہے اور پاک روحیں جو فیض کا ذریعہ ہیں۔ قلب کے مقابل نہیں ہوتیں۔ یہ بات مقرر ہے کہ جب تک معدہ خالی نہ ہو، دل پاک نہیں ہوتا۔" پس جو دل کہ پاک و صاف نہ ہو، وہ رحمتِ الٰہی کا کہاں مورد و محل ہو سکتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی کو لوگوں نے پوچھا: "کیا سبب ہے کہ آپ بھوکا رہنے کی اتنی تعریف کرتے ہیں؟" فرمایا: "ہاں! اگر فرعون بھوکا ہوتا تو یہ (کلمہ) انا ربکم الاعلیٰ (میں ہی اعلیٰ رب ہوں) نہ کہتا۔ اور اگر قارون بھوکا ہوتا تو ہرگز سرکش نہ ہوتا۔ پس یہ نفس پلید، پلید حرکات سے باز نہیں آتا اور غرور اور مَیں پن کے دعوے سے

سوائے بھوکا رہنے کے رُک نہیں سکتا۔"

نقل ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے نفس کو پیدا کیا اور حاضر کیا، تو اس کو خطاب فرمایا کہ میں کون ہوں؟" نفس نے جواب دیا: انت انت وانا انا (تو تو۔ اور میں میں) پس چند برس اُس کو آگ کا عذاب دیا گیا۔ پھر باہر نکالا اور پوچھا۔ تو پھر بھی اس نے یہی جواب دیا۔ یہاں تک کہ جس قسم کے عذاب سے اس کو سزا دی گئی، اس نے خداتعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار نہ کیا۔ جب فاقہ اور بھوک کے عذاب میں گرفتار کیا اور پھر اس سے پوچھا گیا، تو اس نے جواب دیا: انت الذی لااله الا انت الواحد القھار۔ (ترجمہ) "تو وہی ہے کہ تجھ واحد قہار کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔"

پس بھوک میں یہ خاصیت ہے کہ نفس امارہ کو مطمئنہ کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے اور بندگی اور فرماں برداری لاتی ہے۔

لیکن راستہ کے عبور کرنے والے (سالک) کو چاہیے کہ اعتدال کا راستہ ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اس لیے کہ اگر پیٹ بھر کر کھائے گا تو فیضِ الٰہی کا راستہ بند ہو جائے گا۔ اور اگر طعام کھانا چھوڑ دے گا تو کمزوری و ناتوانی اس پر غالب آجائے گی اور عبادت کسبِ کمالات وغیرہ سے محروم ہو جائے گا اور اعتدال یعنی اوسط درجہ یہ ہے کہ نہ تو بہت سیر ہو کر کھائے۔ نہ طعام کھانا ہی چھوڑ دے، اسی لیے کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید فرمایا ہے: كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (یعنی کھاؤ اور پیو اور بیہودہ اسراف نہ کرو) کا حکم دیا ہے۔ خیر الامور اوسطھا (ہر ایک کام میں میانہ روی بہتر ہے)

محبوبِ ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی نے فرمایا: "ایک آدمی جس نے کھانا ترک کر دیا۔ اور دوسرا آدمی جس نے چند لذت دار لقمے لے کر طعام سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ان دونوں میں سے دوسرا بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہ دوسرا طریق نفس پر بہت ہی شاق اور نہایت ہی سخت گزرتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید
نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

(ترجمہ)" یعنی اتنا بھی نہ کھا کہ تیرے منہ سے باہر نکلنے لگے اور اتنا بھی کم نہ ہو کہ کمزوری کے باعث تیری جان نکلنے لگے۔"

بعض متقدمین مشائخ کے رسالوں میں لکھی ہے کہ کھانے کی اشیاء درجۂ اعتدال کی رعایت رکھنا اور اوسط پر کاربند رہنا اپنے مطالب کے حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور جب تک سخت بھوک نہ لگے۔ کھانے کو ہاتھ نہ لگائے، کیونکہ سالک کو بھوک غالب آئے بغیر، طعام کھانا حرام ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ سے لوگوں نے پوچھا: "کیا وہ درویش گناہ تو نہیں کرتا جو پاک اور شبہ سے خالی لقمہ کھاتا ہے؟" فرمایا: جو شخص حرام کی روٹی کھاتا ہے، تو وہی صفتیں اس میں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے دل و روح پر حاکم ہو جاتی ہیں۔ شیطان اس پر قابو پاتا ہے اور جھوٹے خطروں سے اس کے دل پر سیاہی ڈالتا ہے۔ اور طالب کے دل کی تسلی اور ذوق و شوق کو برباد کرتا ہے۔"

اس زمانے میں خدا تعالیٰ کے راستے کے بیشمار طالب، روٹی کھانے میں احتیاط نہیں کرتے، اس لیے معنوں کے بھیدوں کا ظہور و قلب کی صفائی اور ذوق و شوق بہت ہی کم پاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے، جو لوگ حرام کھانے سے پرہیز کرتے ہیں، مجھے شرم آتی ہے کہ ان سے حساب لوں۔"

اور اگر حلال اور پاک مل سکے تو اتنا ہی کھانا کھائے کہ عبادت کی قوت حاصل ہو سکے، اس لیے کہ نفس کو اتنا ہی دینا جائز ہے۔

چونکہ آدمی کا بدن بمنزلہ سواری کے ہے اور سوار کا گھوڑا اگر کمزور ہو جائے تو

کام کے قابل نہیں رہتا اور راستہ نہیں چل سکتا۔

اور طعام کھاتے وقت اپنے دل کو خداوند تعالیٰ کے سامنے رکھے اور غفلت سے نہ کھائے کہ نیک کاموں کا بیج انسانی جسم میں بونا، لقمہ کا ہی استعمال ہے۔ اگر غفلت سے کھایا جائے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ باطنی اطمینان اور دل کی تسلی حاصل ہو، بلکہ کھانا پکانے والا سالک ہی ہو جو باوضو ہو۔ اور کھانا پکاتے وقت سوائے یادِ حق کوئی اور بیہودہ کلام نہ کرے تاکہ اس کے اندر کی سیاہی کھانے میں اثر نہ کرے۔

سوم: (خاموشی) چُپ چاپ رہنے کا فائدہ یہ ہے کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عبادت کے دس حصے ہیں جن میں سے نو حصے خاموشی اور ایک حصہ ان سے علاوہ عبادت ہے۔ یہی باعث ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دہن مبارک میں کنکروں کو دبائے رکھتے تھے تاکہ کسی کے ساتھ بات نہ کی جائے، کیونکہ زبان میں وہ وہ آفتیں ہیں جو کسی انسان کے عضو میں نہیں ہیں جو سختی آدمی کے سر پر آتی ہے۔ اس بے لگام زبان کے باعث سے ہی آتی ہے اور جو کالک کہ دل میں بڑھتی ہے، بہت باتیں کرنے سے ہی بڑھتی ہے۔

نقل ہے کہ جس دن خدا تعالیٰ نے آدمی کے منہ میں زبان کو پیدا کیا، آواز دی کہ اے زبان! تیرے پیدا کرنے کا صرف اسی قدر مطلب ہے کہ تو میرے نام اور میرے کلام کے سوائے اور کچھ نہ کہے۔ اگر تو نے اس کے برخلاف کیا تو خود اپنے تئیں اور دیگر تمام اعضاء کو ہلاکت میں ڈالے گی۔ اس لیے کہ تو (اے زبان!) آدمی کے بدن کے تمام اعضاء کی رئیس اور سردار ہے۔ اگر سردار نیک ہو تو جو لوگ اس کے مطیع ہیں، وہ بھی نیک ہوتے ہیں اور اطمینان اور آرام کے جھولے میں بیٹھتے ہیں۔

پس سالک کو لازم ہے کہ زبان کے مرغ کو پنجرے میں بند رکھے اور اعمال ناموں کے لکھنے والوں کو بیکار چھوڑے اور کم آزاری کو اپنا شعار بنائے تاکہ تمام آفتوں سے

چھٹکارا پائے اور صغیرے وکبیرے گناہوں یعنی لعنت کرنے گلہ گذاری، جھوٹ بولنے۔ بات لگانے۔ گالیاں سنانے۔ فخر اور تمسخر کرنے۔ کلماتِ کفر بکنے وغیرہ سے بچی رہے۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "جب تک ایمان مستقیم اور درست نہیں ہو سکتا، جب تک زبان ٹھیک اور درست اور اپنے قابو میں نہ ہو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ دسویں جزو تمہارے لیے سب عبادتوں سے زیادہ آسان ہے۔ یعنی زبان کو خاموش رکھنا اور نکوئیے"

اور یہ بھی فرمایا: "انسان کے اکثر گناہ زبان ہی میں ہیں۔"

جیسا کہ سالک کو بہت کھانا، پینا منع ہے، ویسا ہی بہت سی باتیں کرنا بھی منع ہے، اس لیے کہ بہت باتیں کرنے سے انسان کے دل کا آئینہ دُھندلا ہو جاتا ہے اور اس کی تاریکی ذکرِ الٰہی کی لذت اور دل کی اطمینانی حالت کو بگاڑتی ہے، اس لیے اہلِ معنی بزرگوں کو جو کثرتِ کلام کی آفتوں کا علم ہوا۔ سوائے خاص ضرورت کے خاموشی کی مہر اپنی زبان سے نہیں اتارتے اور بیہودہ کلام سے زبان کو آلودہ نہیں کرتے۔ انہوں نے اس بات کو یقینِ دل سے جان لیا ہے کہ خاموشی میں بہت سے نفع اور کثرتِ کلام میں بے شمار مصیبتیں اور اَن گنت مضرتیں مرکوز ہیں۔ پس جس بات میں کسی قسم کا دینی اور دنیوی فائدہ نہ ہو، بلکہ اُلٹا دکھ درد، اس کے بیان کرنے میں کیوں لب ہلائیں۔

اور حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "جب تو کسی مومن بندہ کو خاموش اور متین دیکھے، تو اس کے ساتھ مل بیٹھ، کیونکہ وہ حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اس لیے کہ کم بولنا صاحبِ رتبہ بزرگوں کا اشعار ہے اور باعزت لوگوں کا طریق۔ اور یہ بات اکثر جگہوں میں دیکھی گئی ہے کہ بڑ بکواسیوں کی کہیں بھی عزت نہیں۔ اور کثرتِ کلام کرنے سے سوائے دماغ سوزی اور سخت دلی کے کچھ حاصل نہیں کرتے۔ پاک دل عارف لوگ جو خداوند تعالیٰ کی درگاہ کے انوار کے شہود میں غرق ہیں۔ قصہ خوانیوں اور لغو حکایتوں کے بیان کرنے سے اپنی زبان کو روکے رکھتے ہیں۔

دانی کہ چرا اہل زبان خاموش اند — در نکتۂ دل بمحو خود مے کوشند
مے از کفِ دست وبر نفس می نوشند — سرے باز ندو سرِ حق مے پوشند

(ترجمہ) "کیا تجھے خبر ہے کہ اہلِ زبان کیوں خاموش ہیں؟ دل کے نکتہ میں اپنی ذات کو محو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نفس (امارہ) پر فتح پانے کی خوشی میں) ہتھیلی میں لے کر شراب پیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے اسرار چھپانے میں اپنے سر پر کھیل جانا اُن کا اصلی کام ہے۔"

لیکن بعض مقاموں میں چُپ رہنے کی جگہ کلام اچھا ہے، کیونکہ کلام کرنا، نہ ہی ہر ایک جگہ میں بُرا ہے اور نہ ہی اچھا ہے، بلکہ ایسا کرنا کسی جگہ خار ہے اور کسی جگہ گلزار ہے۔ اگر کسی نیک کام کے لیے بقدرِ ضرورت بات کہی جائے تو کچھ منع نہیں ہے، مثلاً دو بگڑے دلوں میں صلح کرا دینا۔ دین کی درستی کے لیے وعظ ونصیحت کرنا۔ ایک مسلمان بھائی کی سفارش کرنا یا کسی محتاج کے لیے کلمۂ خیر کہنا، مگر اس میں بھی اختصار مدِ نظر ہو اور طول کلامی نہ ہو۔

قولہٗ تعالیٰ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔

(ترجمہ) "یعنی بات کہنے میں بھلائی نہیں، مگر خیرات کے لیے حکم دینا۔ اور لوگوں میں اصلاح کرنے اور نیکی کا کام فرمانے میں۔"

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "جو شخص مجھ پر اور خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے۔ اس کو لازم ہے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے کہا: "ہمیں کوئی بھلائی کی ایسی بات سکھلیے جس کے ذریعے سے بہشت ہمارے نصیب میں ہو۔" فرمایا: "باتیں کرنا چھوڑ دو۔" انہوں نے عرض کیا: "یہ تو ہم سے ہو نہیں سکتا۔" فرمایا: "پھر دکم سے کم، اچھی بات کے سوائے نہ کہا کرو۔"

لیکن جاننا چاہیے کہ اس کا مطلب زبان کو اپنے بس میں رکھنا ہے اور اہلِ معانی

کا یہی مشرب ہے کہ جس طرح زبان خاموش ہو، اسی طرح دل بھی خاموش ہو۔ یعنی انسان کی خیالی طاقت ماسوی اللہ سے خالی اور فارغ ہو اور کسی وقت بھی دل میں وہمی صورتیں پیدا نہ ہوں۔ اور اگر دل نفسانی باتوں سے بھر پور ہو تو پھر زبان کو خاموش کرنے سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟

حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہٗ فرماتے ہیں: "خاموشی تین صفتوں سے خالی نہ چاہیئے۔ (۱) جو دل خداوند تعالیٰ کی پاک ذات کے نام سے موسوم ہو گیا ہو، اس سے ذکر الٰہی رہنا۔

(۲) ماسوی اللہ کے اندیشوں اور تفکرات سے اپنے دل کو ننگہ میں رکھنا تاکہ دنیا کی صورتیں ہرگز دکھائی نہ دیں۔

(۳) جو واردات دل پر گذریں، اُن کے احوال کا مشاہدہ جاری رہے۔

اے عزیز! جب تک ماسوی اللہ کا خیال دل سے دور نہ ہو اور مشاہدہ کے سمندر میں ہمیشہ کا استغراق واقعہ نہ ہو۔ مطلب کا حاصل ہونا محالات سے ہے۔

چہارم: کم سونے کا فائدہ۔ جاننا چاہیئے کہ رات کے جاگنے کی دولت اس شخص کو نصیب ہوتی ہے، جو ازلی سعادت مند ہو۔ اور خدا تعالیٰ کا عشق و محبت اس پر غالب ہو، اس لیے کہ رات کو جاگنا اور نیند کی حلاوت سے درہم برہم ہونا (بڑے ہی بہادروں کا کام ہے۔ اور نفسانی حرص و ہوا کی مخالفت کرنا (خداوند تعالیٰ کے) ہمرازوں کا طریق ہے۔

رات میں ایک ایسی خاصیت ہے کہ دن میں قطعاً نہیں پائی جاتی۔ اس لیے کہ اگر کوئی شخص اطمینانِ قلب کے ساتھ رات کی ایک گھڑی خدا تعالیٰ کی یاد میں بسر کرے، تو تمام دن کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول اور عبادت کی قبولیت زیادہ تر رات ہی کو ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی بخشش مشتاقوں کے لیے غیروں

کی نظر سے پوشیدہ، رات ہی کو ہوتی ہے۔ پردہ کا اٹھنا اور عاشقوں کے ملاپ کا وقت رات ہی کو ہوتا ہے۔ عابدوں کی عبادت کے فراغ کا مقام۔ اور خدا تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں کے لیے آرام کا موقعہ رات ہی ہے۔ اس لیے کہ عاشقوں کے لیے رات کا وقت ایسا خلوت خانہ ہے کہ اُس بے نیاز خدا تعالیٰ کی درگاہ میں غیروں کے پریشان کیے بغیر اپنے راز و نیاز عرض کرتے ہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

شبِ تاریک دوستانِ خدا　　　می بتابد چو روزِ رخشندہ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(ترجمہ) "خدا تعالیٰ کے دوست کی اندھاری رات ایسی ہی روشن ہوتی ہے، جیسے یہ روزِ رخشاں۔ یہ سعادت دھینگا مشتی کی بدولت حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ واہب العطایا اپنی خاص عنایت سے عطا نہ فرمائے۔"

اے عزیز! تمام اولیاء اللہ اور سب کے سب اہل اللہ جو خدا تعالیٰ تک پہنچے ہیں، تو وہ اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ کوئی طالب رات کو جاگے بغیر اپنے مطلب کو نہیں پہنچا۔ اور کسی سالک نے عبادت کا خزینہ اور سعادت کا گنجینہ شب بیداری کے سوا حاصل نہیں کیا ؎

دولتِ شبگیر خواہی خیز شب را زندہ دار

خفتہ نابینا بود دولت بہ بیداری رسد

(ترجمہ) "اگر تجھے دولتِ شبگیر چاہیے تو اُٹھ اور رات رات بھر جاگتا رہ۔ سویا ہوا شخص (گویا) اندھا ہوتا ہے اور دولتِ خدا کو جاگتا ہی پاتا ہے۔"

اس لیے دن کو لاکھ در لاکھ مصیبتیں اور فتنے خدا تعالیٰ کی یاد کو تباہ کرنے والے انسان کے سامنے آتے ہیں اور دل کو پریشان اور کالا کر دیتے ہیں اور رات کو آرام اور اطمینان کے سوائے کسی قسم کا تفرقہ سامنے نہیں آتا۔ پس سالک کو لازم ہے

کہ اپنے کام کی بنیاد رات ہی میں مضبوط کرے اور کوئی سیاہی اور دھندلا پن دن کا اثر نہ کرنے پائے۔ یہی باعث ہے کہ بہت سے سالکانِ طریقت اور بہادرانِ میدانِ حقیقت نے بیسیوں برس اپنی پیٹھوں کو زمین پر نہیں لگایا۔ اور صبح کی نماز عشاء کے وضو سے ادا کرتے رہے ہیں۔

نقل ھے کہ حضرت خواجہ اویس قرنی قدس سرہٗ تمام رات صرف ایک ہی کوع سے گزار دیتے اور دوسری رات کو صبح تک ایک ہی سجدہ سے بسر کرتے۔ لوگوں نے پوچھا: اے اویس! اتنی لمبی رات تو ایک ہی حالت میں گزار دیتا ہے۔ کیا تجھ میں اس قدر طاقت ہے؟" فرمایا: "لمبی رات کہاں ہے؟ افسوس! ازل سے ابد تک ایک ہی رات ہوتی تاکہ آخری سجدہ ایک ہی ہو جاتا۔"

حضرت خواجہ سری سقطی قدس سرہ کو پورے ستر برس کسی نے سونے کی حالت میں نہ دیکھا، مگر موت کے وقت۔

حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیشہ فجر کی نماز، عشاء کے وضو سے پڑھتے۔

حضرت شیخ علاء الدین خوارزمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۲ برس تک ایک ہی وضو سے پانچوں وقتوں کی نمازیں پڑھتے رہے ہیں اور پندرہ برس تک اپنی پشت زمین پر نہ لگائی۔

حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲۳ برس تک فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا کرتے رہے۔

غرضیکہ زمانۂ سلف کے حضرات مشائخین نے ایسی ایسی ریاضتیں اپنی جانوں پر گوارا کی تھیں (جن کا ایک شمہ اوپر عرض ہوا) تب جا کر کہیں اصلی مقصود پر پہنچے ہیں، لیکن اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کی ہمتیں پست ہو گئی ہیں۔ اس لیے رات کے پہلے حصے کا ایک پہر اور آخری حصے کے دو پہر جاگتا رہے اور تمام رات میں صرف ایک پہر (تین گھنٹے) نیند کرے۔ قولہ تعالیٰ کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون۔

(ترجمہ" یعنی وہ (خدائے کریم کے بندے) رات کو کم سوتے ہیں"

لیکن آدمی کا نفس کئی ایک سالوں سے نیند کا عادی ہو رہا ہے۔ اس لیے دفعتہً ہی بیداری کی دولت کا حصول، بہت ہی مشکل دکھائی دیتا ہے۔ پس جس شخص کو اس سعادت کی خواہش ہو۔ اسے چاہیے کہ دوپہر کے وقت میں خواب قیلولہ کرے۔ اس لیے دوپہر کے وقت تھوڑا سا نیند کرنا۔ طبیعت کو راحت اور دماغ کو مضبوط کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک عادت اسی پر تھی۔

رات کو کھانے پینے کا کم استعمال کرے اور سونے کا بچھونا یا بستر بہت نرم، ملائم اور تکلف دار نہ بنائے تاکہ جاگتے وقت دقت اور دشواری پیش نہ آئے اور نفس بہانہ جو کہ بوجھ اور کاہلی نہ معلوم ہو۔ سونے سے پہلے وضو کے لیے پانی، مسواک۔ جائے نماز اپنے سامنے موجود رکھے اور نماز عشاء پڑھ کر لیٹ جائے، مگر رات سے پہلے جاگ پڑے۔ ایسا نہ کرے کہ پہلی رات تو جاگتا رہے، اور رات کے پچھلے حصے کی فضیلت کو فوت ہی کر دے۔ اس لیے کہ رات بھر ثواب کی نعمتوں کے دسترخوان اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے فضل و رحمت کے خزانوں سے شب بیداری کرنے والوں کے لیے آراستہ اور بچھے رہتے ہیں اور رات کے پچھلے حصے میں بانٹتے ہیں۔ تو بانٹنے کے وقت اپنے تئیں حصہ لینے سے محروم نہ رکھے اور اگر نیند کرے تو لازم ہے کہ اس میں تین طرح کی نیت کرے:

اوّل: سستی اور کاہلی کے دفعہ کرنے کے لیے میری عبادت کی قوت تیز ہو جائے۔

دوم: میں اس لیے سونے لگا ہوں کہ کوئی گناہ اور نافرمانی میرے مجھ سے سرزد نہ ہو

سوم: کراماً کاتبین کو (یہ) لحظہ بھر آرام اور آسودگی حاصل ہو۔

لیکن اس مقام پر ایک بہت ہی باریک مطلب ہے، اس کو کان لگا کر سن! سالک کو لازم ہے کہ باوصف اس ریاضت اور مجاہدہ کے عجز و نیاز کا طریق ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اور اپنی ذات کو نیستی کی قید میں مقید سمجھے اور اپنے نیک عملوں کو بے قدر

قیمت خیال کرے، بلکہ اعمال کو تہمت سے متہم کر کے ان پر کچھ بھی التفات نہ کرے اور اپنے دل میں یقین کرے کہ نجات (خدا تعالیٰ) کی عنایت اور فضل سے ہے۔ کسب عمل سے نہیں ہے، بلکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر منحصر ہے۔ خدا پناہ بخشے اگر کسی کی اپنے اعمال پر نظر ہو، تو وہ مدعی ہے جو اپنے نفس کو اس (عمل) کے نظارہ سے خوش کرتا ہے۔ غرضیکہ اپنے عملوں پر نظر ڈال چھوڑ دینا چاہیے نہ کہ عملوں کا ہی چھوڑ دینا۔

پیر میرا قدس سرہٗ نے فرمایا: "عمل کو ترک نہ کر، ہاں اس کو کچھ وزن نہ دے۔"

پس بہادر وہی ہے کہ عمل بہت کرے اور اُن کو بہت تھوڑا جانے، بلکہ کیے ہوئے کو نہ کیا ہوا جانے تاکہ اُس پر (غرور کی) نگاہ نہ پڑے اور تکبّر اور غرور پیدا نہ ہو۔

اکابرانِ دین نے کہا ہے کہ اخلاص اسے کہتے ہیں کہ اپنے اعمال کو اچھی نگاہ سے دیکھنا تجھ سے دور ہو جائے، یعنی عملوں کو تو اپنی ذات میں نہ دیکھے جانے۔ پس جو طاعت غرور اور خودی لا دے، ایسی عبادت کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے، کیونکہ خودی ہی ایک ایسی چیز ہے جو کل کاموں سے زیادہ تر بُرا کام اور کل فعلوں سے زیادہ تر بُرا فعل ہے ؎

بسیار بکوش اندکے داں　　　صد بار بکن و لے یکے داں

(ترجمہ) "کوشش بہت کر، لیکن اس کو تھوڑا جان۔ سو دفعہ کر اور ایک دفعہ ہی (اُس کو) جان۔"

اے عزیز! جاننا چاہیئے کہ جو سالک اپنے اعمال سے قطع نظر کرے، بلکہ اپنی عبادت کو معصیت کے رنگ میں نہ جانے۔ اس کو مردوں (پاک لوگوں) کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ نہ یہ کہ رات کو دو رکعت نماز ادا کر کے دن کو اس پر گھمنڈ کیا کرے۔

حضرت خواجہ سری قدس سرہٗ نے فرمایا: "جوان مرد وہ (نیک ذات) ہے جو پورب سے لے کر پچھم تک ساری زمین کو اپنے سجدوں سے بھر دے اور اپنے دن اور رات کے تمام وقتوں کو عبادت (الٰہی) میں صرف کر دے۔ اور تو بھی ذات کو مفلس اور بے نوا یقین کرے اور عبادت کے ولولہ میں اپنی ذات کو کسی سے بہتر اور بزرگتر نہ جانے، اور

نہ ہی اپنی زہد و عبادت کی لوگوں میں تشہیر کرتا پھرے۔

افسوس! یہ لقمہ بڑے بڑے شہبازوں کے لائق ہے۔ پھر ہر ایک چڑیا کے منہ میں کیسے سما سکتا۔ اور حلق سے کیسے نیچے اتر سکتا ہے، کیونکہ بہت بڑے عامل کم گو اور اپنی عبادت سے شرمندہ اور شرمسار ہوتے ہیں اور اپنے مال و اسباب کو راستہ کے لٹیروں سے ثابت لے جاتے ہیں۔

کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے: "طاعت اور معصیت آفت سے خالی نہیں، بہت سی بندگیاں، بندہ کو خدا تعالیٰ سے دُور لے جاتی ہیں اور بہت گنہ گاریاں، خدا تعالیٰ کے نزدیک۔

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے پوچھا: "وہ کونسی طاعت ہے کہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے دور نزدیک کرتی ہے۔ اور کونسی معصیت ہے کہ بندہ کو خدا تعالیٰ کے نزدیک کرتی ہے؟" فرمایا: وہ طاعت جس کا اوائل امن سے ہو، مگر انجام کار خود بینی۔ وہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے دور کرتی ہے جیسے شیطان۔ اوائل میں اس نے کس غضب کی طاعت کی، مگر آخر کار خود بینی آگئی جس نے نہ صرف کام ہی بگاڑ دیا، بلکہ ہمیشہ کے لیے لعنت کا طوق اس کے گلے میں پڑا اور وہ معصیت جس کا اوائل ہولناک ہو، مگر انجام کار عذر و توبہ۔ بندہ کو مقرب بارگاہ الٰہی بنا دیتی ہے جیسے آدم علیہ السلام، جنہوں نے پہلے بے فرمانی کی تھی اور انجام کار عذر و توبہ۔

یہی تو باعث ہے کہ اکابرانِ دین نے فرمایا ہے: "وہ گناہ جو عذر کے ساتھ ہو، اس طاعت سے بہتر ہے جو خودی و تکبر کے ساتھ ہو۔ اس لیے کہ جب بندہ خدا تعالیٰ کے حضور میں نہایت شرمساری اور عجز و زاری کے ساتھ رجوع لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی مغفرت کے ساتھ اسے پیش آتا ہے۔"

کسی بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: "وہ گنہ گار جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔" لوگوں نے پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ جاہل کون ہے؟ جواب دیا: "وہ مطیع جو نڈر ہو۔"

ہاں واقعی بے باکی کا نتیجہ ضرور مصیبت اور سختی میں ڈالتا ہے اور ڈرتے رہنے کا

پھل آخر کار نیکی اور بھلائی لاتا ہے۔ پس جو طاعت خودی پیدا کرے یا ریا میں ڈالے، اس سے توبہ کرنا چاہیے۔

اور جو عمل کرے خاص اللہ تعالیٰ کے لیے، محبت و اخلاص یا عجز و نیاز کی رُو سے بنفس کا وہاں کچھ دخل نہ ہو۔ تاکہ خدا تعالیٰ کے راستے میں قرب و ترقی کا ذریعہ ہو۔ اس لیے کہ جس قدر طاعت و عبادت کے حقوق ادا کرنے میں اپنی ذات کو نکما اور ادھورا جانے، اتنی ہی زیادہ قبولیت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کی کشائش اپنا خوبصورت چہرہ دکھاتی ہے۔ لیکن (اس مقام میں) ایک عارفانہ نکتہ ہے، یعنی جو سالک تکمیل کے درجہ تک پہنچ گئے ہیں وہ کسی بندگی کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کرتے اور اپنی ذات کو درمیان میں لاتے ہی نہیں اور اپنے وجود کے میدان میں خداوند تعالیٰ کے قبضہ و تصرف کے سوائے اور کچھ دیکھتے ہی نہیں جس طرح کہ عام لوگ فعل ہی فعل کو دیکھتے ہیں۔ خاص لوگ غافل ہی غافل کو مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ کام (اعمال) سے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ لیکن اس میں خودی اور خود بینی کا دھوکا نہیں کھاتے، کیونکہ کشف اور یقین سے یہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی ہے کہ انسان اصل میں اس کا مظہر ہونے کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے۔ اور حقیقت میں اپنی طرف سے کوئی قوت یا طاقت اس میں نہیں ہے، بلکہ سب قوتوں اور اعضاء کی طاقت، یعنی قوت رکھنا۔ جاننا۔ دیکھنا۔ بولنا، سننا، انسان ضعیف البنیان کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی بخشش اور عنایت سے ہی حاصل ہوا ہے۔

اور حرکات و سکنات اور افعال جو اس سے سرزد ہوتے ہیں، تو وہ کسی اور ہی ذات کمالات کی طرف سے ہیں اور سب کے سب عارتیی ہیں اور مانگے تانگے کو اپنی طرف سے جاننا اور کسی اور کے مال و متاع کو اپنی طرف منسوب کرنا، کمال درجہ کی جہالت اور نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟ لیکن اس کا جمال سوائے اہلِ کمال کے اور کسی پر ظاہر نہیں ہوتا اور عام لوگ اس انکشاف سے محروم ہیں۔

جب تک سالک عام لوگوں کے رنگ میں ہے۔ دوتن۔ مَیں پن۔ اور تُوپن میں گرفتار ہے اور اپنے کاموں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، مگر جب اس قید سے خلاصی پا جائے گا اور بشری صفتوں اور تمام قسم کی بستوں سے خالی ہو جا رہے گا بمصداق "لا فعل فی الوجود الا اللہ" (وجود میں کوئی فعل نہیں ہے، مگر اللہ)

اور اس حقیقت کو لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةً اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا) اُس پر ظاہر ہو جائے گا۔ تو کسی بندگی یا طاعت کو اپنی طرف نسبت نہ کرے گا اور "مَیں" کے لفظ کو اپنی زبان پر نہ لائے گا۔

حضرت خواجہ حسین منصور قدس سرہ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ "جب دنیا کے لوگ اعمال میں کوشش کریں تو تجھے لازم ہے کہ اس بات میں سعی کرے جس کا ایک ذرہ بھی دونوں جہانوں کے اعمالوں سے افضل اور بہتر ہو"۔ لوگوں نے پوچھا: "وہ کیا عمل ہے؟" فرمایا: "وہ حقیقت کا علم ہے۔" اور جان لے کہ دُنیا کے تمام حرکات اور سکنات خداوند تعالیٰ سے ہیں، اس سے الگ نہیں ہیں۔

خداوند تعالیٰ تمام سچے طالبوں کو یہی مشرب نصیب کرے اور نفس کے مَیں پن سے رہائی اور اپنی طرف سے آشنائی بخشے۔ آمین ثم آمین!

تیسرا مقصد

مفصلہ الذیل حصوں پر مشتمل ہے:

۱۔ ذکر کے فضائل۔

۲۔ حق سبحانہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔

۳۔ دنیا کی حقیقت۔

۴۔ کلمہ طیبہ۔ نفی و اثبات۔

۵۔ کئی ایک اور فائدے۔

اے عزیز! خوب جان لے جس شخص نے غفلت کا پردہ اپنے دل سے اُٹھا دیا اور دل کے شیشے کو دل کی ریتی سے صاف و شفاف کر لیا، اس کا سینہ ربانی اسرار کا خزانہ ہو گیا اور اس کا باطن سُبحانی انوار کا محیط ہو گیا۔ ہر ایک چیز کے (صاف و شفاف کرنے) لیے ایک ریتی ہوا کرتی ہے، لیکن دل کی ریتی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اگر تو خدا تعالیٰ کی دوستی کا شرف حاصل کیا چاہتا ہے اور اس دولتِ عظیم کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لایا چاہتا ہے، تو سب علاقوں کو اپنے سر سے پھینک کر، اس کی یاد میں ڈوب جا، کیونکہ خدا تعالیٰ کی دوستی کا یہی نشان ہے کہ اسی کو یاد کیا جائے۔

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔ (جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے، اس کا بہت ہی ذکر کرتا ہے) خداوند تعالیٰ کی دوستی کی حقیقت، اس کی یاد سے عادی ہونا ہے۔

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مناجات میں کہا: "اے خداوند! مجھے کیونکر معلوم ہو کہ کون تیرا دوست ہے اور کون دشمن؟" حکم ہوا: "(میرا) ذکر کرنے والا میرا دوست ہے اور (مجھ سے) غافل میرا دشمن ہے۔"

پس طالبِ حق کا فرض ہے کہ اپنے دل کے میدان کو جو حضرت کبریائے جل جلالہٗ کے انوار و اسرار کے ظاہر ہونے کا مقام ہے۔ بہت سے ذکر کے ساتھ اپنے پراگندہ دل کو خس و خاشاک سے پاک وصاف کرے تاکہ دوستی کے رتبہ پر (اس کو) سرفراز فرمائیں۔ اور حقیقی دولت کی کھڑکی اس پر کھول دیں۔

خدا تعالیٰ کے بھیدوں کے ظاہر ہونے کے محل حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا: "ذکر الٰہی تیشہ کی طرح ہے جو خطروں کے تمام کانٹوں کو دل کے جنگل سے تراش دیتا ہے اور دل میں غیر کا نام و نشان تک نہیں چھوڑتا۔ جب باطن غیر حق سے پاک ہو جائے اور ماسوا کی پکڑ سے دل چھٹکارا پا جائے۔ اور ذاکر کا مشہود یا معشوق (مذکورہ بالا) غیر نہ رہے تو ظاہر و باطن میں اپنے مطلب کو جلوہ گر دیکھتا ہے۔ پس ایک لمحہ بھی یادِ حق سے غافل نہ ہو اور اپنے سب وقتوں کو ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھے، کیونکہ اُس کے راستے کی بنیاد، بہت ذکر کرنے پر ہی منحصر ہے اور آخرت کی بھلائی بہت سی یاد پر ہی موقوف ہے۔

قولہ تعالیٰ اذکراللہ ذکراً کثیراً لعلکم تفلحون۔

(ترجمہ) "خداوند تعالیٰ کا بہت ہی ذکر کرو تاکہ تمہیں بھلائی نصیب ہو۔"

پس آدمی کے لیے اس سے بہتر اور کچھ نہیں ہے کہ ہمیشہ اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی یاد ہو تاکہ اس کی برکت سے خدا تعالیٰ کے ذکر کی کثرت سے غیر اللہ کا خیال ہی جاتا رہے اور اپنے مظہر میں حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(انا جلیس من ذکرنی (میں اُس شخص کا ہم نشین ہوں، جو مجھے یاد کیا کرے)

یہاں سے ہم نشینی ظاہر ہوتی ہے اور اعلیٰ درجے اور بڑے بڑے رتبے حاصل ہوتے ہیں۔

لیکن طبیعت کے دام میں گرفتاروں کو اس دولت کی کیا خبر؟ اور غفلت کی نیند کے خمار آلودوں کو اس بیان سے کیا اثر ہے

عندلیبِ مست داند قدرِ گل
چغد را از گوشۂ ویرانہ پرس

(ترجمہ "پھول کی قدر مست بُلبل ہی جانتی ہے۔ ویران جنگل کے کونے کی بابت (اگر کچھ دریافت کرنا منظور ہے تو) اُلو سے پوچھ)

خدا تعالیٰ کے محبت کے پیالہ کے مست جب دم بھر بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں، تو ایسے بے آرام و بے چین ہوتے ہیں جیسے خشکی پر مچھلی، بلکہ اُس دم کو مُردہ دم اور بھاری گناہ جانتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی یاد ایسی چیز ہے کہ ہر دم ایک تازہ درود، اور بے اندازہ شوق بڑھاتی ہے اور ذکر کرنے والے کے باطن کو صاف و مصفا کرتی ہے۔ اندرونی سیاہی اور نفسانی سختائی کو دور کرتی ہے اور ماسوی اللہ کے خیالات کو (دل سے) جلاتی ہے۔ اور اس پاک ذات خدا کو اپنے دل میں حاضر رکھنے کی آگاہی دیتی ہے اور فنا اور بے خودی کا مزہ چکھاتی ہے۔ یعنی تجھ کو تجھ سے غائب کر کے خدا کی طرف لاتی ہے اور تجھ کو تجھ سے چھوڑا کر معشوقِ حقیقی کا راستہ دکھلاتی ہے اور یہ مطالب تمام سالکوں کا مقصود، اور سب طالبوں کا مطلوب ہے۔

اے عزیز! جو سانس غیروں کے بے روک ٹوک۔ محبت اور شوق کی رُو سے خدا کی یاد میں آتی ہے۔ وہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے، بلکہ وہ سانس عین بہشت ہے۔ اُس سانس پر دنیا و مافیہا کو قربان کر دیا جائے تو عین بجا اور سراسر زیبا ہے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضرتِ سلیمان علیہ السلام نے ایک آدمی سے سُنا کہ خدا تعالیٰ نے حضرتِ سلیمان علیہ السلام کو اتنی بڑی دَولت و سلطنت کا مالک بنا دیا ہے کہ نہ کسی شخص کے نصیب ہوئی ہے، اور نہ ہوگی۔ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "اے نادان! خدا تعالیٰ گواہ ہے کہ ایک مواحد مومن کی صدق اور اخلاص کے ساتھ ایک تسبیح کا ثواب سلیمان کی بادشاہت سے بہتر ہے، اس لیے کہ یہ بادشاہت فانی ہے

اور اس کی تسبیح کا ثواب باقی۔ اور باقی اگر اندازاً تھوڑی بھی ہو تو فانی سے جو اندازاً بہت ہو، بہتر ہے۔

ایک بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے: "جو کوئی خدا تعالیٰ سے محجوب اور غافل ہے، عین رنج بختی میں ہے۔ اگرچہ بہت سے ملکوں اور خزانوں کی چابیاں اس کے ہاتھ میں ہوں۔ اور یہ مفلس فقیر جو یادِ حق میں مستغرق ہے۔ وہ ہمیشہ اس کے حضور میں ہے اور دونوں جہانوں میں مغفور اور تمام سختیوں سے مسرور۔"

نقل ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو ایک شخص کی روح قبض کرنے کا حکم ہوا۔ حضرتِ موصوف نے عالمِ دنیا میں اس کی بہت ہی تلاش کی، مگر کہیں بھی سراغ نہ چلا۔ تب خداوندِ تعالیٰ کی درگاہ میں مناجات کی: "خدایا! جس شخص کی جان قبض کرنے کا مجھے حکم ہوا وہ مجھے عالمِ دنیا میں دستیاب نہیں ہوتا۔" ارشاد ہوا: وہ شخص ہماری یاد میں مشغول ہے اور جب تک وہ اس میں مشغول ہے، تو اس کو نہیں پا سکتا۔ ہاں! جب وہ ہمارے ذکر سے غافل ہو جائے۔" (تب تیرے قبضے میں آ جائے گا)

لیکن اس سعادت کا تاج ہر ایک سر پر نہیں رکھتے اور یہ شہبازوں کی خوراک ہر ایک کم ہمت کے منہ میں (نوالہ بنا کر) نہیں دیتے۔

قولہٗ تعالیٰ: ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

(ترجمہ) "یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و داد ہے، وہ جس کو پسند کرتا ہے، اس کو عطا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فضلِ عظیم کا مالک ہے) مثنوی ؎

ہر کسے را سوئے گنج از رہ بدے ہر گدائے اندریں رہ شہ بدے

چشمِ کوتاہ گنج بیند در جہاں گوش کوتا بشنود اوصافِ آں

(ترجمہ) "اگر ہر ایک شخص کا راستہ خزانہ کی طرف ہوتا، تو ہر ایک بھک منگا اس راستہ میں شہنشاہ بن جاتا۔ وہ آنکھ کہاں ہے جو اس خزانہ کو دیکھے؟ اور وہ کان کہاں ہیں جو ان کے اوصاف کو سنیں؟"

لیکن جب کہ ہر ایک دل اپنی غفلت کی خواری اور سخت گناہوں کی بہتات سے رو سیاہ ہو رہا ہے، تو وہ خدائے تعالےٰ کے ذکر کے ذوق اور لذت سے بے نصیب ہے۔ اگر تجھے اس کا پتہ ملے کہ حق تعالیٰ کی یاد میں کیا کیا لذتیں اور راحتیں ہیں، تو قسم بخدا کہ تو دم بھر بھی غافل نہ رہے۔

حضرت خواجہ سری سقطی قدس سرہٗ دُعا میں کہا کرتے تھے: "اے خدا! جب تو مجھے عذاب کرے تو جس طرح کہ تیری مرضی مبارک ہو کر، لیکن حجاب کا عذاب نہ دے، اس لیے کہ اس کی برداشت کی مجھے طاقت نہیں ہے۔"

عاشقوں کی لذت اور نعمت خداوند تعالیٰ کی یاد ہے اور مشتاقوں کی حب حضرتِ صمدیت کے چہرے کا نظارا ہے ؎

عاشق در مشاہدۂ دوست دست یافت

در ہر چہ بعد ازاں نگرد، اژدہائے اوست

(ترجمہ) "جب عاشق نے اپنے دوست (خدا تعالیٰ) کے دیدار پر قبضہ کر لیا، تو اس کے بعد پھر اگر کسی غیر کی طرف دیکھے تو (جانو) کہ وہ اس کے لیے خونخوار اژدہا ہے۔"

پس خداوند تعالیٰ جس کو اپنے کمالِ کرم اور عنایت سے اپنی محبت کا ایک گھونٹ چکھاتا ہے اور اپنی جان پہچان کا خلعت پہناتا ہے، اس کو اپنی یاد میں ڈبو دیتا ہے اور اس اس سعادت کی توفیق اس کے رفیق کر دیتا ہے، اس لیے کہ ابدی سعادت اور دائمی دولت ذکرِ الٰہی سے حاصل ہوتی ہے اور لاکھوں برکتیں۔ خوبیاں اور نیکیاں اور ذکر سے ہی اپنا مبارک چہرہ دکھاتی ہیں، مثلاً:

اوّل: جب بندہ ذکرِ الٰہی کو شروع کرتا ہے، تو اس کا دل (خدا تعالیٰ کے حضور میں) حاضر ہوتا ہے اور پھر اس مقام پر پہنچتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کو دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

دوم : خداوند تعالیٰ ذکر کی برکت سے ذاکر کو گناہوں سے دور رکھتا ہے۔

سوم : جب بندہ بہت ذکر کرتا ہے، تو حق سبحانہ تعالیٰ کی دوستی کا شرف اس کے دل میں مستحکم ہو جاتا ہے۔

چہارم : جو شخص ذکرِ الٰہی میں اس دنیائے فانی سے رحلت کر جائے تو خدا تعالیٰ کا ذکر قبر میں اس کا غم خوار ہوتا ہے۔

پنجم : جو شخص خدا تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، تو خدا تعالیٰ بھی اُس کو یاد کرتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا: "میں نے اپنے بندہ کو وہ چیز عنایت کی ہے کہ اگر جبرائیل اور میکائیل کو بھی عطا کرتا، تو ایک بڑی نعمت ان پر تمام کرتا۔" وہ یہ ہے ، فاذکرونی اذکرکم (یعنی پس تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا)

نقل ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کی اور کہا: "اے موسیٰ! اپنی امت کے گناہ گاروں کو کہہ دیں کہ ہمیں بہت ہی یاد کریں۔ ہم نے بخشش کو اپنی ذات پر لازم کر رکھا ہے۔ جو ہمیں یاد کرے، ہم اسے یاد کرتے ہیں۔"

پس اس سے زیادہ سعادت کیا ہو گی کہ حق سُبحانہ وتعالیٰ اس بندہ پر اپنی یاد سے نوازش کرے اور برخلاف اس کے اس سے بڑھ کر کیا بدبختی ہو گی کہ انسان ان بڑے رتبوں اور بلند درجوں پر پہنچنے کی استعداد کے باوجود، پھر بھی اپنی ذات کو ان نعمتوں سے بے نصیب رکھے۔ پس جس شخص کو کامل حصّہ نصیب ہوا ہے، اُس کو اس مطلب کی طرف غور کرنا چاہیئے۔ اور خدا تعالیٰ ہر عمل سے کہ اس ضعیف بندہ کو یاد فرماتا ہے اور اس قسم کی نعمتوں سے سرفرازی بخشتا ہے، اس کو ہاتھ سے جانے نہ دے اور رات دن اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کروٹ بدلتے۔ غرض کسی وقت بھی ذکر سے غافل نہ رہے اور اس عظیم الشان دولت کو ہاتھ سے نہ جانے دے بمصداق مولانا رومؒ

لنگ ولوک وخفتہ شکل بے ادب
سوئے اُو مے خیز اور امے طلب

(ترجمہ) "لنگڑاتے، گھٹنوں کے بل چلتے، اور بے ادبانہ شکل میں سوتے۔

(ہر حال میں)، اُسی (خدا تعالیٰ) کی طرف اُٹھ اور اسی کو ڈھونڈھ۔"

پس ازلی سعادت مندوں کو جن کی استعداد بلند اور ہمت عالی ہے۔ یادِ حق میں مشغول رہنے کو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔ دیکھو! آدمی کے خیال میں ہزاروں بلکہ لاکھوں بیہودہ خیالات گذرتے ہیں۔ سو اگر ان کی جگہ ذکرِ الٰہی کو اختیار کرے اور بیٹھتے اٹھتے۔ تنہائی۔ صحبت۔ کھانے پینے اور گفتار و رفتار وغیرہ میں، اسی میں مشغول رہے۔ تو اس کے آگے کیا کچھ مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔ لیکن اس کام میں کمال درجے کی کوشش اور پوری ہوش درکار ہے کہ ہمیشہ خدائے تعالےٰ کی یاد دل میں رہے تاکہ اس عمل کے استعمال سے خدا تعالےٰ کے انوار و اسرار کا خزانہ دیکھنے میں آتے اور بہت سی یادِ حق کی بدولت، خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کی تجلیات کا خزانہ مشاہدہ میں آئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے: "اہل بہشت پر اس سے زیادہ کوئی حسرت نہ ہو گی کہ عالمِ دنیا میں خدا تعالیٰ کی یاد کے بغیر ایک لحظہ بھی ان پر کیوں گذرا تھا۔"

اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں سب سے بہتر عملوں سے جو خدا تعالیٰ کی درگاہ میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور قبولیت کے قریب ہیں اور نیز جو سونا چاندی کہ صدقہ کرنے اور خدا تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ لڑنے سے (گو کہ وہ تمہیں شہید کریں یا تم ان کو قتل کرو) بہتر ہیں، آگاہ کرتا ہوں۔" انہوں نے دریافت کیا کہ وہ عمل کیا ہے، اے اللہ کے رسول! فرمایا: "خدا تعالیٰ کا ذکر۔"

اور نیز ارشاد فرمایا: "غافلوں میں خدا تعالیٰ کو یاد کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ میتوں میں زندہ یا سوکھے گھاس میں سرسبز درخت یا غازی جو (لڑائی میں) بھاگنے والوں کے درمیان جہاد کرنے پر کھڑا ہو جائے۔ پس اس دولت سے اپنے تئیں کس لیے

محروم رکھا جائے اور قیمتی عمر کے نقد کو جس کا عوض ہو ہی نہیں سکتا۔ بے وفا! اور فنا پذیر دنیا کی تدبیروں میں کیوں ہار دیا جائے۔

اگرچہ دنیا اور اس کی لذتیں بہت ہی میٹھی ہیں، لیکن اصل پوچھو تو یہ ایسا زہر ہے جو قتل کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اور ایسی متاع ہے جس کے باطل ہونے میں ایک ذرہ بھر بھی شک نہیں ہے۔ اس کی خوبصورتی دل کو فریفتہ کرنے والی ہے اور اس کی کمالیت غفلت بڑھانے والی ہے۔ کوئی شخص جس قدر اس کے ساتھ زیادہ دل بستگی کرے گا، اسی قدر خدا تعالیٰ سے زیادہ دُور ہو جائے گا۔ اس (دنیا) کے ساتھ دل لگانا غفلت بڑھانے کا نشان ہے۔ اور اس سے دور رہنا عین سعادت ہے اور فیضان۔ جس شخص میں کامل عقل ہے، وہ اس کے ناز نخروں پر مچل نہیں جاتا اور اس کو اصل مقصود یقین نہ کرنے میں دھوکا نہیں کھاتا۔ اس لیے کہ ہر ایک دنیاوی لذت اور نعمت کے پیچھے زوال لگا ہوا ہے، بلکہ اس کی ایک ایک خوشی میں ہزاروں غم اور اس کی ایک ایک راحت میں سینکڑوں زخم۔ ہر ایک نوش میں ہزاروں نیش۔ اس کی مٹھاس میں دراصل زہر ہے۔ اور اس کا لُطف بالکل قہر ہے۔ اس کا انصاف، بے انصافی سے بدتر ہے۔ اور اس کی بنیاد سراسر خراب۔ عارفوں کا جگر اس سے کباب ہے۔ اس کا عاقل ہمہ تن مست و خراب ہے۔

نقل ھے کہ دُنیا اپنے طالبوں کو ہمیشہ آواز دیتی ہے کہ اے میرے آرزومندو! مجھ پر ہرگز دھوکا نہ کھاؤ۔ اور فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ اگرچہ میرے اوائل میں رنگ و بُو ہے جو سرسری نظر کے ساتھ دیکھنے سے عیش و سرور ہے، لیکن میرا انجام کار دھوکا اور فتور ہے۔ جس پر میں نے نوازش کی، اُسی کو گلایا۔ اور جس کو پرورش کر کے تیار کیا، اسی کو گرایا۔

پس خوب دھیان کر اور اچھی طرح سوچ سمجھ کہ اس غدار دنیا نے ظلم کی کٹاری سے اپنے لاکھوں مشتاقوں کی جان ماری کی۔ اس طرح سے کہ پھر وہ اپنی جگہ سے ہِل نہ سکے۔

اور اپنے عاشقوں کو اونچے کنگروں سے ایسے طور سے سر کے بل لٹکایا کہ ان پر آہ وزاری کا موقعہ بھی نہ آیا۔

حدیث شریف میں وارد ہے: دُنیا کو قیامت کے دن خلقت پر نمودار کریں گے۔ وہ ایک بدشکل بڑھیا کی مانند ہوگی۔ اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی (جیسے بلی کی آنکھیں) نہ منہ میں دانت ہوں گے نہ پیٹ میں آنت۔ جب خلقت اس کی طرف نگاہ کرے گی تو بیساختہ کہہ اٹھے گی کہ اللہ تعالیٰ پناہ بخشے، یہ کیسی خونخوار اور بدشکل (ڈائن) ہے (قضا و قدر) کہیں گے کہ یہ وہی دنیا ہے جس کی بدولت تم ایک دوسرے کے ساتھ حسد اور دشمنی کرتے تھے اور آپس میں قتل اور خونریزی کیا کرتے تھے اور اپنے خویش واقارب سے رشتے ناطے توڑ دیتے تھے اور جس پر گھمنڈ کرتے تھے۔ پھر اس بڑھیا (دنیا) کو دوزخ میں دھکیل دیں گے۔ وہ عرض کرے گی: "خدایا! میرے وہ دوست کہاں ہیں؟" تب حکم ہوگا کہ "انہیں بھی دوزخ میں ڈال دو۔" مثنوی ؎

خورم آں باشد کہ نفریبد ترا	چرب و نوش و دامہائے ایں سرا
آشکارا دانہ پنہاں دامِ اُو	خوش نماید زادلت انعامِ اُو
لیک در آخر جزا یابی کہ چیست	نیک بشناسی کہ محبوبِ تو کیست
مرغ دانا کے خورد دانہ زدام	ہم چناں کز دامِ دنیا ایں عوام

(ترجمہ) "تیرے لیے بہتر تو یہ ہے کہ اس دنیا کے چرب نوالے اور پھندے تجھے فریب نہ دیں۔ اس (دنیا) کے دانے تو ظاہر ہیں، مگر در اصل پھندے پوشیدہ ہیں۔ پہلے پہلے تو اس کے انعامات تجھے بہت ہی دل فریب دکھائی دیتے ہیں، لیکن انجام کار دیکھ لے گا کہ وہ تجھے کیسا بدلہ دیتی ہے۔ تب تو جان لے گا کہ تیرا اصلی محبوب کون ہے۔ بھلا مرغ زیرک پھندے سے دانہ کیونکر کھا سکتا ہے، جس طرح کہ تمام لوگ اس دنیا کے فریب کے دام میں آجاتے ہیں۔"

افسوس! جس کو انہوں نے خوش اعتقادی سے آبِ زلال گمان کیا ہے، اصل میں نرا سُراب ہے اور جس کو مزادار شربت خیال کیا ہے، وہ زہر ہی زہر ہے۔

وہ شخص کیا ہی ہمت ور ہے جو اس کی خوبصورتی پر شیفتہ نہیں ہوا۔ اور وہ انسان بڑا بلند فطرت ہے جو اس کی شان وشوکت پر فریفتہ نہیں ہوا۔ اور جس نے اپنی رُوح کو پھندے سے چھڑا کر اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا۔

اب اس دنیا کی آفت پر نظر کرو کہ جس کے پاس تھوڑی ہو، وہ بہت ہی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان توڑتا ہے اور دربدر مارے مارے پھرتا۔ اور ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ اُس پر حرص وہوا غالب آتی ہے اور چونکہ لالچ نے اس کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے، اس لیے حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتا اور اپنی عمرِ عزیز کو اس کے جمع کرنے کے فکر و تدبیر میں برباد کرتا ہے۔ یادِ خدا۔ کسبِ سعادت اور آخرت کے راستے سے بالکل بے نصیب رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا کا لالچی ایسا ہی ہے جیسا مرض استسقاء کا مریض۔ جتنا زیادہ پانی پیتا ہے، اتنا ہی زیادہ غلبہ پیاس کا اس پر ہوتا ہے۔ اور وہ پیاس دانا طبیب کے بغیر اس سے دُور نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ آخر کار اسی پیاس سے مرجاتا ہے اور مرگ کے وقت اس جہان سے آلودہ دل، پراگندہ خاطر ہو کر ہزاروں خرابیوں کے ساتھ جاتا ہے اور جو کچھ محنت ومشقت سے جمع کر چکا تھا۔ نہایت حسرت کے ساتھ (اسی دنیا میں) چھوڑ جاتا ہے۔ پس جس کو دنیا کا مال واسباب وغیرہ ملے اور اپنی ضروری حاجتوں سے بچ رہے۔ تو چاہیے کہ اس پر گھمنڈ نہ کرے۔ اور اس پر دل نہ لگاتے اور اس بات کو ہمیشہ سوچنا چاہیے کہ آدمی پر ہمیشہ ایک سا زمانہ نہیں رہتا نہ رہے گا۔ جو آج ہے ممکن ہے کہ کل نہ ہو، بلکہ دنیا کے مال ودولت کو مانگا ہوا جانے اور اس کو آخرت کی کھیتی بنائے۔ یعنی نیک کاموں پر خرچ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کو لالچ نفسانی اور لہو ولعب شیطانی میں اجاڑ دے۔

پس بزرگانِ دین نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ موافق کے ساتھ غنی ہونا مخالفت کے ساتھ فقیری سے اچھا ہے۔ اگر دنیا دین کی مددگار ہو اور خدا تعالیٰ کی یاد میں خلل نہ آنے دے تو اس کو دُنیا نہیں کہا جاسکتا۔ پس یہ خیال نہ کیا جائے کہ ان تمام درم و دینار۔ جاہ و حشمت، شان و شوکت وغیرہ کا نام ہی دُنیا ہے۔ بلکہ درحقیقت دنیا اس کا نام ہے جو انسان کو خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل کرے اور آدمی کو اپنی طرف کھینچ لے۔ اگر ایک دنیا دار آدمی فراغ دلی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہے، تو وہ اس فقیر سے بدرجہا بہتر ہے جو غافل ہو۔

پس جو چیز سالک کو خدا تعالیٰ سے ہٹائے، اس پر لات مار کر ہمہ تن خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو جائے اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی چیز کے ساتھ دل نہ لگائے۔ اگر (قضا و قدر) تجھے قبول کرلیں۔ اور سعادت کا دروازہ تجھ پر کھول دیں۔ تو خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ تجھے کسی دنیاوی چیز کی پرواہ نہ رہے گی اور دنیا اور مافیہا کی اقبال مندی کو تو منت پر بھی نہ خریدے گا

نقل ھے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ دُنیا کو آواز دیتا ہے کہ "اے دنیا! جو میری درگاہ کا خادم ہے، تو اس کی خادم بن۔ اور جو تیرا خادم بنا چاہتا ہے تو اس کو ہمیشہ دُکھ میں چھوڑ" سو واقعی بعض لوگ دُنیا کے خادم ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کی دنیا خادم ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے اپنے دونوں جہان کو دُنیا کی محبت میں برباد کر دیا ہے اور پرلے درجے کی محنت اور دردسری سے اس کو جمع کیا ہے، اس کو جان و جگر سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور خزانہ کے سانپ کی طرح اس کی نگہبانی میں سینکڑوں مصیبتیں اور ہزاروں رنج اٹھاتے ہیں اور اپنی تمام عمر اُسی کے پیچھے ضائع کر دیتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جو دنیا کے خادم ہیں — جن لوگوں نے غیر حق سے منہ پھیر کر محبت کی گرہ۔ حقیقی محبوب (خدائے کریم) کے ساتھ باندھی ہے۔ اور نیستی و فنا کی رقم، ماسوی اللہ کی پیشانی پر کھینچی ہے، وہ غیر حق سے فارغ ہو گئے ہیں۔ اور دنیا کا حاصل ہونا اور نہ ہونا ان کے نزدیک برابر ہے۔ اس کے آنے سے ان کی خوشی نہیں، اور نہ آنے سے غم بھی نہیں ہے۔ اور دونوں حالتوں میں خدا تعالیٰ

کی رضامندی پر راضی ہیں اور اپنے آزاد دلوں کو ایک ہی طرف اور ایک ہی رُخ کر کے خدا کریم کے ساتھ مشغول ہیں، وہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے دوست ہیں اور ایسے برگزیدہ ہیں کہ دنیا و مافیہا ان کی خادم ہے۔ جس طرح کہ حدیثِ قدسی کا مضمون ہے:

"اے میرے بندے تو میرا ہو تاکہ میں تیرا ہو جاؤں، اور جو کچھ میرا ہے تیرا ہو جائے"

پس کوئی احمق یہ گمان نہ کرے اور معترض نہ ہو، مگر بعضے اولیاء اللہ دُنیا اور دنیاداروں میں اقبال اور قبولیت رکھتے ہیں اور عام لوگوں، بی بی، بچوں، خویش و اقارب کے ساتھ ان کا میل ملاپ ہے۔

کان لگا کو سُنو! یہاں ایک نہایت لطیف نکتہ ہے۔ جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے دوستوں کے کام کی بنیاد باطن پر ہے نہ کہ ظاہر پر۔ اس لیے ان کا دل، جو انسانی وجود کا لب و لباب ہے۔ خدا تعالیٰ کے عشق میں ایسا فانی اور محو ہوتا ہے کہ ظاہری تعلقات ان کے مطلب کی توجہ کے مانع نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ظاہر میں سب لوگوں کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں، لیکن دل سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں دیتے اور کسی چیز کی محبت اپنے دل پر نہیں رکھتے، کیونکہ دل خدا تعالیٰ کی نظر گاہ ہے اور ظاہر خلقت کا منظر ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے: ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم ونیاتکم (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور عملوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے)

چونکہ عارفِ کامل کا دل انوارِ الٰہی کے اترنے کی جگہ ہے اور بے شمار بھیدوں کی کان۔ اس لیے اس کی ہمہ تن ہمت دل کے پاک رکھنے کو ہے، نہ کہ آب و گل کے پاک رکھنے میں۔ وہاں باطن کی آرائش رکھنی منظور ہے نہ کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ۔ مثنوی ؎

حق ہمے گوید کہ نظرم بر دل است　　　نیست بر ظاہر کہ آں آب و گل است

صد جوانِ زر بیارد گر غنی　　　حق بگوید دل بیار اے منحنی

(ترجمہ) "خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہماری نظر دل پر ہے ظاہر پر نہیں ہے۔
اس لیے کہ وہ پانی اور مٹی (گارا) ہے۔ اگر دولت مند آدمی لاکھ بدرہ زر پیش
کرے۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ٹیڑھے آدمی اپنا دل حاضر کر۔"

اسی واسطے اس راستہ کے چلنے والوں کی ہمہ تن کوشش، غیر حق سے باطنی تعلقات کو توڑنا ہے نہ کہ دنیا کا دور کرنا، کیونکہ خدائے تعالیٰ تیرے ہاتھ سے دنیا کی ترک اس قدر نہیں چاہتا، جس قدر دنیا کی دوستی کو تیرے دل سے چھڑانا چاہتا ہے جس قدر بُرائی ہے وہ دنیا کی دوستی میں ہے اور انسان کے دل کا ہمہ تن اسی میں مشغول ہو جانا۔ اگر دنیا کی محبت اور عوام دوستی سے دل فارغ اور خالی ہو تو ظاہری میل ملاپ کچھ دُکھ نہیں دے سکتا۔

لیکن اس بات کی تمیز کہ ظاہر تو عام لوگوں کے ساتھ ہو اور باطن خدا تعالیٰ کے ساتھ سوائے اہلِ کمال کے کسی کے لیے آسان نہیں ہے اور خدا تعالیٰ کے راستے میں چلنے اور ماسوی اللہ سے علاقے توڑنے کے سوا کسی کو حاصل نہیں اور کامل عارفوں اور صاحب ارشاد کاملوں کے لیے اتنا ہی ہے کہ مخلوقات کی طرف ان کی ظاہری توجہ کچھ حجاب اور دوری کا سبب نہیں ہو سکتی اور وہ جماعت جو درجۂ فنا سے گزر کر بقا کے رُتبہ پر سرفراز ہوتی ہے۔ وہ اپنی کاملہ قوت کی وجہ سے دونوں طرف دھیان رکھ سکتے ہیں۔ اور یہ بڑا ہی عالی مقام ہے اور بزرگوں کا خاصہ ہے۔ لیکن وہ سالک جو درجۂ فنا کے پیالہ سے مست ہے۔ اور جس پر سُکر غالب ہے، وہ سوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کسی چیز کو نہ جانتا ہے اور نہ دیکھتا ہے۔ اس لیے کہ سب چیزیں اس کی بصیرت کی آنکھ میں نابود اور فنا پذیر ہو گئی ہیں۔ اور سوائے ایک مقصود کے اور کوئی مطلب اس کے دل میں نہیں رہتا۔ وہ ولی اللہ جس نے فنا کے سمندر میں غوطہ لگایا ہے اور ذاتِ حق کے مشاہدہ کے نور میں بالکل چھُپ گیا ہے۔ وہ سوائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اور کچھ بھی

نہیں جانتا اور نہ دیکھتا ہے اور سوائے حق کے ایک بات بھی نہیں کہتا۔ یعنی مجھ سے ہی دیکھتا ہے، مجھ سے ہی سُنتا ہے اور مجھ سے ہی (لوگوں کے ساتھ) کلام کرتا ہے۔ اس کے احوال کے صفحہ (دل) پر روشن ہو جاتا ہے۔

حضرت پیر بسطامی قدس سترہٗ السامی نے فرمایا: "عرصہ تیس برس سے میں خدا تعالیٰ سے باتیں کرتا ہوں اور اُس کی باتیں سُنتا ہوں۔ مگر لوگ یہ جانتے ہیں کہ ہم سے کہتا اور ہماری باتیں سُنتا ہے۔"

اور یہ کمال فنا کا درجہ ہے کہ حال کے غلبہ اور خداوند تعالیٰ کی ہستی کے ظہور کی بدولت مخلوقات کا وجود دیکھنا اس کی نظر سے بالکل دُور ہے اور پرلے درجے کے سکر اور استغراق کے باعث سوائے خدائے تعالےٰ کے اس کی ظاہری و باطنی آنکھوں میں سوائے حق تعالیٰ کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جس جگہ کہ دیکھتا ہے، اسی کو دیکھتا ہے جو کچھ کہتا ہے، اسی کو کہتا ہے۔ جو کچھ سنتا ہے، اُسی سے سنتا ہے ؎

اندریں راہ مے نہ گنجد ما و تو
یا تو باشی درمیانہ یا کہ اُو

(ترجمہ) "اس راستہ میں ہم تم کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ یا (صرف) تو ہے یا وہ۔"

مگر جب انسان دنیا کے علاقوں اور پراگندہ اندیشوں اور غفلت کی بیماریوں میں گرفتار ہو گیا ہے اور وحدہ لاشریک خدا کے نہایت ہی خوبصورت چہرے کے مشاہدہ سے بے نصیب رہ گیا ہے۔ پس اس بیماری سے اس کی خلاصی سوائے اس کے نہیں ہے کہ چند روز اہلِ دنیا اور ناجنس صحبت کے میل ملاپ سے الگ ہو کر اور دنیا کے رشتوں ناطوں سے (جو ترشی اور تلخی کا اثر رکھتے ہیں) پرہیز کر کے ہمیشہ ذکرِ الٰہی کی معجون کا استعمال کرے تا کہ حقیقی مرض جس کا نام غفلت ہے، دور ہو۔ اور دل کی زندگی اور جان کی صحت نصیب ہو۔ جس طرح کہ جسمانی زندگی، کھانے پینے پر منحصر ہے۔ اسی طرح سے دل کی حیاتی

اور جان کی زندگی، حق سبحانہ و تعالیٰ کی یاد سے ہے۔ بہت سے لوگ جو خدا تعالیٰ کی یاد میں رغبت نہیں کرتے۔ تو اُس کی یہی وجہ ہے کہ اُن کے دل پرلے درجے کی غفلت کے باعث بیمار ہیں اور یہ ایک کلیّہ قاعدہ ہے کہ بیمار کو اپنی غذا کی کم اشتہا ہوتی ہے۔ پس غفلت کی مرض دور کرنے اور دل کی صحت حاصل ہونے کے لیے کوئی دوا ذکرِ الٰہی سے زیادہ مفید اور بہتر نہیں ہے۔

کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ بشریت کی زندگی اور ہے۔ اور معرفت کی زندگی اور ہے۔ تمام لوگ بشریت کی زندگی سے زندہ ہیں، مگر خدا تعالیٰ کے دوست اس کی معرفت کی زندگی سے۔ ایک دن ایسا آتا ہے کہ بشری زندگی فنا ہو جاتی ہے، لیکن معرفت کی زندگی ابد الآباد تک قائم رہتی ہے۔ المومن حی فی الدارین (مومن دونوں جہان میں زندہ ہے) اور اس زندگی سے معرفت یا خدا تعالیٰ کی جان پہچان مراد ہے اور معرفتِ الٰہی دل کے زندہ ہونے پر موقوف ہے اور زندہ دلی سوائے خدا تعالیٰ کی یاد اور ماسوی اللہ کے بھول جانے کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

جاننا چاہیے کہ معرفت کی دو قسمیں ہیں:

اوّل: استدلال کی رُو سے جس کا لگاؤ، ظاہری عالموں کے ساتھ خاص ہے۔

دوم: کشف اور ذوق کے رُو سے، جو اہلِ باطن اولیاء اللہ کا خاصہ ہے اور دل کے صاف رکھنے اور نفس کے پاک کرنے پر موقوف ہے۔ اس کا بیان طول طویل ہے۔

جس گروہ نے ازلی سعادت کے فیض سے، تقلید سے، قدمِ ہمت آگے بڑھایا اور تحقیق کی طرف گیا اور محبت و عشق کے راستے سے حق سبحانہ تعالیٰ کا طالب ہوا۔ وہ ایک لحظہ بھر بھی خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں رہتا۔ اور یہ لذت اور حالت بہت ذکر کرنے سے ہی اُس کو نصیب ہوتی اور ذکر کے ذریعے سے ہی خدا تعالیٰ کے ملاپ کی مجلس تک اس کی رسائی ہوتی۔ چونکہ ساقی ازل نے عاشقوں کی جان کے گلے میں محبت اور شوق

کے قطرے ٹپکا دیتے ہیں، تو وہ اسی ازلی سعادت کی راہ نمائی سے خدا تعالیٰ کی یاد کے سوا دم تک نہیں لیتے اور سب علاقوں پر جو اس راستے کی روک ٹوک ہیں، لات مار کر دم بدم ذکرِ الٰہی میں غرقاب رہتے ہیں۔ ان کے دل کا اگر کوئی انیس یا غمخوار ہے، تو ذکر و فکر ہی ہے ان کے رُوح کی غذا لذیذ، اگر کچھ ہے تو ذوق و شوق کا پیالہ ہی ہے۔ اس لیے کہ (اس کے) مشتاقوں کو ہر دم وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (ان کا پروردگار ان کو شراب طہور پلائے گا) کی محبت کا گھونٹ پہنچتا ہے۔ اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے، تو تمام علاقوں کو الگ پھینک کے اور اپنی سب قسموں کے (ظاہری) معلومات کو بالائے طاق میں رکھ کر ہمت کے گھوڑے کو فاذکروا (تم مجھے یاد کرو) کے میدان میں دوڑا تاکہ بمصداق اذکرکم (میں تمہیں یاد کروں گا) تمہیں اس کا ثمرہ ملے اور لَبَّيْكَ عبدی (اے میرے بندے میں حاضر ہوں) کی آواز تو اپنے کان سے سنے۔

پس جو شخص اپنے دل کو ایک طرف لگا کر اور تفرقہ و سرگردانی کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی یاد میں جو اولیاء اللہ کی متاع۔ اور متقیوں کا لباس ہے۔ ہمیشہ ضبط میں رکھے اور کسی وقت بھی ذکرِ الٰہی بغیر آرام نہ لے اور اس کے سوا اس کا دل برقرار نہ ہو۔ ایسی دولت کو پاتا ہے، جس کو کبھی زوال نہیں ہے۔

غور سے سُنیے:

یہی ذکر ہے جو کامِ دل کو لذت اور ذوق پہنچاتا ہے۔

یہی ذکر ہے جو مفلسوں کے لیے متاع ہے اور عاشقوں کے جھونپڑوں کا چراغ ہے۔

یہی ذکر ہے جو مُردہ دل کو زندہ کرتا ہے اور طالب کو مطلوب تک پہنچاتا ہے۔

یہی ذکر ہے جو سالکوں کو ان کی ہستی سے الگ کرتا ہے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ کراتا ہے۔

اے عزیز! حضرت رب العزت کی درگاہ میں سب سے بڑھ کر عمل اور خدا تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا سب سے آسان طریق یہی ذکر ہے۔ چنانچہ ہر ایک طبقہ کے مشائخ "ان سب پر خداوند تعالیٰ راضی ہو" اس بات پر متفق ہیں کہ خداوندِ تعالیٰ کے طالب کو ابتداً میں ذکر کے سوا اور کسی کام میں مشغول ہونا حرام ہے۔

نقل ہے کہ حضرت سعد ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ شریف کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور سوال کیا کہ "مجھے اس حلال کی خبر دیجیے کہ جس میں حرام کا مطلق نام تک نہ ہو۔ اور اس حرام کی بھی اطلاع دیجیے جس میں حلال کا شائبہ تک نہ ہو؟" فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسا حلال ہے کہ اس میں حرام کا نام تک نہیں۔ اور غیر کی یاد حرام ہے جس میں حلال کا شائبہ تک نہیں، اس لیے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں نجات ہے اور غیر کے ذکر میں ہلاکت ہے۔"

پس ہوشیار رہو! گُل پرور (جسم کی پرورش کرنے والا) نہ ہو، بلکہ دلِ پرور (روح کی آرائش کرنے والا) ہو اور غفلت کی نیند سے جاگ ؂

نے گویم کہ از عالم جدا باش
بہر کارے کہ باشی با خدا باش

(ترجمہ) "میں تجھے یہ نہیں کہتا کہ دنیا جہان سے الگ ہو، بلکہ (یہ کہتا ہوں کہ) جو کام تو کرے با خدا ہو کر کر۔

خداوندِ واحد کے طالبوں اور اس صمدِ بے نِدّ کے جمال کے عاشقوں نے، جو یہ سب مقبولیت کے درجے، اور محبوبیت کے رتبے، اللہ تعالیٰ کی پاک درگاہ سے حاصل کیے ہیں، تو محض اسی ایک عمل سے کہ بہت ذکر کرنے سے دل کو غیر کی محبت سے پاک کر۔ حقیقی محبوب (خدا تعالیٰ) کے ساتھ محبت کی ایسی گرہ باندھی کہ ان کی محبت کا جانور دونوں جہان کے دام و دانہ میں بند نہیں ہو سکتا اور ان کے دل کا دامن

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوائے کسی گندگی سے آلودہ نہیں ہوتا۔

پس اے دوستو! اگر آپ بھی اس عظیم الشان دولت سے ممتاز ہوتا اور اپنے مدعا کو معشوق کے جلوہ گاہ میں لانا چاہتے ہو تو اپنے عزیز وقت کو خدا تعالیٰ کی یاد سے آباد رکھو اور اس کا ایک لمحہ بھی رائیگاں نہ جانے دو، کیونکہ دل کی دولت کے اظہار کی لیاقت بنی نوع انسان میں سے ہر ایک کو بخشی گئی ہے۔ اور اس سعادت کی قابلیت ہر ایک فرد بشر کو عطا کی گئی ہے۔ یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کی یاد میں ہمیشگی کرے اور غفلت کی پٹی کو بصیرت کی آنکھ سے دور کرے۔ وہ خدا تعالیٰ کی دوستی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے اور اپنی ذات سے فانی ہو کر حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہوتا ہے۔

پس یہ سب دلیری اور زیاں کاری تو اپنی ذات پر کب تک روا رکھے گا، اور وقتِ عزیز جو عمر کی متاع ہے، کب تک غفلت میں گزاوے گا۔ ذرا اپنے دل میں قیاس کر کہ دنیا میں دوبارہ آنا نہیں ہے کہ اگر پہلی دفعہ ہی تو خدا تعالیٰ کو پاسکے۔ فرصت کا وقت اور مہلت کی گھڑی غنیمت جان کر اس سعادت کو حاصل کر اور اپنے دل کو غیر حق سے آلودہ نہ کر۔

نقل ھے کہ کل قیامت کے دن ایک شخص کہے گا: "اے پروردگار! خداوند تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی: "بس اب مجھے مت پکار"۔ "دُنیا" جو مجھے پہچاننے کا مقام تھا اور جس میں بار بار تجھے ہدایات کی گئیں۔ اس میں تو تُو نے پہچاننے کا نام تک نہ لیا اور ان ہدایات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا (اب اس جہان میں تو اس آیت کا مصداق بن)۔ قولہ تعالیٰ مَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے، وہ عالمِ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اور وہ راستے سے بہت دُور جا پڑے گا)

جاننا چاہیئے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے سب کائنات اور تمام مخلوقات سے بنی نوع

انسان کو بزرگی دے کر، اپنے کمالات کے ظہور کا مقام بنایا ہے تاکہ اس جہان میں بہت ہی طاعتوں اور کسبِ کمالات سے خداوند تعالیٰ کے قرب کی سعادت کو پہنچے، اور اُس وحدہٗ لاشریک خدا تعالیٰ کی ذات اور صفتوں کے ظہور کا محل ہو، لیکن اگر انسان سوائے حصولِ مطلب اور مقصود کے دیکھنے کے، اس جہان سے سدھار جائے، تو پھر تو ہی قیاس کر، کس قدر گھاٹا ہے جو اس نے اٹھایا۔ اور کتنا ٹوٹا ہے جو اس نے پایا۔ واقعی اس سے زیادہ کیا نقصان ہوگا کہ دل کا خلوت کدہ، جو خدا تعالیٰ کے انوار و اسرار کا مقام ہے، شیطانوں کی نشست گاہ ہو جائے۔ اور لالچ و حرص سے آلودہ رہے۔ چنانچہ اس پر ایک موٹی سی مثال پیش کی جاتی ہے:

فرض کرو کہ ایک بادشاہ نے خاص اپنے لیے ایک مکان تعمیر کرایا اور ایک شخص کے حوالے کر کے اس کو حکم دیا کہ اس مکان کو پاک و صاف رکھ۔ اس میں کسی ناواقف اور غیر محرم کو نہ آنے دینا۔ اگر وہ نادان، احمق اور بے عقل آدمی اُس مکان کو بیلوں اور گدھوں کا اصطبل بنا کر ہر قسم کی گندگیوں سے میلا رکھے تو کیا وہ شخص خسروانہ الطاف اور شاہانہ عنایات کا سزاوار ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ شاہی عتاب کا معرضِ خطاب ہوگا۔ اسی طرح سے خداوند تعالیٰ نے انسان کے دل کو اپنا گھر بنایا ہے۔ جو شخص اس کو دنیا کے اندیشوں اور ماسویٰ اللہ کی میل سے گندہ کرے اور رات و دن حرص و ہوا میں بسر کرے، تو وہ کس منہ سے رحمتِ الٰہی کی نظر کا مقرب اور منظور ہو سکتا ہے۔؟ یہی باعث ہے کہ اہلِ معنی لوگوں نے فرما دیا ہے کہ مبتدی کے لیے باطنی اعمال کا شغل، ظاہرِ اعمال سے بدرجہا افضل ہے تاکہ باطنی اعمال اور قطعِ تعلقات بہت جلد حاصل ہوں اور دل، پاک اور روشن ہو کر فیضِ الٰہی کے واردات کے قابل ہو جائے۔

اب دل کے کانوں سے سُن اور ہوش رکھ کہ سب سے افضل ذکر ذکرِ خفی ہے (دل میں خدا تعالیٰ کو یاد کرنا)

افضل الذکر خفی : اس لیے کہ زبانی ذکر سالک کے حق میں اس وقت مفید ہو سکتا ہے۔ جب اس کا دل ماسوی اللہ کے حضور سے پاک ہو گیا ہو، اور وہی وقت ہے جس میں دل اور جسم دونوں کو جمع کر سکتا ہے۔ پس مبتدی کو اس حالت کے حاصل ہو جانے سے پہلے "دل میں یاد کرنا" بہت عمدہ شغل ہے۔ اس لیے کہ دلی یاد کو ایسی خاصیت ہے کہ تمام حالتوں میں بہم پہنچ سکتی ہے۔ اُس کو کسی وقت میں فتور نہیں۔ اور ریا اور مشہوری کی آفت سے کچھ ڈر نہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے: "قیامت کے دن بندہ کو حاضر کریں گے اور اس کے اعمال نامہ میں سے کوئی نیکی برآمد نہ ہوگی۔ حکم ہوگا کہ اے بندہ! تو نے ہم کو دل میں جو یاد کیا تھا۔ وہ جو ایک مخفی خزانہ تیرے قبضے میں ہے (اور ملائکہ کو ارشاد ہو گا) لازمی طور پر اس کو بہشت عنبر سرشت میں لے جاؤ۔"

پس پوشیدہ ذکر یا قلبی یاد، خدا تعالیٰ کے خزانوں میں ایسا خزانہ ہے کہ جو شخص غیروں کی نظر سے اس کو چھپا کر رکھے اور خدا تعالیٰ کی یاد میں پوشیدہ سانس لے کہ اس کی طرح اور کوئی سعادت مند نہیں ہے۔ اگر تجھے کچھ عقل و شعور ہے تو اس حالت کو حاصل کر، اور اس سعادت کی قدر پہچان کہ تجھے قضا و قدر نے ایک عظیم الشان خزانہ عطا کر رکھا ہے اور اس کی چابی تیرے حوالے کر دی ہے۔ اگر تو نے وہ چابی دشمنوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ میں دے دی، جن کے دوسرے نام نفس اور شیطان ہیں تو تیرے حق میں بڑا ہی ٹوٹا اور گھاٹا ہے۔

جب خداوند تعالیٰ نے اپنی معرفت کے اسرار کا خزینہ۔ اور محبت کے انوار کا گنجینہ آدمی کے دل کے محل میں پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور اس محل کو پہلے درجے کی غفلت کے زنگار نے پائمال کرنا شروع کر دیا ہے اور وہ سب اسرار اور انوار خزانہ کی طرح زمین میں دب گئے ہیں یا سورج کی طرح بادل کے نیچے آ گئے ہیں۔ تو اگر تو

اپنے دل کو ذکرِ الٰہی سے صاف و مصفا کرے گا تو جان جائے گا کہ کس قدر عظیم الشان دولت تجھے اپنا ظہور دکھاتی ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے: "خدا تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کی کہ اے داؤد! غفلت میں پڑے ہوئے اندھوں کو کہہ دے کہ اس بات کو خیال میں نہ لائیں کہ دنیا کے خزانوں کے جواہرات آسمان سے اتریں گے یا زمین کی تہہ سے نکلیں گے، بلکہ ہم نے اپنی قدرت اور حکمتِ بالغہ سے، تمہارے دلوں کو ملکوتی جواہرات کے خزانے بنا دیا ہے اور اپنی پاک ذات کے اسرار کے نقدوں کو وہاں امانت رکھ دیا ہے۔"

اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو اس راستے میں بہادرانہ طور پر آ۔ اور ذکرِ الٰہی کی چابی سے غفلت کے تالوں کو کھول۔ اگر اس دولت سے محروم اور اس سعادت سے بے نصیب مرے گا، تو کیا کچھ حسرت و افسوس ہے کہ تو اپنے دل میں لے جاتے گا۔ اس وقت نہ ہی تجھے حسرت سے کچھ فائدہ ہوگا اور نہ ہی شرمندگی سے کچھ نیک نتیجہ نکلے گا۔

نقل ہے کہ کل قیامت کے دن گنہ گار اور مطیع دونوں افسوس اور حسرت کے ساتھ اٹھیں گے۔ گنہ گار اس لیے کہ میں نے خدائے تعالیٰ کی بے فرمانی کیوں کی اور مطیع اس لیے کہ باوجودیکہ مجھ میں قابلیت اور طاقت تھی۔ میں نے ذکرِ الٰہی کیوں نہ کیا اور اپنی ذات کو درجاتِ عالیہ سے محروم رکھا۔ پس اپنی عمر کے دنوں میں سے ہر ایک گھڑی کو غنیمت جان۔ اور اپنے عزیز وقت کو ضائع نہ کر اور لمبی چوڑی آرزوؤں سے باز آ۔ ایک دن ایسا وقت بھی تجھ پر آنے کو ہے کہ سب طاقتیں اور تمام تصرفات عدم کے جنگل میں معدوم ہو جائیں گی، اُس وقت تو کیا کر سکے گا۔ اب تو تمام طاقتیں بحال اور برقرار ہیں اور اپنا کام کر سکتی ہیں۔ اپنے کام میں ذرا سوچ اور ہوشیار ہو کہ زندگی بہت تھوڑی ہے اور سفر بہت ہی لمبا ہے۔ موت کی گھڑی سر پر کھڑی ہے اور ایک ڈراونی جگہ میں جانا ہے۔ وہاں نہ کوئی دوست ہوگا جو دوستی کا حق ادا کر سکے۔ نہ کوئی مددگار ہوگا جو کسی

قسم کی مدد اور دستگیری کر سکے۔ صرف فضل الٰہی اور اعمال نیک کام آئیں گے، تو کس لیے ایسے لاثانی محبوب (خدا تعالیٰ) کو اپنا دوست نہ بنایا جائے کہ اس بے کسی اور بے بسی کی حالت میں فریاد سنے۔ اور اس آڑے وقت میں اور کٹھن گھڑی میں مددگار ہو۔ اگر آج کے دن تو ذکرِ الٰہی کا عادی ہو جائے تو حقیقت میں تجھے دونوں جہان کی دولت اور سعادت مل چکی، کیونکہ دونوں جہانوں کی سعادت، معنوی بھیدوں کا کھلنا، خداوند تعالیٰ کا ملاپ۔ کثرت ذکرِ الٰہی کے سوا کسی اور صورت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب ذکرِ الٰہی کی برکت سے ماسویٰ کی میل سے انسان کا دل پاک صاف ہو جائے اور اس کی صفائی کمال درجے کو پہنچ جائے، تب وہ خدا تعالیٰ کے جمال کا مظہر ہو جاتا ہے اور پاک خدا کی درگاہ کا مقبول۔

اے عزیز! ذکرِ الٰہی ایسی دولت ہے کہ جس نے اس کے ساتھ دل لگایا، تمام بے معنی خرخشوں اور لاطائل جھگڑوں سے الگ ہو گیا۔

ذکرِ الٰہی ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی شراب ہے کہ جب عاشق لوگ اس سے مست ہوتے ہیں تو سو برس کی راہ ایک گھڑی بھر میں طے کرتے ہیں اور جو غیر حق ہے اُس کو بالکل بھول جاتے ہیں۔

نقل ہے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی خدا تعالیٰ کی یاد میں ایسے مستغرق رہتے تھے کہ آپ کا ایک مرید بیس برس تک ہر روز آپ کی خدمت میں جاتا رہا۔ آپ ہر روز اس کو پوچھا کرتے کہ تمہارا نام کیا ہے؟"

ایک دن اُس نے کہا: "اے حضرتِ شیخ! میں بیس برس کے عرصہ سے آپ کی خدمت میں ہوں اور ہر روز جس وقت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، تو آپ میرا نام پوچھتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟"

فرمایا: "اے عزیز! میں تم سے مسخری کی راہ سے نہیں پوچھتا، لیکن جب ایک نام میرے دل پر غالب آ گیا ہے، تو باقی تمام ناموں کو میں نے بھلا دیا ہے۔ جس وقت

تیرا نام لینا چاہتا ہوں، اس نام کی غیرت سے تیرا نام میری یاد سے چوک جاتا ہے ؎

خواہم کہ بیخ صحبتِ اغیار برکنم
در باغِ دل رہا نکنم جز نہال دوست

(ترجمہ) "غیروں کی صحبت کی بیخ اکھاڑنا چاہتا ہوں، اپنے دل کے باغ میں دوست کے پودے کے سوا اور کوئی چیز چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

اے عزیز! جو شخص حق کا طالب ہے، ہر دم اس کے ذکر سے مائل ہے اور اہل اللہ احباب کی ایک جماعت اس بات پر ہے کہ سوائے ذکرِ الٰہی کے خدا تعالیٰ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اب اصل مدّعا ظاہر کیا جاتا ہے:

جاننا چاہیے کہ سب ذکروں سے بہتر اور بڑھ کر کلمہ طیبہ لا الہ الاّ اللہ ہے۔ سالک کے لیے اس کلمۂ طیبہ سے بہتر کوئی ذکر نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے سوائے کسی اور ذکر سے، وقت کی صفائی، خطروں کا دور ہونا۔ دل کا حضور اور ذوق و شوق کی چاشنی حاصل نہیں ہوتی۔ سالک کو چاہیے کہ رات و دن لا الہ الا اللہ کے ذکر میں مشغول رہے تاکہ اس کے بار بار پڑھنے سے توحید کی صورت دل میں بیٹھ جائے اور غیر اللہ کی پکڑ سے دل خلاصی پائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ "اگر کلمہ لا الہ الاّ اللہ کا ثواب ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے، ان سب کو تو کلمۂ طیبہ والے پلڑے کا وزن بہت بھاری پایا جائے گا۔"

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی نے فرمایا ہے کہ "لوگ کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف نہیں ہیں۔ اگر تمام جہان کو ایک بار کلمہ پڑھنے پر بخش دیا جائے اور بہشت میں بھیج دیا جائے تو وہ گنجائش رکھتا ہے۔ اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ کلمہ طیبہ کی برکتیں اگر تمام

جہان میں بانٹ دیں، تو ہمیشہ تک سب کو کفایت کرتی اور تر و تازہ رکھتی ہیں اور انسان جان لیتا ہے کہ کفر اور کدورت کے دُور کرنے کے لیے کلمہ طیبہ سے بہتر اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔ اس لیے کہ ابدی سعادت اور ہمیشہ کی دولت کی چابی یہی کلمہ طیبہ ہے، یعنی لا الٰہ الا اللہ۔ کیا ہی اچھی سے اچھی نعمت ہے کہ جو فتح ہے، اسی سے ہے اور جو بھید ہے، اسی سے (حل ہوتا) ہے اور طالب کے مطلب کا ظہور بھی اسی پر موقوف ہے۔ اگر تجھ میں ہوش رسا اور سُننے کے کان ہیں، تو اس ذکر کی فضیلت مفصلۃ الذیل حدیث سے سُن:

عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دلنی علیٰ اقرب الطرق الی اللہ تعالیٰ وافضلھا عند اللہ وا سھلھا علی عباد اللہ تعالیٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یا علی بما وصلت بالنبوۃ فقال وما ذالک یارسول اللہ قال بمداومت الذکر فی الخلوت قال یارسول اللہ ھٰکذا فضیلۃ الذکر وکل الناس ذاکرون قال یاعلی لاتقوم الساعت علی الارض من یقول اللہ ثم قال علی کیف اذکر یارسول اللہ قال اسمع منی حتی قولھا ثلث فانت تسمع اقلھا ثلثا وانا اسمع ثم قال یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔

(ترجمہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا طریقہ عمل ارشاد فرمایئے جو اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرنے والا ہو اور اس کے حضور میں بہت ہی بزرگ ہو۔

اور بندوں کے لیے زیادہ آسان ہو۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے علی! آپ کو خبر ہے کہ کس چیز کے ذریعے سے میں درجہ نبوت تک پہنچا؟" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "اے اللہ کے رسول! ذکر فی الحقیقت ایسی ہی ہے، حالانکہ سب لوگ ذکر ہی کرتے ہیں۔" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "روئے زمین پر جب تک کوئی اللہ کہتا رہے گا قیامت برپا نہ ہوگی۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "اے اللہ کے رسول! میں کیونکر ذکر کروں؟" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مجھ سے سُن! یہاں تک کہ میں اسکو تین دفعہ پڑھوں، پھر تو اس کو تین دفعہ پڑھ اور میں سنوں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه - لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه - لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه"

پس طالبِ حق کو چاہیے کہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کلمہ طیبہ کے ذکر میں مشغول ہو تاکہ اس کی برکت سے دل کو تفرقے اور خطروں کے ہجوم سے نجات پاکر تسلی کے جھولے میں آرام سے بسر کرے اور دنیا کے تمام لاطائل فکروں سے خالی ہو کر قربِ الٰہی کی سعادت تک پہنچے۔ اس لیے کہ کوئی چیز سالک کے حق میں دل کے تفرقہ اور خطروں کے ہجوم سے زیادہ دُکھ دینے اور ہلاک کرنے والی نہیں ہے۔

اے عزیز! یہی کلمہ طیبہ ہے کہ سو برس کے کافر کو ایک بار پڑھنے سے دوزخ کی آگ سے نجات دیتا ہے اور بہشت کا مستحق کرتا ہے۔

یہی کلمہ ہے جو دردمندوں کے زخموں کی مرہم اور مسکینوں کے دُکھ کی دوا ہے۔

یہی کلمہ ہے جو عاشقوں کا شغل اور مشتاقوں کی جان کا غم گسار ہے۔

یہی کلمہ ہے جو اس راستہ کے چلنے والے کو اپنے سے دُور اور خدا تعالیٰ کے نزدیک کرتا ہے۔

یہی کلمہ ہے جو (انسان کے) دل کے گھر کو لَا کے جھاڑو سے جھاڑ کر پاک وصاف

کرتا ہے اور سالک کو غیروں کی پکڑ سے چھڑا کر از خود رفتہ کرتا ہے ؎

تا بجاروب لا نہ روبی راہ

نہ رسی در سرائے اِلَّا اللہ

(ترجمہ) "جب تک تو (حرف) لا کی جاروب سے راستہ کو صاف نہ کرے

الا اللہ کے عالی شان مکان میں نہیں پہنچے گا۔"

چنانچہ سب طبقے کے مشائخوں نے، الفاظ اور معانی دونوں کے ساتھ فرمایا اور لکھ دیا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے طالب کو تمام ذکروں سے کلمہ طیبہ کا ذکر بہت بہتر ہے۔

حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتی قدس سرہٗ نے فرمایا؟ وہ پورے سات برس رات دن گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اسی ذکر کا شغل کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی ذکر کی برکت سے ان کو اپنی درگاہ کا مقرب اور مقبول بنایا۔

حضرت شیخ نظام الدین تھانیسری قدس سرہٗ ابتدائے سلوک میں ہر روز بیس ہزار دفعہ کلمہ طیبہ ذکر ظاہر اور پوشیدہ کیا کرتے تھے۔ تب اس ذکر کی برکت سے اُن کو خداوند تعالیٰ کی طرف کشش ہوئی اور کامل ہو گئے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی نے نفی اثبات قلبی کے سوائے کلمہ طیبہ کا پانچ ہزار دفعہ ہر روز میں ذکر مقرر کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ان کے مبارک طریقہ میں ابھی تک یہی سنت جاری ہے اور (ماسوا ان کے) دیگر اولیاء اہلِ باطن بھی گوشہ تنہائی میں اس ذکر کا شغل رکھتے تھے یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس ذکر کی برکت سے عرشِ بریں سے لے کر فرشِ زمین تک ان کے لیے سب کچھ نورٌ علیٰ نور کر دیا اور مقامِ اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا۔

اے سعادت کے طلب گارو! غفلت کی رُوئی ہوش کے کانوں سے نکال کر اس سعادت کو حاصل کرو اور یادِ حق کے سوائے کسی اور کام میں مشغول نہ ہو، کیونکہ خدا تعالیٰ کی یاد کے سوائے کسی اور کام میں مشغول رہنے میں گھاٹا کھانے یا ٹوٹا اٹھانے کے سوا

اور کچھ حاصل نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ عمر کی متاعِ بیہودہ کاموں میں ہار دینا، اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہنا ہوشمندوں کا کام نہیں ہے۔ اور بیش قیمت اور لاثانی موتی کو ہاتھ سے دے کر، کوڑیوں کو اٹھانا نہ تو ہوشمندوں کا کام ہے، نہ ہی عقلمندوں کا طریق ہے۔ ہر ایک عقلمند کو لازم ہے کہ اپنے دل کے گھر کو جو بزرگ اور بلند خدا تعالیٰ کے جمال کا جائے ظہور ہے، پاک و صاف رکھے تاکہ اس شاہنشاہِ بے مثل کا اس میں نزول اور ہمیشہ کی دولت اور سعادت اس کو اپنا چہرہ دکھلائے۔

لیکن افضل اور انسب یہی ہے کہ کسی کامل مرد ولی اللہ سے اس ذکر کی اجازت حاصل کرے تاکہ بہت جلد اس کا نتیجہ ظہور میں آئے۔

مثلاً جو درخت باغبان لگاتا ہے اور اس کو پیوند کرتا ہے، اور پھر اس کی پرورش کرتا ہے، تو اُس درخت کا میوہ نہایت لطیف اور شیریں پیدا ہوتا ہے اور شاہنشاہوں کی نظر کے قابل ہوتا ہے۔

لیکن وہ درخت جو خودرو ہوتا ہے، اگرچہ میوہ اس میں بھی لگتا ہے، لیکن وہ میوہ اس قدر مٹھاس اور لذت نہیں دیتا۔ اسی طرح سے بزرگوں کی اجازت میں اثر اور تاثیر ہے۔

کتاب نفحات میں مذکور ہے کہ شمس الدین صفی امام جامع مسجد شیراز اکابر صلحاء میں سے تھے اور اپنے سب وقتوں کو ذکرِ الٰہی، تلاوتِ قرآن مجید اور ہر ایک قسم کی عبادتوں میں آباد رکھتے تھے، لیکن کسی استادِ کامل سے یہ ذکر انہوں نے نہیں سیکھا تھا۔ ایک دن جبکہ وہ ذکر کر رہے تھے تو اپنی صورت کو نور کی مجسّم شکل میں دیکھا کہ منہ سے الگ ہو کر زمین کی طرف جاتی ہے۔ دل میں سوچا کہ یہ (میرے لیے) اچھی علامت نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف نشان دیتی ہے اور یہ نقصان محض اس لیے ہے کہ کسی شیخ نے یہ ذکر مجھے تلقین نہیں کیا۔ پس شیخ روزبہان بقلی قدس سرہٗ کے ایک مرید کی طرف رجوع کیا اور ان سے ذکر کرنا سیکھا۔ اسی رات کو اثنائے ذکر میں اپنی ذات کو نور کی شکل میں دیکھا کہ اوپر کی طرف

جاتی ہے اور آسمان کو پھاڑتی ہے۔

اس کے بعد سب مشائخین کے سردار حضرت شیخ شہاب الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں جاملے اور درجۂ تکمیل حاصل کیا۔

پس جو شخص اس سعادت کو ازلی سعادت کی بدولت کسی بزرگ سے حاصل کرے تو اسے چاہیے کہ پورے اخلاص اور حضورِ دل کے ساتھ اس ذکر میں مشغول ہو۔ اور اخلاص کی تعریف یہ ہے کہ خدا سے سوائے خدا کے کچھ نہ مانگے۔ نہ ہی بہشتی حوریں اور نہ ہی موتیوں کے محل اور نہ ہی دُنیا کا مال و مرتبہ۔ القصہ دنیا کی اور آخرت کی کوئی چیز نہ مانگے۔ اور سوائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طلب کے کوئی مطلب اپنے دل میں نہ رکھے۔ جب تو نے خدا تعالیٰ کو پالیا، تو سب چیزوں کو پالیا،

من لہ المولی فلہ الکل (جس کے لیے خدا تعالیٰ ہے، اس کے لیے سب کچھ ہے)

محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی، شہبازِ لامکانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ السامی نے مناجات میں باری تعالیٰ سے پوچھا: "خدایا! تیرے نزدیک سب سے عمدہ عمل کونسا ہے؟" خداوند تعالیٰ نے فرمایا: "وہ عمل جس میں میری بھلائی کو دخل نہ ہو" کیونکہ جو عبادت بہشت کی تمنا یا دوزخ کے ڈر سے ہوتی ہے، اُس عبادت میں غیر خدا (مقصود) ہوتا ہے۔ اور کمال اخلاص یہی ہے کہ خدا سے سوائے خدا کے اور کچھ نہ مانگے۔ جس عبادت میں اخلاص نہ ہو، وہ عارفوں کے نزدیک گناہ کے برابر ہے۔ اور عاشقوں اور زاہدوں کے درمیان یہی فرق ہے کہ عاشق لوگ خدا تعالیٰ کو خدا تعالیٰ کے لیے پوجتے ہیں اور زاہد لوگ اپنے لالچ کے لیے۔

اے عزیز! ہر ایک عمل میں جس قدر اخلاص اور محبت ہو، اسی قدر پھل ملتا ہے۔ جس کو اعمال میں زیادہ تر اخلاص ہے، اُسی قدر زیادہ مقبولیت زیادہ ہے اور (اس کے لیے) روحانی خوشیاں اور غیبی فتحیں بہت ہی بڑھ کر ہیں۔

نقل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا، "خدا تعالیٰ نے تیرے کونسے عمل اور فعل کو سب سے زیادہ پسند کیا کہ تجھ کو علومِ غیبی سے واقف کیا؟" حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے جو عمل کیا، اُس کے اجر کا طمع نہیں رکھا۔ ناچار اُس بے مثل عطا کنندہ نے اتنی نعمت عطا فرمائی کہ وہ ہرگز ہرگز کسی گنتی میں نہیں آسکتی۔"

پس سالک کو لازم ہے کہ مزدوری کے طور پر بندگی نہ کرے، بلکہ مزدوری کے اجر کو خداوند تعالیٰ پر چھوڑے۔ وہ جس طرح سے بہتر سمجھتا ہے، دیتا ہے۔ اگر بندگی محض خدا تعالیٰ کے لیے ہی ہو اور سوائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اور کچھ بھی منظورِ نظر نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ وہ دو چیزیں اور نعمتیں عطا فرماتا ہے جو کبھی وہم و گمان میں بھی نہ گذری ہوں ؎

تو بندگی چو اجیران بشرطِ مزد مکن
کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

(ترجمہ) "تو مزدوروں کی طرح اُجرت کے لالچ پر عبادت نہ کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بندہ پروری کا ڈھنگ بہت عمدہ طور پر آتا ہے۔"

بلکہ عاشقوں کے نزدیک اگر کوئی عمل نہ کرے، تو وہ اس شخص سے اچھا ہے جو کہ عمل کر کے اُس کے اجر کا لالچ رکھے۔

صاحبِ لمعات قدس سرہٗ نے کہا: "عاشق کو چاہیے کہ معشوق کے ساتھ بے غرضانہ محبت صحبت رکھے اور اپنی من بھاتی بات کو درمیان میں سے اٹھا دے اور سب کام کاج اُسی کی مرضی پر چھوڑ دے تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ کی صحبت کی لیاقت (اُس میں) پیدا ہو جائے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی صحبت کی لیاقت کی تعریف حسبِ ذیل ہے یعنی ماسوائے کی میل یا کدورت سے دل کو پاک صاف کرے۔"

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی فرماتے تھے: "جو کچھ ہم نے اختیار کیا ہے، تو وہ یہ ہے کہ بمصداق آیتِ کریمہ اذکرونی (تم مجھے یاد کرو) اپنے وقتوں کو

اُس پاک خدا کی یاد میں ہمہ تن صرف کر دو تاکہ وہ تم کو بمصداق آیہ کریمہ اُذْكُرُوْنِيْ أَذْكُرْكُمْ (میں تمہیں یاد کروں گا) اپنی بخشش سے یاد فرمائے۔ جس طرح کہ اس نے یاد کا وعدہ فرما دیا ہے۔

اور (لازم ہے کہ) مکاشفات کے حالات حاصل کرنے کی غرض سے ذکر نہ کرو اور کسی مطلب کو اپنی خیالی وقت میں جگہ نہ دو اور بے غرضانہ بلکہ دل وجان سے اس کا احسان یقین کر کے ذکر اور عبودیت میں مشغول ہو جاؤ۔

پس جس شخص نے خدا تعالیٰ سے غیر حق کی درخواست کی، وہ پست ہمت ہے۔ اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو وہ دونوں جہانوں سے اپنا دل روک کر ہمہ تن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو جا اور کلمہ طیبہ کے ذکر میں اپنے تئیں مصروف رکھ ؎

عاشقاں جان و دل نثار کنند — برسرِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه
افضل و بہترین ذکرِ خدا — کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه

(ترجمہ) "جو لوگ خدا تعالیٰ کے سچے عاشق ہیں، وہ اپنی دل وجان کو لا الہ الا اللہ پر قربان کر دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ذکر افضل اور بہتر کلمہ لا الہ الا اللہ ہے۔"

- لیکن اس بات کو یقین دل سے جان کہ اگر خدا تعالیٰ کی یاد سے منظور کوئی لالچ دُنیاوی لالچوں سے ہو، یا کشف و کرامات دکھانا، یا شیخی مشائخی مدِ نظر ہو کہ لوگ مجھے بزرگ جانیں، تو ایسی یاد جو کہ پھر فائدہ نہیں دیتی اور عالمِ عرفان سے (اس کے) دل وجان کے مغز میں بُو تک نہیں پہنچتی اور کسی حال میں بھی باطنی پردہ اٹھا کر قربِ الٰہی کا موجب نہیں ہوگی۔

اگر تجھے یہ منظور ہے کہ تقرب الی اللہ کی دولت کا شرف حاصل ہو تو اس کلمہ طیبہ کا ذکر صدق و اخلاص کی رُو سے اور حضورِ دل کے ساتھ کیا کر۔ اور ہوش میں آ کر اس قیمتی اور لاثانی اسباب کو، بچوں کی طرح ریوڑی اور مٹھائی کے عوض نہ بیچ دے، کیونکہ اس کی قیمت اس قدر بھاری ہے کہ دونوں جہان بھی اس کے برابر نہیں تُل نہیں سکتے۔ ایسا نہ ہو کہ گھر کے مالک کو ہی گھر کے عوض میں بیچ دے، اس لیے کہ عاشقوں کے نزدیک اس کلمہ کے ذکر سے

ہزار ہا فردوس بریں اعلیٰ اور نقد قیمت ہیں۔ اس عاشقانہ رمز کو سیکھ اور اُس عارفانہ بات کو نگہ رکھ۔ اب یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کلمہ طیبہ کا سانس بند کرنے سے ذکر کرنا جس کو نفی اثبات کہتے ہیں، باطن کو ماسویٰ کے خطروں اور دنیا کے شغلوں سے بہت جلد پاک و صاف کرتا ہے اور دل کے شیشے کو فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کے قابل بناتا ہے اور نفی و اثبات کا طریق اس ترتیب سے ہے کہ زبان کو تالو سے، اور ہونٹ کو ہونٹ سے چسپاں کر کے اور دَم کو ناف کے نیچے بند کر کے اور فکر و اندیشہ کی باگ کو تمام طرفوں سے روک کر، دل کی طرف کہ پستان کے نیچے دو انگل جانب چپ واقع ہے۔ ہر ایک طرح سے دل کے حضور سے متوجہ ہو اور کلمہ لاؔ کے معنوں کو ناف سے لے کر سر کی بلندی تک کھینچ کر کلمہ اللہ کو دائیں طرف لائے اور اپنے سب مطلبوں کی نفی کر کے اور ماسوی اللہ کو فانی یقین کر کے کلمہ اِلاَّ اللہ کو باقی جان کر مذکورہ وجدان اور نوری طاقت سے ان معنوں کو سمجھے اور بائیں طرف اپنے صنوبری شکل کے دل پر لگائے۔ اور اپنے تمام وقتوں کو اس ذکر میں رکھے تاکہ خدا تعالیٰ کے فضل کی ہوا چلنے لگے اور اس ذکر کا نتیجہ اپنا منہ دکھائے۔

اور حبسِ نفس (سانس بند کرنے) کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، جس طرح نماز کے (رُکن) جلسہ میں بیٹھتا ہے اور قبلہ رُو ہو کر بیٹھے اور سر کو اس طرح جھکا دے جیسے رکوع میں جھکاتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ جھکا دے اور دونوں رانوں کو تھوڑا سا زمین سے اٹھا کر پُوری طاقت سے سانس کو منہ کے راستے سے نکالے اور پھر اندر لے جائے اور ناف کے نیچے بند کرے اور نفی و اثبات کا ذکر جس طریق میں اوپر بیان کیا گیا ہے مشغول ہو، اور سانس لینے کے وقت دونوں انگلیوں سے ناک بند کر کے منہ کے راستے سے آہستہ آہستہ سانس چھوڑے (یعنی سختی سے سانس لے اور آہستگی سے چھوڑے) اور اسی طرح سے از سرِ نو لیتا رہے اور ذکر میں مشغول رہے تاکہ اس کی گرمی اور حرارت سے ذوق و شوق بڑھے اور ماسویٰ درمیان سے اٹھ جائے اور دل کے حضور روشنی تازہ بتازہ رہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ ان مطالب کے حصول میں پوری کوشش اور احتیاط عمل میں لائے کہ لطیفہ مدرکہ ایک آن میں شرق سے غرب تک چلا جاتا ہے اور دنیا کے کاموں کے تفکرات جو سوچا کرتا ہے۔ اپنے وجود سے بالکل الگ کر دے کہ توجہ منتشر نہ ہو جائے۔

اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی اگرچہ شریعت میں "کوئی معبود نہیں ہے، مگر اللہ" مقرر ہیں، لیکن طریقت کے مشائخوں اور حقیقت کے آگاس کے شاہبازوں کے نزدیک معنی یہ ہیں:

"کوئی مقصود نہیں ہے سوائے اللہ کے، اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے،

اور کوئی وجود نہیں ہے سوائے اللہ کے۔"

لیکن سالک کو نفی واثبات کے ذکر میں اُس طریق پر جس کا بیان ہو چکا ہے "نہیں کوئی مقصود مگر اللہ" کے مطلب پر تصور کرنا چاہیئے اور باقی تمام مقاصد کی نفی تاکہ ایک مقصود الا اللہ کے تصور کے سوائے اور کوئی مقصد دل میں نہ رہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا طالب اس وقت تک اپنے مطلب کو نہیں پہنچتا، جب تک کہ دونوں جہان کے مقاصد کو نہ چھوڑ دے، اور اپنے دل کو تمام ہوا و ہوس سے خالی نہ کرے۔ اسی واسطے طریقت کے مشائخوں اور حقیقت کے راستے کے چلنے والوں نے کہا ہے جو تیرا مقصود ہے، وہی تیرا معبود ہے۔ اور جو تیری حرص و ہوا ہے، وہی تیرا خدا ہے قولہٗ تعالیٰ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اللّٰهُ هَوَاهُ (ترجمہ: "اے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ نے اس کو دیکھا جس نے ہوا و ہوس کو اپنا مقصود بنا لیا ہے۔"

پس سالک کو چاہیئے کہ جو مقصود سوائے حق کے ہو، اس کو دل سے نکال دے اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تاکہ اس پر بندگی کی حقیقت خوب ثابت ہو جائے اور ذکر و فکر کی بدولت دل ماسوائے کے خطروں سے پاک وصاف ہو جائے ؎

غیر حق ہر ذرہ کاں مقصود تست
تیغ لا بر کش کہ آں معبود تست

(ترجمہ) "ماسوا کا ایک ایک ذرہ جو تیرا مقصود ہے، اس پر لا کی تلوار کھینچ، کیونکہ وُہی تیرا مقصود ہے۔"

اے عزیز! اس بات کو یقینِ دل سے جان کہ خدا تعالیٰ کی پہچان کا حصہ اس شخص کے نصیب میں ہے جو ایک لمحہ بھر بھی اس ذکر سے غافل نہ ہو اور ماسوائے خس و خاشاک جو دل میں راہ پائیں ان کو لا کی تلوار سے کاٹ دے اور اپنے پُر بہار میدان میں سوائے دوست کے نام کے پودے کے نہ لگائے، تاکہ لطائفِ اسرار کی نسیم کے جھونکوں سے اور عالمِ عرفاں کی ہواؤں میں سے بُو، اس کی جان کے مغز میں پہنچے۔

جب تجھے کلمہ طیبہ کے ذکر کی فضیلت اور حبسِ نفس کے ساتھ نفی و اثبات کا طریق معلوم ہو چکا۔ تو اب اسم ذات کی حقیقت کو سُن! کیونکہ سب ذکروں سے بہتر اور افضل خدا تعالیٰ کی ذات کے اسم کا ذکر ہے۔ اور وہ قلبی ذکر ہے جو اس راستہ کے بزرگوں میں سے کسی بزرگ کی توجہ سے حاصل ہوتا ہے اور جس کے ہمیشہ کرنے سے تمام بلند مرتبے اور اعلیٰ مقاصد میسر آتے ہیں اور اس ذکر کی ہمیشگی اس طرح سے ہے کہ سانس کے نکالنے اور بند کرنے میں ہوشیار رہے اور باطنی حِسّوں کو اکٹھا کرے اور توجہ ایک طرف لگا کر صنوبری دل کو ذکرِ الٰہی میں حرکت دے، یعنی دونوں سانسوں کے لینے کے درمیان ذاتِ پاک اللہ کو دل میں کہے اور پورے شوق کے ساتھ مقصود کو ڈھونڈھے۔ یہاں تک کہ تمام لطیفوں سے شیخِ کامل کے ارشاد اور توجہ سے اسم ذات کا ذکر جاری ہو جائے، اس لیے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا ایک ایسا اسمِ اعظم ہے کہ اس کی برکت اور عظمت سے وحدتِ حقیقی کا نور ظاہر ہو جاتا ہے اور بصیرت کے دریچے سے انسان کا مقصود جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

حضرت یحییٰ معاذ قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ "اے داؤد! جو شخص دُنیا کو ترک کر کے کچھ اندیشہ نہیں کرتا اور اپنے دل کو میرے ذکر کے لیے فارغ کرتا ہے اور مجھ میں مشغول ہو جاتا ہے تو میں جو خداوند ہوں، اُس

حجاب کو جو میرے اور اس کے درمیان ہے، اٹھا دیتا ہوں۔ سو جب حجاب کو اٹھا دیتا ہوں، تو اس کے دل کی آنکھ میری طرف دیکھتی ہے۔ پھر اس کو اپنے بہت نزدیک کرتا ہوں اور کرامت عطا فرماتا ہوں۔ جب وہ بیمار ہوتا ہے، تو اس کی بیمار پرسی کرتا ہوں۔ جب وہ گرسنہ (بھوکا) ہو تو اسے کھلا دیتا ہوں۔ جب پیاسا ہوتا ہے تو اس کو پانی پلاتا ہوں۔ جب اپنے بندے کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہوں، تو اُس کے نفس کو دنیا اور اہلِ دنیا سے چھڑا لیتا ہوں اور کوئی چیز اُس کو خوش نہیں کرتی جیسا کہ میری طرف دیکھنا اُس کو خوش کرتا ہے۔"

لیکن یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی یاد میں پہلے درجے کی فنا اور محویت پیدا ہو جائے اور ذکر کے غلبہ سے غیر کا خیال دل سے بالکل اٹھ جائے اور جب زیادہ کرنے سے ایک بلند مقام دکھائی دیتا ہے۔ تو سالک خداوند تعالیٰ کے جمال کے مشاہدہ مستغرق ہو جاتا ہے اور اس مقام کی نسبت ذکر ایک ادنیٰ درجہ پر معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ جو مطلب ذکر کرنے سے تھا وہ حاصل ہو چکا اور غفلت جو تمام بدبختیوں کی متاع تھی، جاتی رہی۔

نقل ہے کہ ایک دن شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سید الطائفہ قدس سرہٗ کی صحبت میں بلند آواز سے اللہ کہا۔ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا: "غیبت (گلہ گذاری) حرام ہے، یعنی اُس وقت تُو حاضر نہ تھا کہ تو نے اللہ کہا۔ اگر تو حاضر ہوتا، تو اللہ کب کہتا۔

اسم خواندی رَو مسمّےٰ را بجو	مہ ببالا دان بداں در آب جو
پس زجاناں وصل جاناں کن طلب	بے لب و بے کام مے گو نام رب

(ترجمہ) "تو نے نام پڑھا تو جس کا نام ہے، اس کی طرف جا۔ چاند کو اوپر سے دیکھ نہر میں (اُس کا عکس) کیا تلاش کرتا ہے۔ معشوق سے معشوق کا وصال طلب کر۔ پروردگار کا نام لب و تالو ہلانے کے سوا پکار۔"

یعنی اسم سے مسمّیٰ کی طرف مشغول ہو اور یاد کرنے کی بہ نسبت یاد رکھنے میں مصروف ہو اور یادداشت کے یہ معنی ہیں کہ لب و زبان کو حرکت دیئے بغیر حق تعالیٰ سبحانہٗ کے حضور

میں حاضر اور اس کی درگاہ سے آگاہ ہو، اور ایسی زبان سے یاد کرے جس کی زبان ہی نہیں۔ تاکہ ہمیشہ خدا اور رسول کا استغراق اپنا منہ دکھائے اور کھلے طور پر حضورِ دل حاصل ہو اور اس حدیثِ قدسی کا بھید اس مقام پر ظاہر ہو جاتا ہے:

اَنَا جَلِیسُ مَن ذَکَرَنِی (جس نے مجھے یاد کیا، میں اس کا ہم نشین ہوں)

اور جاننا چاہیے کہ ذکر سے مراد حقیقت ذکر ہے جو ماسوی اللہ کو بھول جانا ہے اور ہم نشینی سے مراد خلوتِ دل ہے کہ جہاں غیر حق کو گنجائش نہ ہو، یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور حضور اس طرح سے ہو کہ بولنا اور خیال کرنا بالکل جاتا رہے اور غیروں کے نقش دل کے صفحہ سے کھرچے جائیں اور دل کا قبلہ سوائے خدائے واحد کے اور کوئی نہ رہے۔ اور اس مطلب کو طریقۂ نقشبندیہ قدس سرہٗ ارواحہم میں ذکر خفی اور وقوفِ قلبی اور توجہ بوجہ خاص اور شہود و وصول کہتے ہیں۔ اور وقوفِ قلبی کی حقیقت کو حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے (اللہ تعالیٰ اس کے بھیدوں کو پاک کرے گا) اپنے پاک کلمات میں خود بذاتہٖ رقم کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں آگاہی اور حضورِ دل سے یہ مراد ہے کہ کسی وجہ سے دل کو پکڑا اور علاقہ غیر حق کے ساتھ نہ رہے۔ جب بندہ غیر حق سے قطع تعلق کر لے اور واصل بحق ہو جاتے اور پھر جب یہ نسبت ایک عادت ہو جاتے اور مداومت قبول کر لے، تو اس وقت سالک فنا کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اور یہ مقام بہت ہی عالی اور بلند ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز فرماتے تھے: ذکرِ قلبی سے مراد حضور اور شہود ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کی درگاہ میں جب یہ مطلب حاصل ہو جاتا ہے اور دل کو غیروں کی حاضری سے خلاص کرتا ہے، تو حضور کا ذکر چھوڑ کر اُس کی نگہبانی کرتا ہے۔ اور اگر یہ نسبت جاتی رہے، تو پھر ذکر کو شروع کرتے ہیں اور اس وقت تک لگے رہتے ہیں جب درست ثبات پیدا نہ کرے۔ اس وقت تک ذکر کو اس کے ساتھ جمع کر کے خدا تعالیٰ کی بے انتہا عنایتوں کے منتظر رہتے ہیں۔

چوتھا مقصد

(۱) خدا تعالیٰ کی درگاہ کا حضور۔

(۲) علم کی حقیقت۔

(۳) اولیاء اللہ کی صحبت کے فائدے اور آداب۔

(۴) مراقبہ کی حقیقت۔

(۵) دل کی حقیقت۔

(۶) کشف و کرامات کی حقیقت۔

(۷) خدا تعالیٰ کی درگاہ میں گریہ وزاری کرنے اور اپنی ذات کے توڑنے کی فضیلت میں۔

(۸) اہل اللہ کے پہچاننے اور دلوں کی تمیز کرنے میں۔

(۹) کئی ایک دیگر فائدے۔

اے عزیز! جاننا چاہیے کہ ذکرِ الٰہی سے مرادِ اصلی یہ ہے کہ غفلت جاتی رہے اور دل ہمیشہ ذوق و شوق کے راستے پر حق سبحانہ و تعالیٰ کے حضور میں مستغرق رہے۔ جب باطن کی آنکھ کھل جاتے اور دل کا شیشہ غیروں کے غبار سے صاف و مصفا ہو جائے، تو فنا کے سمندر میں مٹ کر فانی ہو جاتے؛ اور لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ (میں نہ زمین کو سماتا ہوں نہ آسمان کو، لیکن اپنے مومن بندے کے دل کو) کے معنی ظاہر ہو جائیں۔ پھر اُس جگہ نہ ذکر رہتا ہے نہ ذکر کرنے والا، بلکہ ذکر حدیثِ نفس ہو جاتا ہے اور ذکر سے اصلی مطلب بھی انہیں معنوں کا ظہور ہے، کیونکہ ذکر، ذکر کرنے والے کا مشاہدۂ مذکور میں فنا ہونا ہے۔ سو جب حقیقی فنا حاصل ہو گیا، تو سالک وہاں پہنچ جاتا ہے کہ کہنے سننے میں نہیں آتا اور ترازو میں نہیں تُلتا۔

ذکرِ ذاکر محو گردد بالتمام
جملگی مذکور باشد والسلام

(ذکر کرنے والے کا ذکر بالکل مٹ جاتا ہے۔ یہ سب کا سب مذکور ہو گیا اور بس)

نقل ہے کہ ایک درویشوں کی جماعت، خراسان میں ابو بکر قبطی کے پاس آئی اور آپ نے ان سے پوچھا" تمہارا شیخ تمہیں کیا ارشاد فرماتا ہے؟" ابو عثمان جری نے کہا: "وہ ہم کو یہ فرماتا ہے کہ ہم طاعت بہت کریں اور اپنے تئیں قصور وار دیکھیں۔"

ابو بکر قبطی قدس سرہ' دیح "ویح" (پھٹے سے مُنہ) تم کو یہ کیوں نہ فرمایا کہ "اس شخص میں اپنے وجود کو غائب کر دو جو تم کو طاعت کی توفیق دیتا ہے۔ اسی لیے اس راستے کے کاملوں نے کہا ہے کہ عارف وہ ہے جو ہو ہی نہیں۔ اور اگر ہو تو وہ عارف نہیں ہے۔"

حضرت ابو بکر شقاقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا، ہر دم ذکر کیا کر۔ سجدے کہ غنیمت کی حالت ظاہر ہو اور غیبت جاتی رہے اور تو اس مرتبہ تک پہنچے کہ ذکر میں ہی تو فانی اور ہلاک ہو جائے اور اپنے مظہر میں تو سوائے حق کے کسی کو نہ پائے اور یہ درجہ کمال فنا کا ہے۔ اس مقام پر انا جلیس من ذکرنی (میں اس کا ہم نشین ہو جاتا ہوں جو میرا ذکر کرے) ظاہر ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ ہر ایک چیز کا ایک ثمرہ یا پھل ہوتا ہے، لیکن ذکرِ الٰہی کا پھل ماسوی اللہ کو بھول جانا ہے اور ماسوی اللہ کو بھول جانے کا پھل استغراق اور بے خودی ہے، مثلاً شعور سے بے خود ہو جانا اور حق سبحانہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا۔

نقل ہے کہ ایک درویش، شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہ' کی خانقاہ میں بیمار تھا۔ نزع کا وقت آپہنچا اور جان نکلنے کی سختی نے دیر لگائی۔ لوگوں نے یہ خبر شیخ موصوف کو دی۔ اور شیخ موصوف اس کے حجرہ میں آیا۔ اور کہا اے درویش! آنکھ کھول اور میری طرف دیکھ۔ جب درویش مذکور نے شیخ موصوف کی طرف دیکھا تو جان بحق تسلیم کی۔ حاضرین نے پوچھا: "اے شیخ! اس میں کیا حکمت تھی؟" فرمایا: "تین دن کا

عرصہ ہوا ہے کہ یہ درویش بھلا چنگا تھا اور خداوند تعالیٰ کے مشاہدہ میں ایسا محو اور مستغرق تھا کہ ملک الموت کی یہ طاقت نہ تھی کہ اس کے نزدیک آتے اور اس کی روح قبض کرے۔ جب میں اس کے پاس آیا اور اس نے میری طرف دھیان کیا۔ تب ملک الموت نے دیکھا کہ اب درویش کی توجہ غیر اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ فوراً اس کی رُوح قبض کی۔"

سُبحان اللہ! خدائے واحد کے مقرب اور مقبول لوگ حضورِ الٰہی میں کیسے مستغرق تھے کہ ملک الموت بھی تین دن تک ان کی روح قبض کرنے کی فرصت نہ پاتا تھا۔ پس خدا تعالیٰ کے طالب کو لازم ہے کہ اپنی مشغولی میں تمام وقت محو اور مستغرق رہے تاکہ فنا اور بے خودی کا غلبہ ہو اور کمال استغراق سے کسی وقت بھی آنکھ نہ کھولے، لیکن پرلے درجے کی فنا اور مٹ جانا موقوف ہے ماسوی اللہ سے دل کے اخلاص ہونے اور خدا تعالیٰ کی یاد میں ہمیشہ مستغرق رہنے سے، یہاں تک کہ ایک لحظہ بھی غافل نہ ہو اور ایک دم بھر بھی خدا تعالیٰ سے غائب نہ ہو اور غیر اللہ کے ساتھ ہرگز ہرگز خوگیر نہ ہو جیسے ایک شیر خوار بچہ جو ہر وقت اپنی ماں کی گود میں رہتا ہے۔ اگر ایک دم بھر بھی اس سے جدا ہو تو روتا، چلاتا اور بے قرار ہوتا ہے۔ اگر یہ جدائی کچھ زیادہ دیر تک رہے تو کیا عجب ہے کہ جدائی کے غم سے ہلاک بھی ہو جائے۔

ایسے ہی سالک کو بھی چاہیے کہ ایک دم بھی خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے۔ اگر غافل ہو جائے تو ایسا جانے کہ گویا دونوں جہان کی بادشاہت مجھ سے چھن گئی ہے۔ پس عجز و نیاز اور سوز و گداز سے گریہ وزاری کرنے لگے اور اندوہناک ہو جائے۔ اور جب تک کہ اپنے اُسی وقت پر نہ پہنچے اور اپنے مطلب کو آغوش میں نہ لے ہرگز ہرگز آرام و قرار نہ پکڑے، اس لیے کہ محبوب کے حضور سے ایک گھڑی کی جُدائی لاکھ پردہ اور حجاب لاتی ہے اور محبت کو بہت دور ڈالتی ہے جس طرح کہ بزرگوں نے فرمایا ہے:

مَنْ غَمَّضَ عَيْنَهُ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى طَرْفَةَ عَيْنٍ لَمْ يُوْصَلْ اِلٰى مَقْصُوْدِهٖ۔

(ترجمہ) "جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف ایک لحظہ بھر بھی غافل رہے، وہ کبھی اپنے مطلب یا مقصود تک نہیں پہنچتا۔"

خواہم کہ خار از پا کشم شد کاروانم از نظر
یک لحظہ غافل گشتنم صد سالہ راہم دُور شد

(ترجمہ) "میں تو اپنے پاؤں سے کانٹا نکالنے لگا ہوں اور اتنے میں قافلہ نظر ہی سے غائب ہو گیا۔ میرے ایک لحظہ بھر کی غفلت نے پورے ایک سو برس کا راستہ دُور کر دیا۔"

وہ گروہ جو خدا تعالیٰ کے حضور کی موجوں میں غرق ہیں، کہتے ہیں کہ جس طرح کہ عام لوگوں کو گناہوں سے بچنا واجب ہے۔ خاصوں کو غفلت سے ڈرنا لازم ہے جس طرح کہ عام لوگوں کو گناہوں کی بدولت گرفت ہو گی، خاصوں کو غفلت کے باعث پکڑ ہو گی۔ پس جو چیز سالک کو غفلت میں لائے اور خدا تعالیٰ کی یاد سے روکے، اس کو لات مار کر صاف دلی کے ساتھ حق سُبحانہ وتعالیٰ کی جناب میں متوجہ ہو۔ اس لیے کہ جو شغل اور تعلق سوائے حق سُبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہے، وہ ایک قسم کا کانٹا ہے جو دل کے دامن کو لپٹ جاتا ہے۔ اور سالک کو سعادت کے راستے سے روکتا ہے۔ اگر سالک کو کوئی علاقہ دامن گیر نہ ہو۔ اور کوئی چیز یاد خدا میں خلل ڈالنے والی نہ ہو تو تھوڑی سی کوشش سے بھی خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور باطنی کشادگیوں کو دیکھتا ہے، کیونکہ خدا اور بندہ کے درمیان جو ایک عظیم الشان پردہ ہے۔ وہ یہی دُنیا کے تعلقات اور موانعات ہیں جن کے باعث ہمارے دلوں کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں ؎

تعلق حجاب است بے حاصلی
چو پیوندہا بگسلی واصلی

(ترجمہ) "ناطے رشتے وغیرہ بہت ہی بے سود حجاب ہیں۔ جب تو ان پیوندوں کو توڑ دے، تو خداوند تعالیٰ کی درگاہ کا واصل ہے۔"

علم سلوک کے ایک رسالہ میں دیکھا گیا ہے کہ اس راستے میں خدا تعالیٰ کے طالب کے لیے جو حجاب ہے، اصل میں وہ چار چیزیں ہیں، یعنی دنیا۔ خلقت۔ نفس اور شیطان۔ دُنیا آخرت کا پردہ ہے۔ **خلقت** عبادت کا۔ **شیطان** دین کا اور **نفس** (امارہ) خدائے تعالیٰ (اور بندہ کے درمیان) کا (پردہ ہے)

جب سالک زہد اور عبادت (پرہیزگاری) پر تُل جائے اور تھوڑے پر ہی خدا تعالیٰ سے راضی ہو جائے تو دُنیا کے پردہ سے باہر نکل جاتا ہے۔ اور جب تنہائی اور خلوت اختیار کرے اور لوگوں کے میل ملاپ ترک کر دے تو خلقت کے پردہ سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں پورے حوصلے سے رہے تو شیطان کے پردہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور جب ریاضت، مجاہدہ اور ذکر و اذکار میں مشغول ہو جائے تو ماسوی اللہ کے پردہ سے خلاصی پاتا ہے اور نفس کے حجاب اور غفلت کے پردہ سے باہر آ جاتا ہے (جب ایسا ہو جائے تو)، پھر قرب ہی قرب اور حضور در حضور ہے۔ پس سالک کو چاہیے کہ دل کے تمام علاقوں کو توڑ کر اور تمام جگہوں سے منہ موڑ کر اپنے کام میں ایسا مستغرق ہو جائے کہ کسی سر کو گوشۂ چشم سے نہ دیکھے اور ماسوی اللہ کے علاقوں سے دل نکل جائے اور ہر دم اس (خدا تعالیٰ) کے مشاہدہ کے بہشت کے نقد میں محفوظ اور خوش ہو، کیونکہ عاشقوں کو دوست کی صحبت میں رہنے سے اگرچہ لاکھوں دُکھ اور سختیاں جھیلنی پڑیں، ان کے لیے عین بہشت ہیں۔ اور اگر سوائے معشوق کے لاکھوں نعمتیں ملیں، عین دوزخ ہیں ؎

بیادِ او بود دوزخ، مرا خوش تر زصد جنت
ولے دُور از جمال اُو، چو دوزخ جنّت الماویٰ

(ترجمہ) اس کی یاد میں دوزخ میرے لیے سو بہشت سے بھی زیادہ خوش ہے،
لیکن اس کے جمال کے بغیر مجھے ہمیشہ کا بہشت ملے تو وہ بھی میرے لیے دوزخ ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ السامی نے فرمایا: "اس دنیائے فانی میں ہر کانٹے کی بیخ میں یادِ خدا میں زندگی بسر کرنے کو اس لیے زیادہ تر پسند کرتا ہوں کہ کل کو قیامت کے دن بہشت میں طوبےٰ کے تلے ان دنیاوی مشکلوں سے مجھے کچھ خبر بھی نہ ہوگی۔"

افسوس! کہ یہ کیا ہی نادانی ہے کہ نفسانی لذتوں میں پھنس کر، فانی کاموں میں غفلت کے شراب میں مخمور ہو رہے ہیں کہ اس آخری وقت کو ہم یاد نہیں کرتے۔ جب اس جہان سے ہمارا کوچ ہوگا، تو یہ چرب زبانیاں کسی کام نہ آئیں گی اور سعادت کا کوئی دروازہ (جب تک کہ ہم خدا تعالیٰ سے محبت نہ کریں اور ہم کو حضورِ الٰہی نصیب نہ ہو) نہیں کھلے گا۔

حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ السامی نے فرمایا: "آخری وقت میں جب ملک الموت کی پیشانی ظاہر ہوگی، اس وقت کسبی علوم۔ قوتِ مدرکہ، لوح سے مٹ جائیں گے، مگر وہی وفا اور دستگیری کرے گا، جو تو نے خداوند تعالیٰ کے حضور، آگاہی اور محبت سے حاصل کیا تھا، اس لیے کہ جو عمل کہ حسوں کے راستے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب تک حستیں قائم رہتی ہیں، وہ علم بھی قائم رہتا ہے۔ جب حستیں فنا ہو جاتی ہیں تو وہ علم بھی فانی ہو جاتا ہے۔ اور کامل عارفوں کا عرفان، حواس اور علم کے راہ سے نہیں ہے، بلکہ عشق اور محبت کے راستے سے ہے، اور وہ ابدالآباد تک باقی رہے گا۔ جس طرح کہ ایک گروہ نے محبت اور شوق کے اقتضاء سے اپنا مطلب ڈھونڈھا ہے۔ اور وہ گروہ عشق و محبت کے راستے سے ہی واصل ہوا اور حیاتِ جاودانی میں ہمیشہ زندہ اور قائم ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ کے چمکنے والے چاند کی طرح درخشندہ اور تابندہ ہیں، مگر سالکانہ اور عارفانہ نکتہ یہ ہے کہ جو عمل سوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ہے، سالک کو چاہیئے کہ اس کو بالکل بھول جائے تاکہ کسی چیز کی خبر قوتِ مدرکہ میں نہ رہے۔

اور کامل عارفوں کے نزدیک علم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) غیر کا علم (۲) اپنی خودی کا علم۔

پس جاننا چاہیئے کہ علمِ غیر کو بھول جانا، ایک آسان بات ہے جو ذکرِ الٰہی کی کثرت اور علاقوں کے قطع کرنے سے (غیر) بھول جاتا ہے اور ماسوی اللہ کے نقش صفحہ دل سے دھوتے جاتے ہیں، لیکن وہ علم جو خدا میں اپنی ذات میں ہے، اُس کو فراموش کرنا ایک مشکل اور بہت ہی تکلیف دہ کام ہے، اس لیے کہ ہر ایک انسان اپنے ذاتی علم سے ایک لحظہ بھر بھی غافل نہیں ہے اور ہمیشہ خود با خود ہے۔ پس اپنی خودی سے چھٹکارا سوائے کامل اولیاء اللہ کے کم ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

جب تک سالک اپنے علم کے ذریعے حسوں کی دوڑ دھوپ سے مقصود حاصل کیا چاہتا ہے، ابھی دُور اور مہجور ہے۔ اس لیے کہ جو کچھ اس کے علم، عقل، وہم و خیال اور قوتِ مدرکہ میں جلوہ گر ہوگا سب کا سب مخلوق اور غیر حق ہوگا جس کی کلمہ الا نفی کرتا ہے، کیونکہ بزرگ اور بلند خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات حواس کے راستے سے نہیں پائی جاتی، جس طرح سے کہ چمگادڑ کی آنکھ سورج کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح سے عقل و حواس کی آنکھیں وحدتِ حقیقی کے نور کو نہیں پا سکتیں ؎

تا تو پیدائی خدا باشد نہاں
تو نہاں شو تاکہ حق گردد عیاں

(ترجمہ) "جب تک تو ظاہر ہے خدا تعالیٰ پوشیدہ ہے۔ تو چھُپ جا تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ ظاہر ہو۔"

اور اپنے آپ سے چھپ جانے کے معنی یہ ہیں کہ دیکھی بھالی چیزوں سے غائب ہو جاتے اور خداوند تعالیٰ کی ہستی کے ظہور میں فانی اور ہلاک ہو جاتے۔ جب تک کہ سالک میں اس کی خودی کا علم قائم ہے اور اپنی ذات سے فانی نہیں ہوا۔ پردہ در پردہ (میں) ہے، کیونکہ العلم حجاب الاکبر (علم بڑا بھاری پردہ ہے) اور حجاب اکبر سے اپنی خودی کا علم مراد ہے۔ جب سالک اپنی خودی سے خلاصی پاتے اور اپنے علم اور حسّوں کو حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی کے ظہور کے مشاہدہ میں گم کرے تو حق سے حق کو پاتا

ہے۔عرفت ربی بربی۔ (میں نے خدا کو خدا سے پہچانا) اس کا بیان بہت لمبا ہے، اس لیے کوتاہ قلمی کو مدِنظر رکھا گیا۔

اے عزیز! وہ جماعت جس نے قال کو حال پر ترجیح دے کر عقلی اور نقلی دلیلوں سے لسے پڑھنے۔ جاننے۔ بات کرنے وغیرہ کو عظیم الشان عبادتوں سے گنا ہے اور تقلید کے مقام سے نکل کر تحقیق کے درجہ میں قدم نہیں رکھا، اُن کی یہ سب نارسائی نالیاقتی ہے کہ انہوں نے اپنے دل کی بیماریوں کو دُور نہ کیا اور قیل قال پر ہی مر مٹے، لیکن جس علم کے ساتھ عمل ہو۔ پس اگر خدا ورسول کے حکم کے مطابق عمل ہو اور ظاہر اور باطن سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی متابعت سے آراستہ ہو تو اس کا ثمرہ سب کا سب نورانی اور ظاہر و باطن کی روشنی بخشنے والا ہے جس طرح کہ خداوند تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا: "اے بندہ! وہی علم نفع مند ہے جو تجھے مجھ تک پہنچا دے اور جدائی سے ملاپ تک لائے اور دُوری سے حضوری تک رستہ دکھائے۔ جس چیز کو تو دیکھے مجھ کو جانے اور مجھ ہی کو پڑھے۔"

اے عزیز! علم اصل وہی ہے کہ معاد کے عقل کی روشنی بڑھائے۔ اور معاد عقل وہ ہے کہ آدمی کو خدا تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرے اور آخرت کے کاموں خدا طلبی کے راستے میں ممد ومددگار ہو اور طریقت کے سالکوں اور حقیقت کے راستے کے طالبوں کے لیے قال وحال کا سرمایہ اور پیرایہ ہو۔ یعنی علم کی برکت سے عمل کے لباس سے آراستہ ہو۔ اور دنیا کی آلائشوں سے آلودہ نہ ہو اور اپنے سب وقتوں کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت، رضامندی اور حق جوئی میں خرچ کرے اور خدا تعالیٰ کی خلقت پر شفیق اور رحم دل ہو اور لوگوں کو محض خدا تعالیٰ کے واسطے دینی فائدے پہنچائے۔ اور جن کو فیض پہنچایا ہے اُن سے شاباش کی امید اور خدمت کی توقع نہ رکھے اور اپنی کمالیت پر نظر نہ کرے۔ اور علم کا ذریعہ ہونے کے باعث اپنی ذات کو بزرگ نہ جانے اور کسی پر فخر نہ کرے۔ حق کو باطل سے جُدا

کرے، لوگوں کو ان کی بھلائی اور برائی سے آگاہ کرے اور دلیلیں دے کر خلقت کو خدا تعالیٰ کی دوستی پر رغبت دلائے اور دنیا کا فقر و فاقہ آجانے پر اپنی جگہ سے پھسل نہ جائے اور حرص ہوا کی بدولت علم کی بزرگی کو ضائع نہ کرے۔ بُری مجلسوں میں ہرگز نہ بیٹھے اور اپنے ظاہری اور باطنی اوقات کی ہو بہو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طریق پر گذارے اور خدا رسول کے آداب کو جس طرح کہ بجالانے کا حق ہے بجالائے۔ جو جان لیا ہے، اس پر عمل کرے جسمانی اور روحانی عبادتوں کو جمع کرکے ایک ساتھ ادا کرے تاکہ علم اور عمل کی برکت سے نفسانی کدورتوں سے صاف اور مصفا ہو کر قربِ الٰہی کی سعادت تک پہنچے۔ اور اخلاقِ ستودہ اور صفاتِ محمودہ سے خدا تعالیٰ کی درگاہ میں قبول ہو اور ایسا سچا، صاف دل عالم دونوں جہانوں کو فیض پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھلانے والا، پیغمبروں کا وارث، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نائب، خدا تعالیٰ کا مقبول ہوتا ہے۔ اُس کا فیض ایک جہان کو روشن کرتا اور روشنی دیتا ہے۔ اُس کی ہدایت ایک دُنیا کو جہالت کے بھنور سے نکال کر کمال کے درجہ تک پہنچاتی ہے۔ اُس کے سر پر عزت اور اقبال کا تاج پیدا ہوتا ہے اور سعادت کی خلعت جو اس نے زیب تن کیا ہے، ہویدا ہوتا ہے۔ حسب ذیل اشارہ اسی کی طرف ہے: عزت الدنیا وشرف الاخرۃ (دُنیا کی عزت اور آخرت کا فیض)۔ اور نوم العالم عبادت۔ (عالم کی نیند عبادت ہوتی ہے) اُسی کی شان میں بشارت ہے۔ اس کی زبان سعادت کے دروازوں کی چابی ہے۔ اُس کا کلام سب کا سب فیض اور برکت ہے ؎

علم آں باشد کہ جاں زندہ کند
مرد را باقی و پائندہ کند

(ترجمہ: "علم وہی ہے جو جان کو زندہ کرے۔ اور آدمی کو باقی اور قائم رہنے والا بنائے۔"

ایسا کامل دین پرور عالم جو مذکورہ بالا صفات سے موصوف ہے، اس قابل ہے کہ خلقت کا پیشوا ہو اور ہدایت کے نور سے دنیا کے لوگوں کو منور کرے، لیکن

وہ شخص جو علم کو کمینہ، دنیا کا ذریعہ بنا دے اور رتبہ اور شان و شوکت کا طالب ہو اور عزت اور اقبال کا آرزومند۔ اور رات و دن دنیا کی نفسانی لذتوں میں مشغول رہے اور نفس و شیطان کا محکوم اور امر و نہی پر چلنا گوارا نہ کرے۔ دل کو حرص و ہوا، اور دیگر بری صفات سے پاک نہ کرے۔ نیک عملوں اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مستقل نہ ہو۔ اس میں ضرور علم کی شکل ہے، مگر علوم کی حقیقت نہیں۔ خداوند تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا

(ترجمہ) "جو لوگ توریت پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے، ان کی مثال ہو بہو گدھے کی ہے جس پر بوجھ لدا ہوا ہو۔"

حقیقت میں یہ مثال انہی کے حق میں ثابت ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

کل عالم لا یعمل بعلمہ فھو مسخرۃ الشیطان (جو عالم اپنے علم کے ساتھ عمل نہیں کرتا، وہ شیطان کا مطیع ہے) اس لیے کہ علم کا مقصود عمل ہے اور عمل مطلوب کے وصول کا ذریعہ، اور خدا تعالیٰ کے راستہ میں ترقی اور بزرگ و بلند خدا تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کا ذریعہ ہے

گر مے دو ہزار رطل پیمائی
تا مے نخوری نباشد شیدائی

(ترجمہ) "اگر دو ہزار شراب کے پیالے تو ماپ جائے۔ جب تو شراب پیے گا نہیں تو وہ تیرا شیدائی نہ ہو گا۔"

ایک بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ جاہل کا عمل دیوانہ پن ہے، لیکن وہ علم جس کے ساتھ عمل نہ ہو، بیگانہ پن ہے۔ صرف علم ہی جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ خدا طلبی کے راستے میں کافی نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ایک دانا طبیب بیمار ہو جائے۔ تو محض دوائیوں کا نام جاننا ہی اس کی بیماری کو دور نہیں کر سکتا۔ نہ ہی صحت بخشتا ہے۔ جب تک کہ وہ

دوائی استعمال نہ کرے اور پرہیز نہ کرے۔ ایسے ہی روحانی بیمار بھی، روحانی بیماری سے صحت نہیں پا سکتا اور اپنے مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طریق پر عمل نہ کرے۔

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دو قسم پر ہے:

اوّل: ظاہری عبادت جس کا جسم اعضاء کے ساتھ تعلق ہے اور ظاہری لوگوں کو پہنچی ہے۔

دوم: باطنی عبادت یعنی اپنے نفس کو بداخلاقیوں سے۔ اور دل کو غیر حق تعالیٰ سے پاک کرنا کہ خاص الخاص لوگوں کو عطا ہوا ہے۔ سو جس شخص کے حصہ میں ازلی سعادت آئی ہے، وہ دونوں کاموں میں بہت سی کوشش کرتا ہے۔ علم کو عمل کے ساتھ اپنا امام بناتا ہے اور اپنے ظاہر و باطن کو جمع کرتا ہے، اس لیے کہ علم با عمل ہزاروں نیک بختیوں کا سرچشمہ ہے۔ اور جہالت تمام گمراہیوں اور بدبختیوں کی کان ہے۔ اس لیے کہ علم، آخرت کے عقل اور دین کی فراست سے قوت لیتا ہے۔ اور جہالت کو ضعف پہنچاتا ہے اور آدمی کو نقص سے ہٹا کر کمال تک پہنچاتا ہے اور عوام کی نسبت سے نکال کر خاصوں کے درجہ تک ممتاز کرتا ہے۔

خیر الدّنیا والآخرۃ مع العلم شر الدّنیا والاخرۃ مع الجھل

(ترجمہ) "دنیا اور آخرت کی بھلائی علم کے ساتھ ہے اور دنیا اور آخرت کی شرارت جہل کے ساتھ ہے۔"

نقل ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لائیں گے، جس کے عمل پہاڑ کے مقدار میں ہوں گے۔ خداوند تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کو دوزخ میں ڈال دو۔ فرشتے عرض کریں گے کہ "خدایا! تو جانتا ہے کہ اس بندہ نے اتنی طاعتیں کی ہیں اور پھر یہ دوزخ میں جاتا ہے؟" ارشاد ہوگا: "اس نے عبادت بلا علم کی ہے۔"

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا: "عالم کا سونا، جاہل کی تمام رات نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔"

حدیث شریف میں وارد ہے، فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ ادنیٰ امتی (عالم کو عابد پر وہ فضیلت ہے جیسے میرے فضل کو میرے ایک ادنیٰ امتی پر ہے) اس لیے کہ اسلام کے مرتبے اور دین کی عزتیں علم کی روشنی سے ہی پہچان سکتے ہیں، اور سعادت کا راستہ اور نیکیوں کا طریقہ علم کے ذریعہ سے ہی پا سکتے ہیں۔ شریعت کے کاموں کی تعظیم اور حکموں کی پیروی اور نواہی سے بچنا، علم ہی سے ہو سکتا ہے۔ دین اور دنیا کی عزت و اقبال علم اور عمل کی برکت سے ہی بڑھتی ہے۔ اس لیے کہ کوئی عمل بھی خدا تعالیٰ کی درگاہ میں، سوائے علم و عمل کے راستہ پر چلنے کے نزدیک نہیں ہے۔

اور کوئی دشمن زیادہ سے زیادہ خوار، خدا تعالیٰ کے نزدیک جہالت سے نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے: "عالم کی نیند جاہل کی نماز سے بہتر ہے۔" یہی تو باعث ہے کہ زاہدانِ زمانہ سلف، علم کرنے کو تمام دیگر کاموں پر مقدم رکھتے تھے کہ عبادت اور عبودیت کا مدار علم ہی پر ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے: "جو شخص علم کے بغیر فقیر بنے، وہ پاگل ہوتا ہے یا کافر ہو کر مرتا ہے۔"

پس سعادت مند طالب علم کو چاہیے کہ سب سے پہلے اہل فضل و کمال لوگوں کی صحبت میں رہے۔ جن کے ظاہر و باطن نیک عمل سے آراستہ ہیں، اور دینی علوم یعنی فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ جن کا شریعت کے ساتھ تعلق ہے، سیکھے، تاکہ علم کے ذریعے سے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی دوستی میں اس کو رغبت ہو اور تاکہ اس کا دل نیک بختی کے راستہ کا مشتاق اور مائل ہو۔ اس کے بعد اولیاء اہل معنی کے ساتھ صحبت رکھے تاکہ وہ محبت اور شوق کے بیج اس کے دل میں بوئیں اور تقلید سے نکال کر تحقیق کو اور چھلکے سے چھڑا کر مغز کو۔ اور

شاخوں سے علیحدہ کر کے تنا تک پہنچادیں اور نفسانی عیبوں اور اس راستہ کے منازل اور مقامات سے واقف کریں اور اس کے دل کو غیر حق سے پاک کر کے بے خودی اور فنا کا شربت چکھائیں۔

پس دینی علوم سے فارغ ہونے کے بعد جس طرح سے کہ شریعت کے احکام میں وارد ہے۔ باطنی شغل اور معنی کسب کے سوائے کوئی چیز بہتر نہیں ہے۔ اس لیے کہ پوشیدہ طور پر خدا تعالیٰ کو یاد کرنا، انسان کو بہت جلد خدا تعالیٰ کا مقرب بنا دیتا ہے۔ اور نفسانی کاموں کو فانی کر دیتا ہے۔ وہ بزرگوار جو ازلی سعادت کے منشا سے اس راستہ میں گزر گئے ہیں۔ دلی بیماریوں کو دُور کرتے اور باطن کی پاکیزگی حاصل کرنے میں انہوں نے بہت سی کوششیں کی ہیں اور عوام کے درجہ سے نکل کر خاصوں کی جماعت میں داخل ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ (قضا و قدر) جان کے مغز کو معنوں کے پھولوں کی خوشبو سے اُس وقت عطرناک کرتے ہیں اور مجاز سے حقیقت تک اس وقت پہنچاتے ہیں کہ اہلِ سلسلہ یعنی دین کے مشائخوں اور رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نائبوں کے طریق پر چلے، اور تصفیہ، جذبہ، سلوک، فنا اور بقا کو عمدگی سے انجام تک پہنچائے اور اگر یہ نہیں، تو پھر (جان لے کہ) اندھے آدمی کی طرح ہے جو جہان کے روشن کرنے والے سُورج کی روشنی سے بے نصیب ہے۔

نقل ہے کہ دوزخ میں ہزار زبان خداگو (خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے والی) ہوگی، لیکن (ان میں سے) خدا شناس ایک بھی نہ ہوگی۔ اور خدا شناسی اور دل کی آراستگی غیر اللہ کے انقطاع بغیر حاصل نہیں ہوگی۔ پس چند دن سعی اور جانفشانی کر کے دل کو غیر اللہ کی روک سے پاک کرنا چاہیے تاکہ ہمیشہ کے حضور کا ملکہ حاصل ہو اور مقصود کا معشوق اپنے چہرے کا پردہ اُتارے۔

اے عزیز! اس بات کو دل سے جان کہ جنت الماویٰ یا ہمیشہ کے بہشت کے

باغ کے لائق وہ شخص ہے اور حق سُبحانہٗ تعالیٰ کا دیدار اس کے نصیب ہوگا کہ جس کا باطن، اُس جہان کو سدھارتے وقت غفلت کی خو کی میل سے پاک ہو اور اس کا دل نفسانی حرص و ہوا کا دل بستہ نہ ہو۔ سو اگر تو ہوشیار مرد ہے، تو ایک دم بھی غافل نہ ہو کیونکہ

ع "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں"

ہر ایک چیز کا تدارک ہو سکتا ہے، لیکن وقت کا تدارک نہیں ہو سکتا۔

حضرت خواجہ عبدانصاری قدس سرہٗ نے فرمایا: "وقت۔ دل، اور زندگانی۔ یہ تینوں چیزیں تیری پونجی ہیں۔ اگر پونجی رائیگاں چلی جاتے اور بے محل برباد ہو، تو پھر کہاں سے دستیاب ہو سکے ؎

ہر یک دمے کہ میرود از عمر گوہریست | کانز اخراج ملک دو عالم بود نہاد
مپسند کیں خزانہ دہی رائیگاں بباد | وانگہ روی بخاک تہی دست و بے نوا

(ترجمہ) "انسان کی عزیز عمر میں سے جو سانس کو چلا جاتا ہے۔ ایک ایسا گوہر بے بہا ہے جس کی قیمت ہر دو جہان کے خراج کے برابر ہے۔ اس خزانہ کو رائیگاں، برباد کر دینا پسند نہ کر (اگر تو نے ایسا کیا تو) تو مفلس اور خالی ہاتھ خاک تلے جاتے گا۔"

اس لیے کہ ہر نفس میں بیش قیمت متاع حاصل کر سکتے ہیں اور سعادت کے ابدی خزانوں کی چابی ہاتھ میں لا سکتے ہیں۔

سیّد الطائفہ قدس سرہ نے فرمایا: "جو سانس انسان کے سانسوں سے فوت ہو جاتا ہے۔ ممکن نہیں ہے کہ اس کو واپس لا سکیں۔ اس لیے کہ ہر ایک سانس کا ایک حق ہے اگر آدمی گذرے سانس کو جاری کرنے یا واپس لانے میں مشغول ہو، تو حالی سانس فوت ہو جاتا ہے اور گذرے ہوتے کا عوض نہیں ہوتا۔ پس جو سانس ہے وہی ہے جو حق سبحانہ و تعالیٰ کی یاد میں حضورِ دل کے ساتھ نکلے اور غفلت سے ضائع نہ جاتے اور سانسوں کے گزرنے کی نگہبانی ہر حال میں منظور ہو ؎

کاشکے قیمت انفاس بدانستے خلق
تا دمے چند ماند نذ غنیمت شمر ند

(افسوس، دنیا کے لوگ سانسوں کی قدر و قیمت نہیں جانتے، تاکہ جتنے دم باقی رہیں انہیں غنیمت گنتے) کیونکہ قیامت کے دن (قضا و قدر) آدمی پر ہر سانس کی بابت سوال کریں گے کہ فلاں سانس تو نے کس نیت سے اور کس شغل سے گزارا اور اس میں کیا حاصل کیا؟ جو سانس ذکر الٰہی کے بغیر آتا ہے۔ وہ دم مردہ ہے، کل نفس یخرج بغیر ذکر اللّٰہ تعالیٰ فھو میّتٌ (جو سانس ذکرِ الٰہی کے بغیر آتا ہے، وہ مردہ ہے) اگرچہ عقلمندوں نے زندگی کو بدنی حیات جانا ہے، لیکن حقیقت میں جو شخص خدا تعالیٰ سے غافل ہے، وہ مُردہ ہے

زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست
زندہ آں است کہ با دوست فصالے دارد

(ترجمہ "میری زندگی کو تو زندگی کہنا ہی نہیں چاہیے، کیونکہ زندہ درحقیقت جس کا اپنے دوست (خدا تعالیٰ) کے ساتھ میل ملاپ ہو"

حضرت مولانا حمید الدین ناگوری قدس سرہٗ نے فرمایا: "جو کوئی زندہ ہوتا ہے مردہ ہے اور جو کوئی اپنے معشوق (خدا تعالیٰ) کے ساتھ زندہ ہوتا ہے، وہ ہرگز نہیں مرتا۔ ازلی نیک بختوں کی وہ جماعت جنہوں نے اپنے دل کو معرفتِ الٰہی کی روشنی سے زندہ کیا ہے۔ ایک لحظہ بھی خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ وہ ابدالآباد تک خدا تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں، انّ اولیاء اللّٰہ لا یموتون (بیشک اولیاء اللہ کبھی نہیں مرتے) انہیں بزرگواروں کی شان میں ہے۔

نقل ھے کہ دو صوفی (مردوں) نے کسی شہر سے چل کر شیخ ابوالحسن نوری کی ملاقات کا ارادہ کیا۔ جب شہر کے دروازے پر پہنچے۔ ان دونوں میں سے ایک حیوانات کی بولی سمجھتا تھا اچانک ہی انہوں نے دو بلیوں کو دیکھا جو آپس میں باتیں کہ "ابوالحسن نوری مر گیا"۔ اس صوفی

مرد نے جب یہ بات سُنی تو کہا : اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ہ

(ترجمہ: ہم خدا تعالیٰ ہی کے بندے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔)

دوسرے صوفی نے اس بات کی حقیقت پوچھی۔ پہلے صوفی نے جواب دیا: "دو بلیاں جو دیکھتے ہیں، وہ ایک دوسری کو کہتی ہے کہ "ابوالحسن نوری مرگیا" جب دونوں صوفی حجرہ میں پہنچے، تو شیخ موصوف (ان کے استقبال کے لیے) باہر آیا۔ صوفی عالمِ حیرت میں چلے گئے۔ شیخ موصوف نے کہا: "آپ کی اس حیرانی کا سبب کیا ہے؟" انہوں نے کہا: اس شہر میں ہم خاص آپ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، جب ہم شہر کے دروازے پر پہنچے، تو دو بلیوں کو ہم نے دیکھا کہ آپس میں ایک دوسری کو کہتی تھیں کہ شیخ ابوالحسن مرگیا۔" جب شیخ نے یہ سرگذشت سنی تو رو دیا اور کہا: بلّی نے سچ کہا ہے۔" انہوں نے کہا: "اگر بلّی نے سچ کہا تو پھر آپ زندہ کیسے ہیں؟" شیخ نے کہا: "آج ایک لحظہ میں یادِ حق سے غافل ہوگیا تھا، تو میرے مرنے کی آواز زمین و آسمان میں مشتہر ہوگئی اور عالمِ ملک اور ملکوت میں غلغلہ مچ گیا۔"

پس جب ایک دم کی غفلت میں ایسا حال ہے کہ مُردوں کی فہرست میں نام لکھا جاتا ہے، تو افسوس ہے اُس شخص کے حال پر جس نے اپنی ساری عمر غفلت میں گزار دی ہو۔ لیکن یہ سرِ بیا (خلعت) خاص خداوند تعالیٰ کی درگاہ کے گوشہ نشینوں کے لیے ہی ہے جو اپنے دل کو جنابِ اقدس (خداوند تعالیٰ) میں حاضر رکھتے ہیں اور ماسوی اللہ کے خیالات سے اپنی ذات کو آلودہ نہیں کرتے۔

غور سے سُن: یہی دل کا حضور ہے جو سالک کو زمین سے اٹھا کر آسمانوں تک پہنچاتا ہے اور چوپایوں کی خصلت والے انسان کو فرشتوں پر افضلیت کا درجہ دیتا ہے۔ یہی دل کا حضور ہے کہ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں) کے بھید کو کھلواتا ہے اور اس ذرّۂ بے مقدار خاک (انسان) کو اپنے قرب کی مسند پر بٹھاتا ہے۔ اگر کوئی سالک اس مقام میں سوال کرے کہ ایسا استغراق دوامی

دِل کا حضور کیونکر میسّر ہو سکے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدعا حقیقی فنا کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور فنا کا درجہ تصفیہ دل اور تزکیہ نفس کے بغیر حاصل نہیں اور یہاں پر اختلاف ہے۔ بعض مشائخ اس بات پر مُصر ہیں کہ پہلے تزکیہ نفس پر زور لگانا چاہیئے۔ جب تزکیہ نفس حاصل ہو جائے تو تصفیہ نفس خود بخود ضمناً پیدا ہو جائے گا۔ لیکن نتیجہ اور نزدیک کی راہ یہی ہے۔

چنانچہ نقشبندیہ طریقہ کے بڑے بڑے بزرگ فرماتے ہیں کہ مبتدی کو پہلے تصفیہ دل کا شغل کرنا چاہیے اور اپنی سب کی سب توجہ خدائے واحد کی طرف کرنی چاہیئے۔ جب خدا کی یاد میں استغراق پیدا ہو جائے اور باطن غیر اللہ کے خطروں سے پاک ہو جائے، تو سالکِ ربانی تجلیات کے ورود کا محل ہو جاتا ہے اور ایک تجلی کے وارد ہونے سے اس قدر تزکیہ ہوتا ہے کہ برسوں کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ دولت حضراتِ خواجگان کے طریق سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان کے سیر کی ابتدا عالمِ امر سے ہے، اس کے بعد عالمِ خلق سے اور ان کی تمام ہمت ذاتِ باری تعالیٰ کی توجہ پر ہے نہ کہ صفتوں پر۔

پس تمام تصفیہ دل کے ہمیشہ کے حضور، اور ہمیشہ کے استغراق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور دوامی ذکر، قلبی ذکر پر موقوف ہے۔ اس لیے کہ جہری ذکر کا تمام وقتوں میں میسّر ہونا بہت مشکل ہے۔ اور قلبی ذکر بیٹھنے اٹھنے، گفتار، رفتار، صحبت اور گوشہ نشینی کھانے پینے وغیرہ سب وقتوں میں میسّر ہو سکتا ہے اور کسی وقت اس میں فتور راہ نہیں پاتا۔ اور اس دولت کا حصول، اس راستہ کے بزرگوں میں سے کسی ایک بزرگ کی توجہ سے دل کی کلی کھل جائے اور ذکر الٰہی میں گویا ہو جاتے۔ لیکن اس طریقہ میں ذکر کی ہمیشگی اور حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ایک ضروری اور لازمی شرط ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی عبادت کی شرطیں۔ اس

کتاب کے پہلے مطلب میں لکھی گئی ہیں اور اسم ذات کا طریق اور نفی اثبات کا ذکر تیرے مطلب میں شرح اور بسط کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، وہاں سے ملاحظہ کر کے عمل میں لایا جائے۔ جب رشید اور سعادت مند طالب، مذکورہ بالا طریق پر مداومت کرے، اور کھیل وکود اور دوامِ ذکر اور توجہ کے موانعات سے الگ ہو اور ازلی عنایت اس کے شاملِ حال ہو۔ اور ذکرِ الٰہی باطن پر غالب آجائے، تو ذکرِ الٰہی کے غلبہ سے ظاہری اور باطنی غفلت دُور ہو جاتی ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا نور دل میں روشن ہونے لگتا ہے اور اپنی ذات کو، اور تمام دیگر چیزوں کو اس نور کے عکس میں مٹا ہوا اور فانی پاتا ہے اور اپنے اندر اور باہر نور ہی نور دیکھتا ہے اور اس میں محو ہو جاتا ہے، لیکن چاہیے کہ ان نور و انوار کو اور علاوہ ان کے طور جو کچھ ظاہر ہو۔ اس سب کو کلمہ لا کے ساتھ نفی (دور) کرے اور اس میں بھی اُسی مقصود کو تلاش کرے تاکہ کھلے طور پر، خدا تعالیٰ کے حضور کے انوار اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی آگاہی اور نسبت بے کیف حاصل ہو۔

اس مقام پر چاہیے کہ اس کے حضور اور آگاہی کی ایسے طور پر نگہبانی اور پاسبانی کرے جیسے کہ پاسبانی میں کوشش ہے، اس لیے کہ ذکرِ الٰہی سے مطلب یہ ہے کہ دل ہمیشہ حق سُبحانہٗ تعالیٰ کی درگاہ کا واقف ہو اور کسی وقت بھی اس میں فتور واقع نہ ہو یعنی اکیلا پن اور میل جول۔ کھانے پینے۔ رفتار و گفتار، سب حالتوں میں اس کو زیرِ نگاہ رکھے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے حضور اور دوامِ آگاہی کی نسبت قبول کرے اور سائل کو بالکل اپنی طرف کھینچ لے۔ جب یہ نسبت مضبوط ہو جائے اور ہمیشہ باطن کے منظورِ نظر رہے۔ تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور عنایت کی ہوا چلنے لگے اور فنا اور بے خودی اپنا خوبصورت چہرہ دکھلائے اور جو مقصود ہے (بوجہ احسن) حاصل ہو۔ اس مقام پر ایک ایک ذرّہ خدائے واحد کے لاثانی چہرے کی خوبصورتی کا شیشہ ہو جاتا ہے۔ اور (جو پہلے) اغیار (تھے) یار ہو جاتے ہیں۔ اور اینما تولوا فثم وجه الله (جدھر دیکھو ادھر خدا ہی خدا ہے) کا پردہ صاف ہو جاتا ہے۔

چوں برافتد از جمال او نقاب
از پسِ ہر ذرہ تابد آفتاب

(ترجمہ) "جب اُس (خدا) کے چہرہ سے پردہ اُٹھ جاتا ہے، تو ہر ایک ذرہ کے پیچھے سے ایک روشن سورج دکھائی دیتا ہے۔"

حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ العزیز فرماتے تھے "کوشش کر تاکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ تجھ میں تجھ بغیر ظاہر ہو۔ جب سالک اس مقام پر صبر کرے گا، تو سب میں بغیر سب کے اُسی کو دیکھے گا۔"

لیکن خاص الخاص کامل عارفوں کے نزدیک عالی مقام وہ ہے کہ اپنی ذات کو اپنے وجود سے محض خالی دیکھے اور اپنی ہستی کو گم پاتے۔ اور جو عمل کہ اپنے وجود سے ہو، اس کو خدا سے جانے اور خودی کی قید سے چھوٹ جاتے تاکہ نفس کی میں پن درمیان سے اٹھ جائے۔ کیونکہ کوئی بلا اس راستہ میں نفس امارہ کی میں پن سے زیادہ ہولناک نہیں ہے اور سالک کے حق میں کوئی زہر اپنی زہر سے زیادہ مار ڈالنے والا نہیں ہے۔

اب پھر اصلی مطلب کو شروع کیا جاتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ سب سے افضل ذکر مشاہدۂ مذکور میں ذکر کو بھول جانا لکھا گیا ہے۔

سالک کو حق سبحانہ تعالیٰ کے دیکھنے میں یہاں تک غرق ہو جانا چاہیے کہ اپنی ذات اور سب چیزوں کو بھول جاتے۔ جب تک سالک ماسوی اللہ کی قید میں پکڑا ہوا ہے اور اپنی خودی کے بندھے نہیں چھوٹا، تب تک فنا در فنا کو اس نے حاصل نہیں کیا اور اصلی بھلائی سے دور ہے۔

اور فنا کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی ہستی کا ظہور، سالک کے ظاہر و باطن میں یہاں تک غالب ہو جاتے کہ ماسویٰ کی اس کو کچھ بھی سمجھ یا تمیز نہ رہے اور فنائے فنا اس کو کہتے ہیں کہ سالک اپنے وجود، اور اپنے شعور دونوں کو گم کرے۔ نہ ہی اپنی ذات سے

واقف رہے، نہ ہی اپنے غیر سے۔ اس سے مراد موت ہے کہ مُوتوا قبل اَن تموتوا (یعنی اپنے مرنے سے پہلے مر جاؤ) کہا گیا ہے۔ وہ ان ہی معنی پر بولا گیا ہے کہ حالتِ غلبہ سے مشاہدۂ ربانی میں، انسانی سمجھ بالکل گم ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ مغلوب غالب کے مقابلے نابودگی کا حکم رکھتا ہے۔ اور یہ نہیں ہے کہ سچ مچ آدمی کا وجود ہی گر جاتا ہے۔ ہاں سالک میں پندار اور خودی (جو تھی) بالکل نیست و نابود ہو جاتی ہے، جیسے آسمان کے ستاروں کا حال ہے جو سورج کی روشنی میں ظاہر نہیں ہوتے، اگرچہ حقیقت میں ان کا وجود موجود ہے، لیکن سورج کی کرنوں میں ایسے چھپے ہوئے ہیں کہ نام و نشان تک ظاہر نہیں ہوتا۔

یہ کلمات کہ انا الحق (میں خدا ہوں) سبحانی (میں پاک و سبحان ہوں)۔ ولیس فی جبیبی سوی اللہ (میرے جبیب میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں) مشائخوں کی زبان سے نکل جاتے ہیں، وہ اس مقام کا ولولہ ہے۔

اور بعض بزرگوار جو ملامتوں کے تیروں کے نشانے بنے ہوئے ہیں، ان کو معذور جان (اور معاف رکھ) کیونکہ اُس حالت میں وہ اپنے آپے میں نہ تھے۔ ع

ایشاں نیند ایں ہمہ الحان ز مطرب است

(یعنی وہ نہیں ہیں (بلکہ) یہ سب اقوال کی خوش لہجگی (کا نتیجہ) ہے ع اُن پر اعتراض کرنا اپنی ناسمجھی اور کم ادائی کا نتیجہ ہے۔ اس مقام میں ان کی زبان شجرہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم رکھتی ہے۔

چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو درخت سے انی انا اللہ رب العلمین (تحقیق میں ہی کل جہانوں کے پالنے والا اللہ ہوں) کی آواز سنی، تو اصل میں اُس کا کہنے والا حق سبحانہ تعالیٰ ہی تھا۔ درخت اپنے پردہ درخت میں جلوہ گر نہیں تھا اور جو کچھ کہتا تھا۔ وہ خود حق سبحانہ تعالیٰ ہی کہتا تھا۔ پس بنی نوع انسان سے جو کہ خدا کا مظہر ہونے میں تمام مخلوقات سے اتم اور اکمل ہے (وہ) ظہور کرے تو کیا عجب ہے۔

جب سالک اپنے وجود سے فانی ہو جاتے اور بشریت کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی اس میں نہ رہے، تو پھر وہ انسان درمیان میں نہیں ہے، بلکہ یہ اس محبوبِ حقیقی (خدا تعالیٰ) کے جلوے ہیں جو محبت کے رنگ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

اور وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (تو نے تیر (ان کافروں کی طرف) نہیں پھینکا۔ جب اس کو چلایا، بلکہ خود خدا نے چلایا) ان معنوں کے لیے حتمی دلیل ہے ؎

اربابِ فنا زندہ بجان دگراند   بیرون ز دو کون در جہانِ دگراند
کس پے بزبانِ حال ایشاں نبرد   ایں طائفہ گویا بزبانِ دگراند

(ترجمہ: "فانی احباب ایک اور ہی جان سے زندہ ہیں۔ ان دونوں جہانوں سے الگ ایک اور ہی جہان میں ہیں۔ ان کی حالی زبان پر کوئی شخص سراغ نہیں لے جا سکتا۔ گویا یہ گروہ ایک اور ہی زبان رکھتے ہیں۔"

بلکہ بہت سے سالک لوگ سُکر اور بے خودی کے غلبہ سے اس مقام میں بالکل مجذوب ہو گئے ہیں اور ہوش اور عقل کو اسرار انوار الہٰی کے مشاہدہ میں انہوں نے تو گم ہی تو کر دیا ہے۔

لیکن اس راستہ کے کامل لوگ اس درجہ یا مقام کے سالکوں کو کامل نہیں کہتے، کیونکہ وہ سکر کے مقام میں جکڑ بند ہو رہے ہیں اور بقا کے مرتبہ تک جو فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے (ابھی تک) نہیں پہنچے ہیں۔ اور کامل عارفوں کے نزدیک، کمال اس کا نام ہے کہ باطن پر سُکر (نشہ) غالب ہو، مگر ظاہر پر ہوش تاکہ شریعت کے کاموں میں کوئی بے تمیزی واقع نہ ہو اور ترقی رُک نہ جاتے، اس لیے کہ ترقی ہمیشگی کے عمل پر موقوف ہے اور ہمیشگی کا عمل شریعت پر قائم رہنے پر منحصر ہے۔ پس جس شخص کو اعلیٰ لیاقت اور بلند ہمت خدا تعالیٰ کی جناب سے عطا ہوئی ہے، وہ ترقی کا طالب ہوتا ہے اور اس مقام سے آگے

بڑھ جاتا ہے۔

اور یہ دولت اُس شخص کے ہاتھ آتی ہے جس نے بشری اخلاق کے خس و خاشاک کو طبیعت کے گھر سے مجاہدہ کے جھاڑو سے صاف کر دیا اور سینے کے میدان لا الٰہ کی تلوار سے غیروں کا سر اڑا دیا۔ اور دل کے گھر میں کلمہ لا الٰہ الّا اللہ کے اثبات سے گوشہ نشینی کر لی اور نفس کی بھٹی سے نکل کر ارادہ اور خدا تعالیٰ کی محبت و رضامندی کے باغ میں سیر کرنے لگا۔

پس اے سالک! ہوشیار رہ۔ کیوں اس دولت کو ہاتھ سے دیتا ہے۔ اور جو کام آخرت کو تیرے کام آئے گا، وہ اس میں کیوں مشغول نہیں ہوتا اور اپنی زندگی کے بہترین حصہ کو اس فنا پذیر دنیاوی اسباب کے انتظام میں رائیگاں کر دیتا ہے۔ جس قدر دنیاوی اسباب بہت ہو، اتنا ہی خلل اور بے آرامی زیادہ تر۔ تفرقہ والے اسباب کے حاصل کرنے میں سوائے دل کی پراگندگی کے بڑھنے کے اور کچھ حاصل نہیں، اور دل کی تسلی سوائے تھوڑے صبر کرنے کے اور الٰہی ذکر کے میسّر نہیں ہوتی۔

ایک بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ دنیا کی مثال ایک بھِڑوں کے چھتے سے مشابہ ہے۔ جو شخص شہد کے لالچ سے ہلاتا ہے، لاکھوں ڈنگ مارنے والی بھِڑیں اُس پر اڑتی ہیں۔ اگر شہد کے طمع سے ہاتھ لگاتا ہے، تو ہلاک ہوتا ہے۔ اگر بھاگ جائے تو (ان سے) خلاصی پاتا ہے۔ پس دنیا کی قدر و قیمت اس قابل نہیں کہ دونوں اپنا سر اس کو سونپ دیں اور آخرت کے کام کو معطّل چھوڑیں ؎

ایں سرائے ست کہ البتہ خلل خواہد شُد

خنک آں قوم در بند سرائے گرداند

(ترجمہ) "یہ دنیا ایک ایسا گھر ہے کہ دُکھ اور رنج ہی دیتا ہے۔ وہی قوم اچھی ہے جو اس دوسرے گھر کے فکر میں ہے۔"

اس دنیائے فانی کی زندگی ناپائیدار، دریا کی موج کی طرح ہے، جس میں ہرگز بقا نہیں۔ پس عقلمند وہی ہے کہ ہمیشہ رہنے والوں خزانوں کا تبادلہ فانی نقد کے ساتھ نہ کرے۔ وہ لوگ جنہوں نے عالمِ بقا کو فراموش کر کے ہمیشہ کی دولت سے منہ پھیر لیا۔ اور فانی کی آراستگی کے فکر میں مشغول ہوتے اور بلندیٔ مراتب اور مال و منال کے جمع کرنے میں ہی شرف اور بزرگی خیال کر بیٹھے ہیں، تو ان کو ایسی کج فہمی سراسر جہالت اور نادانی کے باعث سے ہے۔ اس لیے کہ آدمی کی بزرگی اور بڑائی اُسی قدر ہے جس قدر اس میں صفاتِ کاملہ موجود ہوں۔ جس میں علم، عمل، پرہیزگاری، مجاہدہ، اخلاص، اخلاق کی آراستگی، خدا تعالیٰ کی یاد میں استغراق زیادہ تر ہے۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ کے نزدیک اسی کا رتبہ اور بزرگی زیادہ تر ہے۔

پس اے عزیز! وقت کو برباد کرنے اور جوانی کا وقت اور بدنی صحت جو کسبِ کمالات کے لیے عمدہ رسائل ہیں۔ بیہودہ تباہ کرنا عقلمند آدمی کے قابل نہیں۔ جس وقت تیری عمر کا سورج ڈوبنے کے قریب ہوگا، اُس وقت تو کیا کر سکے گا۔ اب جو زندگی کا باغ تروتازہ ہے اور تیرے بدنی باغ کے پھولوں میں یعنی ظاہری اعضاء اور باطنی حسّوں میں سے کوئی بھی پژمردہ اور بیکار نہیں ہے۔ فرصت کے وقت کو غنیمت جان اور آگاہ ہو، اور اپنے کام میں سوچ کہ کہاں جانا ہے اور کس کے حضور میں جواب دہی کے لیے حاضر ہونا ہے۔ جن چیزوں کو آج تو الفت کرتا اور دوست رکھتا ہے، کل جدائی کے وقت ہزار حسرت و افسوس سے چھوڑے گا۔

(برخلاف اس کے) اگر تو اپنی زندگی کو چھوڑ کر غیر حق سے قطع کرے تو ایک عظیم الشان دولت تیرے نصیب ہوگی۔ چنانچہ خدائے پاک نے قرآن شریف میں فرمایا ہے: قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (اللہ تعالیٰ کا نام جپ اور ان دنیاوی دھندوں کو چھوڑ) اور نیز خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا

(یعنی اپنے پروردگار کے نام کا ذکر اور سب علاقے توڑ کر اُسی سے اپنا دل جوڑ)۔
پس فراغِ دل کے ساتھ اُس وقت کے آنے سے پہلے کوشش کرتا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ
کی یاد آسان ہو اور کوئی غیر امنگ سوائے حق تعالیٰ کے نہ رہے۔

مگر یہ دولت اہل اللہ بزرگواروں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ ان کی صحبت میں ایسا اثر ہے کہ انسان کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی دوستی کے شرف سے مشرف کردیتا ہے اور بشری کدورتوں اور نفسانی کالکوں کو دور کردیتا ہے۔ جب اولیاء اللہ کے دل پر فیض وارد ہوتا ہے۔ تو تمام اہلِ مجلس اور صحبتی لوگ اپنے اپنے اعتقاد اور جمعیت کے موافق اُسی فیض سے حصہ لیتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ جب تیل کو خوشبودار پھولوں کی صحبت ہوتی ہے تو ان کی سب خوشبو تیل میں آمیز ہوجاتی ہے اور اس کو اپنی طرح بنالیتی ہے۔ اسی طرح سے اولیاء اللہ کی صحبت کا ذکر ہے کہ ان کا فیض ہم نشینوں کی جان کے مغز کو عطرناک کرتا ہے اور بُرے خلقوں کو پسندیدہ صفتوں سے بدل دیتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ نیک ساتھی کی مثال عطار کی طرح ہے۔ اگر وہ اپنے عطر سے کچھ بھی نہ دے، تو بھی اُس (عطر) کی خوشبوئی سے تو حصہ دیتا ہے اور دماغ کو تازہ کرتا ہے۔ لیکن بُرے آدمیوں کی صحبت کا ویسا ہی حال ہے، جیسے لوہاروں کے دوکان کی بھٹی۔ اگر آگ سے کسی کے ہاتھ، پاؤں، کپڑے وغیرہ نہ بھی جلیں، تو بھی اس کے بخار کے دُھوئیں سے دُکھ ہی پہنچتا ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کرام کے باطن سے طالب کو اتنا ہی فیض پہنچتا ہے جس قدر کہ اس بزرگوار کی بزرگی سے شناخت حاصل کی ہو اور اس پر اعتقاد کیا ہوے

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا	گو نشین اندر حضورِ اولیاء
ہم نشینیِ مقبلاں خود کیمیاست	چوں نظرشاں کیمیائے خود کجاست
چوں شوی دور از حضور اولیاء	در حقیقت گشتۂ دور از خدا

(ترجمہ) "جو شخص خدا تعالیٰ کی صحبت چاہتا ہے، اس کو کہہ دے کہ اولیاء اللہ کے حضور بیٹھے۔ خدا تعالیٰ کے مقبولوں کی ہم نشینی کیمیا ہے۔ بلکہ ان کی نگاہ سے کیمیا کو کیا نسبت ہے! جب تو اولیاء کے حضور سے دُور ہو تو درحقیقت خدا تعالیٰ سے دور ہوتا ہے"

یہی وجہ ہے کہ مشائخانِ طریقت، اپنے مریدوں کو سب سے پہلے ہم نشینی کا ارشاد فرماتے ہیں۔ خاص کر مبتدی کو تو اہل اللہ کی صحبت نفلوں کی عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر طریقت کے آداب سیکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے فیض لیتے ہیں۔ الشیطان مع الواحد (اکیلے آدمی کا شیطان ہم نشین ہے) مگر اس مقام پر ایک بہت بڑی بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ جاننا چاہیے کہ جس مبتدی نے ابھی شیطان اور نفس کے وسوسوں سے خلاصی نہیں پائی اور اپنی خودی میں گرفتار ہے۔ اُس کے لیے تو صحبت عین فرض ہے اور وہ کامل آدمی جو خودی اور اپنی قابلیتوں کے گھمنڈ سے نجات پا گیا ہے اور جس کے دل کی چار دیواری میں نفس اور شیطان کا گذر نہیں رہا ہے۔ اس کے لیے صحبت اور خلوت برابر ہیں۔ پس جس سعادت مند شخص کو اس سعادت کی آرزو ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں ادب کی خوبی کے طریق کو نگاہ رکھے اور اس کی شرطوں کو بجا لائے۔

اور اس جماعت کی صحبت کے آداب حسب ذیل ہیں:

ان کی مجلس میں نہایت ادب کے ساتھ بیٹھے اور اپنی حیثیت سے برتر جگہ پر بیٹھنے کا ارادہ نہ کرے اور اپنے تئیں مفلس ظاہر کرے۔ ان کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے۔ ان کے حضور میں لغو اور بیہودہ باتیں نہ کرے اور کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو ان کی ناپسندیدگی کا باعث ہو اور جنبی اور بے وضو ہونے کی حالت میں اُن کی صحبت میں نہ بیٹھے اور دوسرے اہل مجلس پر فوقیت نہ چاہیے، بلکہ فروتنی اور شکستگی ظاہر کرے اور ان کے کاموں اور باتوں پر

اعتراض نہ کرے۔ جب وہ بات کہنے لگیں، تو کان لگا کر سنے، کیونکہ اہلِ اسرار بزرگوں کی باتیں فائدہ اور حکمت سے خالی نہیں ہوتیں اور بحث اور جھگڑے پر نہ آ جائے، بلکہ اُن کا کلام دل کے کانوں سے سنے اور اس میں کچھ اپنا دخل نہ دے، کیونکہ اولیاء اللہ کی زبان خدا تعالیٰ کے بھیدوں کا خزانہ ہے (یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے کہ) جو بات زبان سے نکلتی ہے، کانوں میں اثر کرتی ہے اور جو دل سے نکلتی ہے، وہ جان پر اثر کرتی ہے۔ دل ان کے باطن کی طرف متوجہ کرے، تاکہ ان کے خزانے سے اس کے سینے پر فیض پہنچے۔ اور اولیاء اللہ کی صحبت کا فیض دل کو خدا تعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے، اور حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت غالب آتی ہے تاکہ محبت کے غلبے سے دل کا استغراق پیدا ہو۔ جب شوق و ذوق کی حلاوتِ باطن میں اثر کرے۔ تو ہر ایک اندیشہ جو غیر اللہ کا دل میں آئے، اس سے کراہت اور بیزاری ظاہر کرے اور خداوند تعالیٰ کے ماسویٰ سے ناخوش ہو۔ اور ہر وقت پورے شوق کے ساتھ حق تعالیٰ کی درگاہ میں متوجہ ہو۔

اور مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اہلِ باطن کی توجہ کی برکت سے معنوں کا نور طالبوں کے دلوں میں روشن ہو اور اُن کے پاک انفاس کی بدولت دائمی حضور اور استغراق ظاہر ہو۔ پس ہر ایک نیک بخت جو اس دولت کے شرف سے شرف یاب ہو، اس کو لازم ہے کہ ہر گھڑی آنکھ بند کر کے اور سر کو عجز کے گریبان میں جھکا کر خدا تعالیٰ کی درگاہ میں متوجہ ہو اور دم بدم ہوشیار رہے اور اپنے دل کے حجرے پر نگہبانی کرے۔ تاکہ ایک دم بھی غیر کا خیال دل میں پیدا نہ ہو اور مراقبہ کی برکت سے باطن کا راستہ کھلے تاکہ مراقبہ میں حسوں کا تعطل (بیکار کرنا) اور دل کی تسلی بہت ہی حاصل ہو اور باطن قسم قسم کے خیالات سے پراگندہ نہ ہو ؎

چشم بند، لب بہ بند و گوش بند　　گر نہ بینی سرِّ حق بر ما بخند

(ترجمہ) آنکھ، لب اور کان بند کر، پھر اگر تو خدا تعالیٰ کے بھیدوں کو نہ دیکھ لے تو مجھ پر ہنس۔

اس لیے کہ زبان، کان اور آنکھ ایک قسم کی کھڑکیاں ہیں، لاکھوں خیالات کی صورتیں ان راستوں سے دل میں آتی ہیں اور حدیثِ نفس کو بڑھاتی ہیں۔اگر کھڑکی بند ہو تو ضرور دل کا شیشہ خطروں کے غبار سے کالا نہیں ہوتا۔

حضرت عروۃ الوثقیٰ قدس سرہٗ العزیز نے لکھا ہے: "دل بیکار نہیں رہتا، یا تو ماسوی اللہ سے ملا رہتا ہے یا خدا تعالیٰ کی محبت میں لگا رہتا ہے۔ آدمی جب تک جاگتا ہے ظاہری حسیں جاسوس ہیں کہ دنیا کی خبریں دل کو پہنچاتی ہیں اور تفرقہ ڈالتی ہیں۔ جب یہ سو جاتا ہے تو باطنی حسیں یہ کام کرتی ہیں اور دل کو پریشان رکھتی ہیں۔ جب دل کا مالک دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو گویا ایک خط دل کے اردگرد پیدا ہو جاتا ہے اور اس قابل نہیں چھوڑتا کہ دنیا کی خبریں دل کو پہنچیں۔ اس وقت دل ایک گہرے مقصد میں لپٹ جاتا ہے، اس لیے کہ بیکار رہنا تو اس کے لیے مفقود ہے۔ سو جب اس طرف سے منع کیا گیا ہے تو سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اس طرف متوجہ ہو جائے۔

جاننا چاہیے کہ تمام پیغمبروں اور ولیوں نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت کے لیے مراقبہ میں ہمیشہ رہنا شرط ہے، کیونکہ ہمیشہ کے مراقبہ سے باطن بہت جلد منور ہو جاتا ہے، اور ماسوی اللہ کے خطروں سے نجات پاتے ہیں۔

اور ہمیشہ کا مراقبہ یہ ہے کہ ہوش اور توجہ سب کی سب خدائے تعالیٰ کی طرف ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کے علم کو اپنی ذات پر گھیرا کیا ہوا دیکھے، وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۝ (اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شئے کو اپنے علم سے گھیر لیا ہے۔) اور ہر گھڑی خطروں کو دور کر کے دل کی آنکھ سے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف دیکھے اور ایک ایک لحظہ الٰہی فیض کا منتظر اور امیدوار رہے۔

لیکن عارفوں کے نزدیک کمال درجہ کا مراقبہ یہ ہے کہ سب ظاہری اور باطنی حسول

کو اپنے عمل سے بیکار کرکے اور سالک ہر لحظہ اپنے آپ سے خالی ہوکر اور حواس سے غائب ہوکر حق سبحانہ تعالیٰ کی درگاہ میں حاضر ہو اور یہ نہیں کہ اپنے مقصود کو شکل۔ مثال علم اور خیال میں جکڑا ہوا دیکھے۔ پناہ بخدا! جو کچھ وہم۔ خیال۔ فکر اندیشہ اور قوتِ مدرکہ میں آتا ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، مگر وہ شخص جو بمصداق موتوا قبل اَنْ تموتو ا (اپنے مرنے سے پہلے مر جاؤ) طبعی موت کے آنے سے پہلے مر جاتے اور اپنی صفتوں سے فانی ہو جائے اور حواسِ باطنی، یعنی وہم و خیال مدرکہ اور اندیشہ کو حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی کے ظہور کے عکس میں گم کردے اور اپنی خودی سے بالکل خالی ہو جائے، تو اس کے بعد وہی کچھ دیکھتا ہے جو دیکھتا ہے، لیکن ہر ایک غافل آدمی، مراقبہ کا قدر کیا جانے اور ہر ایک بدباطن معنوی دولت کو کیا پہچانے۔ اہل معنی احباب جو کچھ خاموشی اور چشم پوشی میں حاصل کرتے ہیں، شاید ظاہری لوگ خواب و خیال میں بھی نہیں دیکھتے اور جو صفائی وقت مراقبہ سے حاصل ہوتی ہے۔ ہزاروں دُرودوں اور ذطیفوں سے میسّر نہیں ہوتی ہے

گوہر طلبی صدف شکن باش ۔۔۔ غواصِ محیط خویشتن باش
معذوری زاں کہ بر کناری ۔۔۔ از غرق شدن خبر نداری

(ترجمہ) اگر تجھے موتیوں کی طلب ہے تو سیپیوں کو توڑ اور سمندر میں غوطہ لگا۔
تو معذور ہے اس لیے کہ کنارے پر ہے، تجھے ڈوب جانے کی کیا خبر ہے؟

پس خدا تعالیٰ کے طالبوں کو چاہیئے کہ ہر وقت مراقبہ میں غرق رہیں اور کسی وقت بھی اس دولت کو ہاتھ سے جانے نہ دیں، اس لیے کہ ابدی سعادت اور ہمیشہ کی دولت اسی عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔

خدا تعالیٰ کے بھیدوں کے واقف حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہ العزیز نے فرمایا: "مراقبہ کے طریق سے وزارت کے رُتبہ، مُلک ملکوت کے قبضہ تک پہنچ سکتے

ہیں۔ اس سے ہمیشہ کی تسلی اور عام لوگوں میں مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔

اے عزیز! میں مراقبہ کے فائدوں کی باتیں تجھے کہاں تک سناؤں۔ مراقبہ کی قدر وہی جانتا ہے جس کا باطن ربانی بھیدوں کے انوار کا محل اور جس کا دل حق سبحانہٗ تعالیٰ کے مشاہدہ سے دیکھنے والا ہے ؎

از کنارِ خویش یابم ہر دمے بوئے نگار

خویشتن را چوں نگیرم دائما اندر کنار

(ترجمہ) "یعنی میں ہر دم ہی اپنی گود سے معشوق کی خوشبو پاتا ہوں۔ تو پھر اپنے تئیں کس لیے گود میں نہ لوں۔"

پس جو چیز فکر۔ خیال اور اندیشہ کو بڑھاتے۔ سالک کو چاہیے کہ اس سے پرہیز کر کے صاف دل کے ساتھ حق سُبحانہٗ تعالیٰ کی جناب میں متوجہ ہو اور اپنے مطالب کا قبلہ سوائے ایک مقصود کے کسی کو نہ بنائے تاکہ حق سُبحانہٗ تعالیٰ اپنی پاک جناب میں ہمیشہ کی گرفتاری عطا فرمائے کہ حقیقت میں نجات اسی گرفتاری میں ہے۔

نقل ہے کہ قیامت کے دن بندہ کسی طرح سے خلاصی نہ پاسکے گا، مگر ایسے دل سے جو غیر اللہ کی گرفتاری سے پاک و صاف ہوگا جیسے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ؕ

(ترجمہ) "وہ دن ایسا ہوگا کہ نہ تو مال ہی نفع دے گا نہ ہی اولاد، مگر جس کو خداوند تعالیٰ نے قلبِ سلیم عطا فرمایا۔"

جاننا چاہیے کہ دل کی دو قسمیں ہیں: اوّل، بیمار دل۔ دوم، سلیم دل۔ لیکن بیمار دل وہ ہے جس میں دنیاوی فکروں کے سوا اور کوئی اندیشہ نہ ہو اور حرص و ہوا۔ طمع۔ حسد۔ بخل۔ تکبر۔ مکر اور بُرے خیالوں سے آلودہ اور سیاہ ہو رہا ہو، اور اس کو کبھی خدا تعالیٰ یاد نہ آئے اور پرلے درجے کی غفلت سے نفسانی لالچوں

میں پھنس گیا ہو۔ اور سلیم دل وہ ہے کہ سوائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے کوئی چیز اس میں نہ سما سکے اور ماسویٰ کے کوڑے کرکٹ سے پاک ہو اور کسی وقت میں غیر کا خیال اُس کے گرد نہ پھرا ہو اور ہمیشہ پورے شوق اور محبت سے حضورِ الہٰی میں محو رہے۔ پس جو شخص عالی فطرت ہے، وہ معنوی مرض سے واقف ہوتا ہے اور اس کے علاج میں مصروف رہتا ہے۔ اور اس کام میں سوچتا ہے جیسے کہ آب و گِل (جسم) کو بیماری لاحق ہوتی ہے۔ جان و دل کو بھی۔ لاکھوں آدمیوں نے اصل مطلب کو بالائے طاق رکھ کر فروعات میں ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور انہیں کو اصل جانا ہے۔ مگر ہزاروں میں سے کوئی ایک ہی ہوتا ہے جو دل کو گِل (جسم) پر ترجیح دیتا ہے اور دل کی حقیقت کو ڈھونڈھتا ہے۔ پس اس مطلب کو یقین سے جان کہ قضا و قدر نے نسخۂ ایمان اور صحتِ اسلام کو دل کے صفحہ پر لکھا ہے۔ نیک بخت وہی ہے کہ کسی وقت بھی اس کے مطالعہ سے غافل نہ ہو، تاکہ عجیب و غریب بھید جو اس میں مخفی ہیں، ظاہر ہوں ؎

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است ۔۔۔ من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در زمین و آسماں و عرش نیز ۔۔۔ من نہ گنجم از یقیں داں اے عزیز
در دلِ مومن بگنجم اے عجب ۔۔۔ گر مرا جوئی بُرو در دل طلب
باغ ہائے میوہ ہا اندر دل است ۔۔۔ عکسِ لطفِ اُو نہ بر آب و گِل است

(ترجمہ) "آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں بلندی اور پستی زمین و آسمان اور عرش وغیرہ میں نہیں سماتا، مگر اے عزیز! یقین دل سے جان کہ میں مومن کے دل میں سماجاتا ہوں۔ اگر تجھے میری جستجو ہے تو (اپنے) دل میں تلاش کر۔ میوہ جات کے باغ دل میں اس کے لطف کا عکس اس ظاہری آب و گِل (جسمِ انسان) پر نہیں ہے۔"

اے عزیز! جو کچھ کہ لوحِ محفوظ میں ہے، وہی چیز مومن بندہ کے دل میں ہے

اور کیونکہ ایسا نہ ہو کہ مومن کا دل خدا تعالیٰ کا گھر ہے۔ قلب المومن بیت اللہ تعالیٰ۔
پس جہاں پر حق سبحانہٗ تعالیٰ ہے، وہاں سب کچھ ہے۔ کان لگا کر سن! مومن کا دل بے نشان سمندر کا سچا موتی ہے اور عالمِ لامکان کا حقیقی راز۔ مومن کا دل ایک ایسا عظیم الشان باغ ہے کہ اس کے گلزار کو کبھی خزاں نہیں۔ ہر ایک نے اپنی لیاقت کے مطابق اُس میں سراغ لگایا ہے، لیکن مرد وہی ہے جو گوہرِ مراد ہاتھ میں لائے ؎

حدیثِ دل اگر گویم بصد دفتر نمے گنجد
کمالِ وصف اُو ہرگز بہ بحر و بر نمے گنجد

(ترجمہ) "اگر میں دل کی بات کہوں تو سینکڑوں دفتروں میں بھی نہیں سماتی
اُس خدائے لایزال کا وصف خشکی اور تری میں نہیں سما سکتا۔"

حدیث شریف میں وارد ہے: جو شخص ہمیشہ دل کا طواف کرتا ہے، کعبہ اس کے طواف کے لیے حاضر ہوتا ہے۔ اور جو شخص دل کو ہر وقت حاضر رکھتا ہے، خدا تعالیٰ سعادت اور فیض کے دروازے اس پر کھولتا ہے۔ عاشق لوگ جو دل کا طواف کرتے ہیں، تو لقاء (خدا تعالیٰ کے دیدار) طلب گار ہیں۔ اور حاجی لوگ جو کعبہ کا طواف کرتے ہیں، بقا کے خواستگار ہیں۔ غور کیا جائے کہ ان دونوں گروہوں میں کس قدر فرق ہے۔ یہ سینکڑوں دُکھ و تکلیف اُٹھا کر بقا کا آرزو مند ہے، اور وہ ہزاروں شوق اور درد کے ساتھ لقا کا مشتاق ہے۔

وہ شخص کیا ہی نیک بخت اور دولت مند ہے، جو دل کی مجلس کا مجتبی ہے اور جان کے مجمع کا صحبتی۔ اور دل کے شیشے سے ماسوے اللہ کا زنگار دور کر کے خدائے واحد کے جمال کے نظارہ پر محو ہو رہا ہے۔ پس اس سعادت کے طالب کے لیے اس سے کیا بہتر اور خوشتر ہے کہ اپنے پاؤں قناعت کے دامن میں دراز کر کے تنہائی کے گوشہ میں بیٹھ کر باطن کے سبزہ زار میں جو عارفوں کا نظارہ گاہ ہے، سیر کرے۔ اور اپنی

حق بین دل کی آنکھ کھولے۔ دیکھو، خداوند تعالیٰ **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) سب چیزوں سے زیادہ نزدیک ہے اور ہمیشہ حاضر و ناظر ہے۔ اور اپنے بندے کے دل کو دیکھتا ہے۔ اس پر بھی افسوس ہے کہ ہم باوجود اس نزدیکی کے کیسے دور پڑے ہیں اور عین سمندر میں پیاسے رہ گئے ہیں اور باوجود بے پردہ ہونے کے ہم پر پردہ پڑ گیا ہے ؎

غرق آبیم و آب مے طلبیم — در وصالیم بے خبر ز وصال
گنج در آستیں و مے گردیم — گرد عالم ز بہر یک مثقال
آفتاب اندر درونِ خانہ ماست — در بدر مے رویم ذرہ مثال

(ترجمہ) باوجودیکہ ہم سر سے لے کر پاؤں تک پانی میں غرق ہیں۔ اس پر پانی کے طلبگار ہیں۔ معشوق سے ہمارا ملاپ ہو چلا ہے۔ اور ہمیں اس ملاپ کی ابھی خبر نہیں۔ خزانہ میری بغل میں ہے اور میں ایک ٹکے کے لیے دنیا کا سوالی ہوں۔ سورج ہمارے گھر کے اندر جلوہ گر ہے اور ہم ذرہ کی طرح دربدر پھر رہے ہیں:

چونکہ چمگاڈر صفت اور کم ظرف لوگ غفلت کے اندھیرے اور باطن کی تاریکی میں خو یافتہ اور عادت گرفتہ ہیں، اس لیے انہوں نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی یاد سے اپنے دلوں کو روشن نہیں کیا اور بد باطنی کے باعث مقصود کے سُورج کی روشنی پر دل کی آنکھ نہیں کھولتے، ورنہ مقصود تو جلوہ گری میں ہے اور یار بغل میں ہے۔ اگر غفلت کی روئی کو ہوش کے کانوں سے نکالے اور مستی سے ہوشیار ہو جائے تو دیکھ لے اور جان جائے کہ اس کے کیسے کیسے بھید تیرے ساتھ ہیں اور تجھ پر کیا کیا عنایتیں ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ اپنی ہمیشہ کی عنایت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے والے کے حق پذیر دل پر ہر روز ستر بار رحمت کی نظر کرتا

ہے۔ اور بخشش کی راہ غفلت کے جنگل کے بھٹکنے والوں کو خطاب فرماتا ہے :
"اے فرزند! آدم ہم نے سب دُنیا کو تیرے لیے پیدا کیا ہے اور تجھے خاص اپنے لیے ہم نے پیدا کیا ہے تاکہ عرش و فرش اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، سب کے سب تیرے خدمت گار ہوں اور تو ہماری درگاہ کا خاص غلام ہو اور ہماری محبت کے دولت خانے کا دربان۔ اور تو ہماری معرفت کی خلعت کے حاصل کرنے میں کوشش کرے۔
حدیث شریف میں وارد ہے، حضرتِ رب العزت کی درگاہ سے ہمیشہ خاص انسانوں کو خطاب ہوتا ہے۔" اے یگانہ دوست با بیگانہ نہ ہو۔ میں نے تم کو یگانگی کے لیے پیدا کیا ہے (یہ عجیب ہے کہ) تو بیگانگی میں اپنے تئیں ڈالتا ہے۔" مولوی معنوی قدس سرہٗ نے کیا اچھا کہا ہے ؎

تو ہمائے دولتی اے ممتحن ۔۔۔ چند جوئی جیفہ چوں زاغ و زغن
بادشاہی از چہ مے باشی گدا ۔۔۔ گنج ہا داری چرائی بے نوا
شاہ باز دستِ سُلطانی چرا ۔۔۔ در جہاں باشی چو بوماں بے نوا
ایں دہِ ویرانہ با چغداں گذار ۔۔۔ کن بقافِ قرب چوں عنقا گذار
با گدایاں کم نشین شاہی طلب ۔۔۔ عاقلی بگذر د آگاہی طلب
ایں دو روزہ عمر را فرصت شمار ۔۔۔ ہاں مشو از دوست غافل زینہار

(ترجمہ) "اے معرضِ امتحان میں آتے ہوئے شخص جب تو ہمائے دولت ہے، تو پھر چیل و کوّے کی طرح مردار کی کیا تلاش کرتا ہے۔ تو شہنشاہ ہے بھکیارہ کیوں بنتا ہے؟ تیرے قبضہ واقتدار میں تو کئی خزانے ہیں، پھر تو مفلس کیوں بنتا ہے۔ تو بادشاہ کے ہاتھ کا باز ہے، پھر تو اُلّوؤں کی طرح حقیر کیوں ہے؟ اس ویران بستی کو الّوؤں کے حوالے کر۔ اور تو خود بذاتہٖ عنقا کی طرح خدا تعالیٰ کی نزدیکی کے کوہ قاف میں بسر کر۔ بھکیاروں میں کم بیٹھ اور بادشاہی کی تلاش کر۔ اس دو دن کی زندگی کو غنیمت جان اور خدا تعالیٰ سے غافل نہ ہو۔"

پس اپنی عمر کی قدر و قیمت کو جان! اور اپنی حقیقت کو پہچان، اور اپنے اصل میں نگاہ ڈال کہ قضاو قدر نے تجھے فرشتوں کا سجدہ گاہ بنایا اور یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ (خدا تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اس کو دوست رکھتے ہیں) کے اعزاز سے معزز کیا۔ اگرچہ تیرا اصل خاک سے ہے، لیکن جو اسرار تجھ میں رکھے گئے ہیں، عالمِ پاک سے ہیں۔ اگر تو ان مخفی رازوں کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتا تو کوشش کر کہ سینہ کا میدان، ان معلوماتِ ظاہری سے خالی ہو جائے اور کسی وقت میں بھی غیر اللہ کا خیال دل میں راہ نہ پائے اور مشاہدہ کی آنکھوں میں سوائے ایک معشوق (خدا تعالیٰ) کے اور کوئی نہ رہے۔ اس لیے کہ شوق مندوں اور صاف ذوق کاملوں کے نزدیک یہی بڑے سے بڑا کام ہے کہ دل کا خیمہ غیرت کے خطروں سے اور دل کا خلوت کدہ دونوں جہان کے علاقوں سے پاک ہو جائے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سوا کسی چیز سے محبت نہ رہے ؎

ہر چہ خواہی بکن اے دوست مکن بارِ دِگر
واں گہے پس نہ بود با تو مرا کارِ دِگر

(ترجمہ: "اے دوست! اپنی خواہشوں سے کنارہ کر اور دوسری دفعہ کبھی ان کا خیال دل میں نہ لا۔ پھر دیکھنا کہ میرا بھی (سوائے ملاپ کے) کوئی اور کام نہ ہو گا۔")

پس جس شخص کی دانش غیرِ حق کے ساتھ محبت کرنے کے لیے وابستہ ہے اور رات و دن اُسی کی ہوا و ہوس میں گرفتار ہے۔ وہ حقیقت میں اپنی حرص و ہوا کی عبادت کرتا ہے نہ کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی۔ قولہٗ تعالیٰ من اتخذ الٰهه هواه۔ (اے پیغمبر! کیا تو نے اس شخص کی طرف دیکھا جس نے حرص و ہوا کو اپنا معبود بنالیا ہے) اسی لیے دل کو غیر سے پاک کرنا اور ماسوا کو بھول جانا اس راستہ کے سالک کے لیے شرط ہے ؎

اگر حریمِ دل از غیرِ دوست سازیٔ پاک
صفائے وحدت را اندر دکنی ادراک

(ترجمہ) "اگر تو اپنے دل کی چار دیواری کو (دوست کے سوائے) غیروں سے پاک کرے، تو تجھے وحدت کی صفائی کا اس میں بہت ہی ادراک ہو جائے"

محبوبِ ربانی مجددالف ثانی قدس سرہٗ السامی نے فرمایا: "اس راستے میں ماسوی اللہ کو بھول جانا شرط ہے۔ جب تک باطن کا شیشہ، مکان کے زنگار سے صاف نہ ہو، حضرت ذات واجب الوجود کا ظہور محالات سے ہے۔ اہلِ ظاہر لوگوں کی ایک جماعت جو معنوی دولت کے حصول کی کوشش نہیں کرتی اور جس نے ظاہری عبادت پر ہی بس کی ہوئی ہے۔ اُس (جماعت) کو وہ عبادت غافل دل کے ساتھ کچھ فائدہ نہیں دیتی، کیونکہ اہلِ معنی ارباب کے نزدیک وہ عمل جو اعضاء سے کیا جائے اور دل موافق نہ ہو، کسی کام میں نہیں آتا اور خداوند تعالیٰ کی درگاہ کا راستہ نہیں کھولتا۔ اس لیے کہ عبادت بلا حضورِ دل ہو۔ وہ نمود بے بود چھلاوا اور بے سود دکھلاوا ہے ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے

حاصلے خواجہ بجز پندار نیست

(ترجمہ) میاں صاحب یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں بہت بڑا نفع ہے، حالانکہ وہ صرف آپ کی اٹکل ہی اٹکل ہے۔

لیکن کاملانِ اہلِ معنی کی یہ عبادت ہے کہ ہر حال میں اپنے دل کی نگہبانی کرتے رہیں اور کسی وقت میں بھی شاہنشاہی محل (اپنے دل) میں کسی نامحرم کا دخل نہیں ہونے دیتے اور ظاہری اعضاء کی بھی (اس کے ساتھ ہی) محافظت کرتے ہیں۔ چنانچہ زبان کو بیہودہ کلام سے، آنکھوں کو ناشائستہ کام سے، ہاتھ پاؤں کو بے جا حرکتوں اور کانوں کو بیہودہ اور ناسزا باتوں کے سننے سے روکتے ہیں۔ اس لیے کہ تمام اعضائے انسانی میں ایسی شہوت ہے کہ آدمی اُس سے گناہوں کے ساتھ آلودہ ہو جاتا ہے اور بہت سے

دنیا کے بندے ان شہوتوں سے غافل ہیں۔ آدمی کو لازم ہے کہ صاحبِ ہوش اور تیز گوش ہو تا کہ ان آفتوں سے خبردار رہے اور اس کام کے فساد سے اسلام میں خلل ڈالے۔ اولیاء اللہ کی تمام علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اُس کے کسی عضو کے ساتھ کوئی بُری حرکت اور ناشائستہ عمل وقوع میں آئے۔

حضرتِ خواجہ قطب الدین اَوشی قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا: "آپ خدا تعالیٰ تک کیونکر پہنچے؟" فرمایا: "اندھا، گونگا، بہرا اور لنگڑا پن سے۔"

حضرتِ شبلی قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا: "عارفِ کامل کی کیا شناخت ہے؟" فرمایا: صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ یعنی جو لب نہ ہلائے، آنکھ بند رکھے اور کانوں سے بہرہ ہو کر اپنے کام میں ایسا مشغول ہو کہ کسی چیز سے اُس کو خبر تک نہ ہو۔"

کل کو قیامت کے دن تمام اعضائے جسمانی سے باتیں کرائی جائیں گی تا کہ اس (انسان) کی گواہی دیں۔ جو کچھ اس نے دنیا میں کمایا ہے جس طرح سے کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الیوم نختم علیٰ افواھھم و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون (سورۃ یونس)

(ترجمہ: اس دن (قیامت) کو ہم ان مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھوں سے کلام کرائیں گے اور اُن کے پاس گواہی دیں گے، ان کاموں کے بارے میں جو انہوں نے دنیا میں کیے"

یعنی انسان، جو انسان جو کچھ نیک اور بد اعمال سے اس دنیا میں کرتا ہے۔ کل کو قیامت کے دن اس کے سب اندام اس پر گواہی دیں گے اور جن چیزوں کی آج ناز و نیاز سے پرورش کرتا ہے، وہ سب کے سب قیامت کے دن دشمن ہو جائیں گے۔

لیکن سالک کو لازم ہے کہ اپنے بدن کے سب اعضاء کو گناہوں سے تنگ رکھے اور ہمیشہ اپنے احوال کے بہی کھاتہ کو دیکھتا رہے تا کہ آخرت کو شرمندگی اور خواری پیش نہ آئے اور ان بیماریوں کا علاج اس سے بہتر نہیں ہے کہ ہمیشہ دل کے درست کرنے میں

کوشش کرے۔ جب دل درست ہو جائے گا، تو باقی تمام اعضا اور تمام اندام صلاح پذیر ہو جائیں گے اور جس طرح دل ہے ویسے ہی ہو جائیں گے، کیونکہ وجود کی بادشاہت میں دل بادشاہ ہے، اور بدن رئیس ہے اور باقی سب اعضا بمنزلہ رعیت کے ہیں اور تابع۔ اگر بادشاہ نیک اور صالح ہو تو تمام رعایا اور تابعین نیک اور صالح ہو جاتے ہیں۔ یہی تو باعث ہے کہ اہل معنی کاملوں کے نزدیک دل کو غیر حق سے پاک رکھنا، باقی کل عبادتوں سے افضل ہے۔

ابن عطار قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا: "سب عبادتوں سے افضل کونسی عبادت ہے؟" فرمایا: "ہمیشہ اور ہر حال میں دل کو حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا ہی سب سے بہتر عبادت ہے، کیونکہ محققین کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ باطنی اعمال، اعضا کے اعمال پر افضل ہیں۔ اس لیے کہ باطنی اعمال بہت جلد دل غیر حق سے علیحدہ کر دیتے ہیں اور ان سے صفائی پر صفائی حاصل ہوتی ہے۔ یہی موجب ہے کہ اہلِ معنی اربابِ ظاہری اعمال میں بہت کوشش نہیں کرتے اور جو عبادت کا مغز ہے، اس کو اڑا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک قیمتی جواہر، ہزاروں کنکریوں سے۔ اور ایک مغز دار اخروٹ ہزاروں خالی اخروٹوں سے بہتر ہے ؎

ایں ریاضت نیست گر رنجے بری	کم بخسپی کم بگوئی کم خوری
آں ریاضت باشد اے عالی مقام	گوش کن تفسیر آں را زیں کلام
پاسبانی دل کن اندر کُل حال	تا نیابد ہیچ دزد آں جا مجال
ہر خیال غیر حق را دزد داں	ایں ریاضت سالکاں در دداں

(ترجمہ) اگر تو کم کھانے، کم سونے اور کم بولنے ہی کو، جس کے لیے تو تکلیف اٹھاتا ہے، ریاضت سمجھتا ہے، تو یہ ریاضت نہیں ہے۔ اس کلام کی تفسیر کو متوجہ ہو کر سن۔ ہر حال میں اپنے دل کی نگہبانی کرتا کہ کسی چور کو اس پر دسترس نہ ہو۔ جو غیر حق خیال تیرے دل میں

آئے۔ اُسی کو چور سمجھ، سالکوں کی عین فرض یہی ریاضت ہے۔

نقل ہے کہ ایک بیوقوف آدمی نے ایک فقیہہ عالم سے پوچھا: "اگر کنوئیں میں چوہا گر پڑے، تو اس کنوئیں کا پانی پاک کرنے کا کیا حکم ہے؟" عالم نے جواب دیا کہ "اتنے ڈول پانی نکالنا چاہیے۔" اس کم عقل نے چوہا مذکور کنوئیں سے باہر نکالنے سے پہلے ہی مقررہ ڈول نکالنے شروع کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی ویسا ہی ناپاک رہا اور اس کی محنت رائیگاں اور مشقت یوں ہی برباد گئی، اور جو اس کا مطلب تھا، وہ بھی حاصل نہ ہوا۔ ایسا ہی اُس گروہ کے لوگوں کا حال ہے کہ غفلت کے ساتھ عبادت کرتے ہیں اور دل کے پاک کرنے میں کوشش نہیں کرتے، اور یہ نہیں جانتے کہ اگر حضورِ دل کے ساتھ تھوڑی عبادت بھی کی جائے، تو اس کا نتیجہ بہت اچھا ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بہت سے لوگ نماز و روزہ سے سوائے درماندگی کے کچھ بھی حاصل نہیں کرتے۔" یعنی غافل دل کو ساتھ لے کر رسم و عادت کی رُو سے ادا کرتے ہیں۔ پس ہر ایک عبادت کا مدار حضورِ دل پر موقوف ہے اور حضورِ دل ہی عبادت کا مغز ہے۔ طاعت کی لذت بلا حضورِ دل حاصل نہیں ہوتی۔ ہر یک طالبِ حق کا دل اس درگاہ میں حاضر ہونا ہی کافی ہے۔

تذکرۂ غوثیہ میں مذکور ہے کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا: "اے غوث الاعظم! جو لوگ تقلید کے راستے سے ظاہر عبادت میں مشغول ہوں، تحقیقِ علم سے انہیں کچھ خبر نہیں اور صرف رسمی عبادت پر ہی قناعت کرتے ہیں، تو وہ عبادت ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ پس یہ خیال نہ کر کہ سب کی سب بزرگی بدن اور کپڑے کے پاک و صاف کرنے پر ہی منحصر ہے اور اس غافلانہ عبادت سے ہی یہ فضل حاصل ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی باطن کی طہارت کا ہونا بھی نہایت لابدی ہے۔

جاننا چاہیے کہ پاکیزگی کی چھ قسمیں ہیں:

اوّل: ظاھری پاکی، یعنی بدن اور کپڑوں کو نماز ادا کرنے کے لیے پاک رکھنا، یہ عام مسلمانوں کی پاکی ہے۔

دوم: اعضائے اور اندام کو گناھوں سے پاک رکھنا۔ اور گناہوں کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً جھوٹ بولنا۔ حرام کھانا۔ خیانت کرنا۔ نامحرموں کو دیکھنا۔ پیٹھ پیچھے کسی کی بُرائی کرنا وغیرہ۔ اور یہ پرہیز گاروں کی پاکی ہے۔

سوم: باطن کو ناپاک خلقوں سے پاک رکھنا۔ اور ناپاک یا پلید خلقوں کی تفصیل حسب ذیل ہے، مثلاً حسد، کبر، ریا، حرص، عداوت، رعونت وغیرہ۔ اور یہ پارسا لوگوں کی پاکی ہے۔

چہارم: دل اور بھیدوں کی پاکی۔ اور وہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے پرہیز کرے۔ یعنی جو کچھ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سوائے ہے۔ اس کو باطن میں نہ آنے دے۔ یہ عارفوں اور عاشقوں کی پاکی ہے، جو دل کو غیر حق سے پاک رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ باطن کی پاکی میں نفس کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے تاکہ خلقت کی آنکھیں اُس پر نہ پڑیں، کیونکہ باطن حق سبحانہٗ تعالیٰ کے نظارہ کی جگہ ہے۔ خلقت کا نظارہ گاہ نہیں ہے اور یہی باعث ہے کہ ہر ایک شخص کو اس کی پاکی سے رغبت نہیں ہے۔ کان لگا کر سن!

ظاھر کی پاکیزگی: اعضاء اور اندام کا دھونا۔ لیکن باطن کی پاکیزگی ہمیشہ خداوند تعالیٰ کو اپنے دل میں حاضر رکھنا۔

ظاھر کی صفائی: بدن کو پاک و صاف رکھنا مگر باطن کی صفائی، دل کی پاکیزگی۔ بدن کی آراستگی فنا ہو جاتی ہے، مگر دل کی آراستگی بندہ کے ساتھ تادوام ہے۔ اس لیے کہ دُنیا کے لوگ ظاہر کو دیکھتے ہیں، مگر باطن کو خداوند تعالیٰ دیکھتا ہے۔

افسوس صد افسوس! دُنیا کی نظر گاہ کو میں نے سنوارا اور خدا تعالیٰ کی نظر گاہ کو میں نے بگاڑا۔ پس دین اور دُنیا کا سعادت مند وہی ہے جو اپنے ظاہر اور باطن کو بُرے اخلاق سے

پاک رکھ کر ہمیشہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور پست فطرت غافلوں کی طرح نفسانی حرص وہوا میں جکڑ بند نہ ہو۔

جب اس دنیا کی زندگی وہی مثال رکھتی ہے جیسے پانی پر بُلبُلا اور جیسے خواب میں خیال۔ تو عقلمند وہی ہے کہ خواب و خیال پر بھروسہ نہ کرے۔ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے تئیں بادشاہی لباس سے آراستہ اور لعل وجواہر سے پیراستہ، بادشاہت کے تخت پر جلوس فرما ہوئے دیکھے تو درحقیقت وہ بادشاہ نہیں ہو جاتا، اس لیے کہ خواب ایک خیال سے بڑھ کر نہیں، کیونکہ جب جاگتا ہے تو سوائے حسرت اور پریشانی، حیرانی اور سرگردانی کے اُس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

اسی طرح سے ایک دُنیا کی فانی زندگی کا حال ہے کہ جس قدر گزر چکی، وہ خواب و خیال دکھائی دیتی ہے اور صرف موجودہ چند سانس ہی غنیمت معلوم ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ دنیا کی لذت ہو بہو ایسی ہے جیسے احتلام کی لذت کہ لمحہ بھر میں گذر جاتی ہے اور اس کی کدورت اور کثافت باقی رہتی ہے۔ پس کس لیے؛ اس دنیا میں چند دن دُکھ اور تکلیف اٹھا کر (اعمالِ صالح کا) ایک خزانہ تو اپنے ہمراہ نہیں لے جاتا۔ اور جس دنیا میں جانا نہایت ضروری ہے، اس سے آشنا نہیں ہوتا۔ غور کر اگر کوئی بے چارہ مسافر کسی اجنبی شہر میں وارد ہوتا ہے۔ تو اگر کسی شخص سے اس کی واقفیت ہوتی ہے، تو اطمینان کے ساتھ دلیرانہ طور پر آتا ہے اور کچھ فکر و تردد اس کے دل میں نہیں آتا۔ پس تجھے ایسے مکان میں جانا ہے جہاں پر خدا تعالیٰ کے فضل وکرم کے سوا کوئی تیرا مددگار نہ ہوگا۔ پھر اس سے زیادہ کیا اچھی اور بھلی بات ہے کہ اس جہان میں تو اپنے خدا تعالیٰ سے دوستی پیدا کر لے تاکہ اپنے آخری وقت میں لاتخافوا ولا یحزنوا (ہرگز خوف نہ کرو، اور ایک ذرہ بھر بھی غمگین نہ ہو) کی آواز اپنے کانوں سے سُنے اور اس جہان سے ہنستا کھیلتا کوچ کرے۔

نقل ہے کہ جب نیک بخت بندہ کی رُوح کو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں، توساتوں آسمانوں کے فرشتے تعجب سے کہتے ہیں، اس بندہ نے ایسے گھر سے نجات پائی، جہاں پرہم سے بہترین فرشتے، ہلاک ہوئے، یعنی ہاروت و ماروت۔

بعض بڑے بڑے حضراتِ صوفیائے کرام کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ انسان کی روح کو نچلے آسمان سے اوپر نہیں لے جاتے تاوقتیکہ بدن سے جدا ہونے کے وقت جسمانی اور نفسانی علاقوں کی تنگی سے خلاص نہیں کرلیتے۔ یعنی دل کو غیر اللہ کی پکڑ سے چھڑا کر اور بشری صفتوں سے الگ کر کے روحانی قوت کے ساتھ نفسانیت سے علیحدہ ہو کر حقیقی سیر میں عالمِ سفلی سے عالمِ علوی کی طرف عروج کرے اور کمالیت حاصل کر کے اپنے آپے اور غیر سے الگ۔ اور اس جہان سے بے خبر ہو کر لامکان کے میدان میں جو عارفوں کی سیر گاہ ہے، پرواز کرے۔

پس اے "طالب حق" اس دولت کو حاصل کر، اور ذکرِ الٰہی کے ذریعے سے ماسوی اللہ کے نقشوں کو قوتِ مدرکہ کی تختی سے مٹا، اور دنیا داروں اور ہوا پرست غافلوں کے ساتھ جو وقت کو ضائع کرتے ہیں حاجت سے بڑھ کر دھیان نہ کر کہ ان کی صحبت بالکل سُست کر دینے والی، تاریکی، اور شربتِ نماز زہر ہے۔ جس نے ان کی صحبت سے دل لگایا۔ وہ حق سبحانہ تعالیٰ سے دور اور جُدا رہتا ہے، اس لیے کہ درحقیقت بنی نوع انسان لطیف تر اور سریع الاثر جوہر ہے۔ جس کے ساتھ ملتا ہے، اُسی کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، لہذا بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک نکما آدمی، سینکڑوں کاروباری آدمیوں کو راستہ سے ڈگمگا دیتا ہے اور جیسا خود ہے، ویسا ہی ان کو بھی بیکار کر دیتا ہے۔ خاص کر مبتدی کے لیے تو عام لوگوں کی صحبت بہت ہی نقصان دہ اور ضرر رساں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نفسانی حرص و ہوا قسم قسم کی بدخلقیاں اُن پر ڈیرہ جمائے بیٹھی ہیں۔ اور جب مبتدی عام لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے، تو ان کی تاریکی اس میں بھی اپنا اثر کرتی ہے اور اس کے دل کو

سیاہ بناتی ہے۔

حضرت مولوی معنوی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اپنے ہم جنسوں کے سوائے کسی غیر سے صحبت نہ رکھو، کیونکہ انسان کی طبیعت چور ہے اور پوشیدہ راستہ سے چیزوں کو چُراتی ہے، حالانکہ اس طبیعت کا مالک اس سے غافل ہوتا ہے۔ جب ذکرِ الٰہی سے سالک بہت مضبوط ہو جاتا ہے اور حال اُس پر ہمیشہ غالب رہتا ہے تو غافلوں کی کسی قسم کی تاریکی اور کدورت اُس میں اثر نہیں کرتی، اس لیے کہ حکم ہمیشہ غالب ہی کا ہے جیسے ترازو کا پلڑا۔ جس طرف سے زیادہ بھاری ہوتا ہے، ہلکے پلڑے کو جگہ سے اُٹھا دیتا ہے اور اپنی طرف کھینچتا ہے۔ بس آدمی کو ہرگز لائق نہیں کہ خلقت کے میل ملاپ، اور لوگوں کی خوشی اور رضامندی کے لیے اپنے پیدا کرنے والے (خدا تعالیٰ) کی عبادت اور کمالات کے حصول کی سعادت سے بے نصیب رہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا: عجب بدبخت ہے وہ شخص کہ عام لوگوں کی رضامندی اور تالیف قلوبی کے لیے اپنی جان کو اپنے پیدا کرنے والے کی آنکھ میں گرفتار کرالے اور چند روزہ فائدہ کے لیے اپنے پیارے دل کو دوزخ کا ایندھن بنائے۔ پس وہ بھائی دوست، اور ہم نشین، جن سے تجھے دینی فائدہ نہ ہو۔ ان کی صحبت کے سر پر خاک ڈال۔ اور پسِ پشت پھینک۔ اس لیے کہ زندوں کی صحبت جو تجھے خدائے تعالیٰ سے جُدا کرے۔ میتوں کی صحبت اس پر ہر طرح سے شرف رکھتی ہے۔

حضرت مولانا شمس الدین قدس سرہٗ نے کہا: پسندیدہ مرید کا یہ نشان ہے کہ غیر جنس لوگوں سے ہرگز صحبت نہیں رکھتا۔ اگر مجبوراً اُن کی صحبت کا اتفاق ہو بھی جائے تو اُن میں اس طرح بیٹھتا ہے جیسے منافق مسجد میں۔ یا نوآموز بچہ مدرسہ میں یا قیدی جیل خانہ میں۔ لیکن ان درویشوں کی صحبت جو خدا تعالیٰ کی یاد میں غرق ہیں، ایسی دولت ہے جو بیگانہ کو اپنا اور گنہگار کو مطیع اور پیاسے کو تر و تازہ اور غافل کو ہوشیار بناتی ہے۔

جز صحبتِ عاشقانِ مستاں مپسند ‌ ‌ ‌ ‌ دل در ہوسِ قوم فرومایہ مبند
ہر طائفہ ات بجانب خویش کشند ‌ ‌ ‌ ‌ چغدت سوئے ویرانہ و طوطی سوئے قند

(ترجمہ) "مست عاشقوں کی صحبت کے سوائے کسی اور طرف کا خیال نہ رکھ۔ کمینہ قوم کی ہوس میں دل نہ لگا۔ ہر ایک گروہ تجھے اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے۔ اُلّو اپنے ویرانہ کی طرف اور طوطی مٹھاس کی طرف۔"

پس ایسے صاحبِ دل کی صحبت تلاش کر، جو قربِ الٰہی تک پہنچ گیا ہو اور جس نے خدا تعالیٰ کی معرفت کی مٹھاس چکھ لی ہو اور جس نے اپنا دل ماسوی اللہ سے ہٹا لیا ہو ایسے شخص کی صحبت عین کیمیا ہے، جو انسان کے وجود کے کالے لوہا کو خالص زر بناتی ہے۔ اگر تو ایسے لوگوں کے رنگ میں رنگا جاہتا ہے تو ہمیشہ ان کے ساتھ رہ۔ مگر خبردار اس مقام پر غلطی نہ کھانا، کیونکہ اس مقام کی شناخت، ان ظاہری آنکھوں سے علاقہ نہیں رکھتی۔ اگر ظاہر میں یہ لوگ ہماری طرح ہنسی خوشی کرتے ہیں، لیکن باطن میں فرمانبردار غلام کی طرح حق سُبحانہٗ تعالیٰ کے حضور میں ہیں اور ماسوی اللہ سے دُور۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی توحید کے میدان کے ایسے شاہباز ہیں، کہ سوائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اور کسی طرف دھیان بھی نہیں کرتے۔ مگر چونکہ یہ زمانہ آخری زمانہ ہے اور لوگوں کی قوتیں سُست اور ہمتیں پست ہو گئی ہیں۔ پس اکثر اہلِ ظاہر لوگ اسی شخص کو صاحبِ کمال گنتے ہیں جس سے تصرفات اور خوارق و عادات ظاہر ہوں یا جس کو دلوں کے مسخر کرنے کا علم حاصل ہو، مگر محققینِ اہلِ کمال اور مقربینِ حضرتِ ذوالجلال کے نزدیک پایۂ اعتبار سے خارج ہیں۔ اس لیے کہ ان کے سامنے وہ خاص مقصد ہے کہ اگر ایک لمحہ غافل ہوں اور غیر اللہ کی طرف توجہ کریں۔ ڈھانپے جاتے اور بہت دُور جا پڑتے ہیں ؎

بخواب آلودگی کُن ملے فرسنگ
کہ وقت از چشم مالیدن شود تنگ

(ترجمہ) "اُونگھ کی حالت میں ہی کوسوں فاصلہ طے کر، کیونکہ یہاں وقت ایسا نازک ہے کہ آنکھ جھپکنے تک بھی تنگ ہو جاتا ہے۔"

مگر بیچارے ظاہر بین نادان لوگ جن کی آنکھیں معنی شناس نہیں ہیں، وہ کیا کریں۔

یہاں پر ایک اعلیٰ اور بہت باریک نکتہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ اولیاء کے تصرفات اور خوراک اگرچہ برحق ہیں، لیکن بزرگانِ دین اور روندگانِ راہِ یقین، ان کو اس راستہ کے مطالب سے نہیں گنتے۔ اس لیے کہ ایسے کام ولی اللہ ہونے کے لیے لازم نہیں ہیں، لیکن فانی ہو جانے اور ماسوی اللہ کے بھول جانے کو اس راستہ کی شرط جانتے ہیں، کیونکہ علمِ سلوک کے دنیا میں بڑے بڑے مطلب اور عظیم الشان مقصد وہ گنے جاتے ہیں کہ سوائے ایک مقصود کے دل میں کوئی اور مقصد نہ رہے۔ اور غیر اللہ بالکل درمیان میں سے اٹھ جائے اور جو کچھ ظاہر ہو، نگاہ میں نہ لائے اور مانند مازاغ البصر وما طغیٰ (نہیں کجی کی نظر نے اور نہ زیادہ بڑھ گئی) کے موصوف ہو جائے تاکہ ولایت کے درجوں کی وحدت، اور خدائے واحد کے رتبوں کا قرب حاصل ہو۔ پس اگر (قضا و قدر) طالب سالک کو پوشیدہ رازوں پر اطلاع دیں اور تصرفات پر طاقت بخشیں، تو جہاں تک اس میں طاقت اور وسعت ہے اور رازوں کے مخفی رکھنے میں کوشش کرے نہ کہ ان کی فروخت کا بازار گرم کرے، کیونکہ تصرفات کو اپنے اختیار سے ظاہر کرنا اُس راستے کے چلنے والے کے لیے حضرتِ ذوالجلال کے قرب اور ایزد متعال کے ملاپ سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے طالب کے دل میں سوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ایک ذرہ بھر بھی ہوس یا کوئی آرزو ہو تو ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تک پہنچے۔

وہ جماعت جس کے لوگ خدا تعالیٰ تک پہنچے ہیں۔ دونوں جہان کے مقاصد سے چھوٹ کر سوائے محبوبِ حقیقی (خدا تعالیٰ) کے کسی اور طرف دل نہیں لگاتے اور سوائے خدائے واحد کی ذات کے، ان کا اور کوئی مقصد، مطلب یا محبوب نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ

ان کو ہر ایک چیز سے آگاہی ہوتی ہے، لیکن اپنے ارادہ سے اس کو ظاہر نہیں کرتے۔ ہاں! اگر کوئی سخت ضرورت پڑ جائے جیسے اپنے مریدوں کی تربیت یا دین کی تقویت۔ تو ایسی حالت میں اس کو ظاہر کرنا کچھ مضائقہ نہیں جانتے۔

عارفاں کہ جامِ حق نوشیدہ اند

رازہا دانستہ و نوشیدہ اند

(ترجمہ) "حق سبحانہ تعالیٰ کی معرفت کا پیالہ پینے والے عارفوں نے اس کے بھیدوں کو جان بوجھ کر چھپایا ہے۔"

ایک بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے" جس طرح کہ پیغمبروں کا معجزات دکھانا فرض ہے، اسی طرح اولیاء اللہ پر تصرفات اور کشف و کرامات کا چھپانا فرض ہے۔

عقوبت الانبیاء حبس الوحی وعقوبت الاولیاء اظہار الکرامات وعقوبت المومنین التقصیر فی الطاعات۔

(ترجمہ) "وحی کو بند رکھنا پیغمبروں کا عذاب ہے اور کرامات کا ظاہر کرنا ولیوں کا عذاب ہے اور عبادات میں قصور کرنا مومنوں کا عذاب ہے۔"

مقبولِ ربانی شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس سرہٗ نے فرمایا: "پانی پر تیرنا مچھلیوں کا کام ہے۔ ہوا پر اُڑنا پرندوں کا وظیفہ۔ اور غیب کی خبر دینا کاہنوں کا شیوہ ہے، اور یہ سب نکمے کام ہیں۔ بزرگانِ اہلِ کمال کے نزدیک بڑائی یہ ہے کہ ان کا ظاہر حال تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت سے آراستہ ہو اور اُن کا دل غیرحق سے خالی ہو کر ہمیشہ ذوق و شوق کے طریق پر خداوند تعالیٰ کے حضور غرقاب ہو۔ اور سوائے حق سبحانہ تعالیٰ کی یاد کے اُن کا دھیان کہیں اور جگہ نہ جاتے، کیونکہ غیرحق کی طرف توجہ کرنا، اصلی مقصود کو بھولنا اور حق سبحانہ تعالیٰ سے غافل کرنا ہے ؏

"کار این است غیر ازیں ہمہ ہیچ"

کام صرف یہی ہے، اس کے سوا سب ہیچ ہے۔"

محبوبِ سُبحانی، قطبِ ربانی، شہبازِ لامکانی شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا: "میرا ایک مرید بیت المقدس سے ایک ہی قدم بھر کر یہاں (بغداد میں) آیا ہے اور اس نے توبہ کی ہے۔"

شیخ صدقہ نام ایک بزرگ جو شیخ موصوف کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ جو شخص ایک ہی قدم بھر کر بیت المقدس سے بغداد پہنچے، تو وہ توبہ کس لیے کرے؟

حضرت (یہ مطلب پاکر) اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرمایا: "وہ اس لیے توبہ کرے کہ پھر حرص و ہوا کی طرف نہ جائے اور میرے پاس آنے کی اُس کو اس لیے حاجت پڑی ہے کہ اسے حق سبحانہٗ تعالیٰ کا سیدھا راستہ بتاؤں۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ فرماتے تھے: "خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے والے احباب کو کشف گوئی کی کچھ حاجت نہیں۔ خدا تعالیٰ کے طالب کے لیے درست اعتقاد۔ شریعت کے حکموں کی نگہبانی۔ پورا اخلاص۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی درگاہ پر ہمیشہ توجہ رکھنا سب سے بڑھ کر دولت ہے۔"

حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: "نفی طبعی ایک پلک جھلک میں کرنی چاہیے اور معبودِ حقیقی کے اثبات کو بھی عمل میں لانا چاہیے (یعنی کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ہر وقت ذکر کرنا چاہیے) اگرچہ نماز۔ روزہ۔ ریاضت اور مجاہدہ، خدائے واحد کی پاک درگاہ میں اصول کے طریق ہیں، لیکن نفی وجود ہمارے نزدیک سب سے عمدہ طریق ہے۔

حضرت ابو عمر زجاجی قدس سرہٗ فرماتے تھے: "پانی پر چلنے کی نسبت اگر میرے وجودِ بشری سے ایک ذرہ کم ہو جائے، تو میں اسے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔"

لہ یعنی پانی پر چلنا جو ایک خرقِ عادت ہے، وہ مجھے پسند نہیں ہے اور بشریت کا ایک ذرہ میرے وجود سے کم ہو تو وہ مجھے پسند ہے (مترجم)

پس اس راستے کے چلنے والے کو چاہیے کہ جو چیزیں راستہ دکھاتی دیں، ان پر ہرگز ہرگز توجہ نہ کرے اور ہمیشہ نیستی اور عدم کے مقام میں ٹھہرا رہے اور جو کچھ اس سے صادر ہو، اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہ کرے، جبکہ تصرف حق سبحانہ تعالیٰ کا ہے تو سب کچھ اسی کے سپرد کرے اور اپنی ذات کو درمیان میں نہ دیکھے اور پرلے درجے کی مستعدی سے خداوند تعالیٰ کی بندگی اور فرمانبرداری میں قیام کرے اور ہمیشہ خدائے واحد کے مشاہدہ میں غرق رہے، کیونکہ بڑے رتبوں کا حصولِ استقامت پر ہی موقوف ہے اور کاموں پر استقامت کرنا بہت ہی اچھی دولت ہے۔ جو کچھ خداوند تعالیٰ نے پیغمبروں اور ولیوں پر انعامات فرمائے ہیں، وہ سب کے سب اسی استقامت ہی کے ذریعہ سے ہیں۔ جو ظاہری اور باطنی عبادات سے حاصل ہوتے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ فاستقم کما امرت۔ (پس ٹھہرا رہ جیسا کہ تو حکم کیا گیا ہے)

پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: الاستقامت افضل من حصول الکرامۃ (استقامت کرامت کے حاصل کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے)

محققینِ اہلِ معنی نے کہا ہے، طالب الاستقامت ولاتکن طالب الکرامۃ فان الرب یطلب الاستقامۃ وان النفس یطلب الکرامۃ۔ (استقامت کا طالب ہو اور کرامت کی پرواہ نہ کر۔ اس لیے کہ خداوند تعالیٰ تو استقامت کو چاہتا ہے اور بندہ کا نفس کرامت کا طلب گار ہے)

خداوند تعالیٰ کی خواہش تمہیں اپنے نزدیک بلانا ہے۔ قولہ تعالیٰ یدعوا الیٰ دار السلام (اللہ تعالیٰ دارالسلام کی طرف بلاتا ہے)

اور نفس کی خواہش انسان کو خدا تعالیٰ سے دور کرنا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ ان النفس الامارۃ بالسوء (بے شک نفس بہت بڑا حکم دینے والا ہے بُرائیوں کا)

نقل ہے کہ ایک درویش کو جنگل میں پیاس لگی، اُس کے لیے ایک برفاب یا سرد پانی کا پیالہ اتارا گیا۔ درویش نے کہا" اے اللہ پاک! تیری عزت کی قسم' نہ پیوں گا، مگر ایک جنگلی گنوار کے ہاتھ سے جو میری گردن پر ڈھپڑ (طمانچہ) مارے۔ اور چند گھونٹ پانی کے دے۔ میں کرامت نہیں چاہتا" کرامتوں سے متنفر ہونا یا بھاگنا اس لیے ہے کہ نفس میں غرور پیدا نہ ہو (اور سارے تصوف کا لُب و لُباب نفس کو توڑنا ہے) اور اولیائی (ولایت) کے کارخانے میں جس کا دوسرا نام قربِ حق یا خدا تعالیٰ کی نزدیکی ہے، خلل نہ آنے پائے۔

چونکہ خوارق عادات غیر حق کے قبضے میں ہیں تو جتنا غیر حق کی طرف دھیان کرے، اور آرام طلب کرے، اتنا ہی خدا تعالیٰ سے دُور جا پڑتا ہے۔

حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا: عارف کی لذت۔ کریم (خدا تعالیٰ) سے ہٹ کر کرامات کی طرف جھک جاتا ہے۔ جب اس راستے کے چلنے والے کے لیے تصرفات، خدا تعالیٰ کی عنایتوں میں سے ایک عنایت ہے۔ تو جو شخص اسی عطا پر راضی ہو جائے (یعنی اسی پر بس کر بیٹھے) اس کو عطا کنندہ تک پہنچنا نہایت مشکل ہے۔

شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ' نے فرمایا:" سالک کے سامنے پورے ایک سو مراتب پیش کیے گئے جن میں سے سترھواں مرتبہ کشف و کرامات ہے' اگر اسی پر ٹھہر جائے، تو باقی ۸۳ مرتبوں تک ترقی اس کے نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ ابو السعود قدس سرہ' نے اپنے مریدوں سے فرمایا:" گیارہ برس کے عرصے سے مجھے خداوند تعالیٰ نے اپنی بادشاہت میں دخل دینے کی اجازت دی ہے۔ تو بھی میں نے کبھی تصرف سے کام نہیں لیا۔" ایک دن مریدوں نے پوچھا: پھر آپ نے کیوں تصرّف سے کام نہ لیا؟" تو فرمایا:" تصرف کو میں نے خدائے پاک ہی پر رہنے دیا، جو اس کی مرضی ہو' کرے۔"

جو نوازشیں اور عنائتیں کہ آقا اپنے غلام کے حق میں کرے، اسے اپنا محرم راز بنائے۔ اپنے کاروبار میں دخل دینے کی اس کو اجازت دے اور اپنے خزانوں کی چابیاں اس کے حوالے کرے، مگر خادم کا ادب یہی ہے کہ اس کام میں بدپرہیزی نہ کرے اور سوائے اصلی مقصود کے آقا کی کسی چیز میں دھیان نہ کرے اور کسی مقام کو اپنا مقام نہ بنائے اور کسی رتبہ کو قبول نہ کرے اور اس قسم کے کسی جکڑ بند میں جکڑا نہ جائے۔ اگر جکڑا جائے (تو یاد رکھے کہ پھر اس کے لیے ترقی کی راہیں بند ہیں) اور اس کو آگے نہیں لے جائیں گے۔

حضرت شیخ یحییٰ منیری قدس سرہٗ نے کہا: "دنیا میں قسم قسم کے بُت ہیں، مگر عارفوں کا بُت کرامت ہے۔ اگر کرامت پر آرام لیں گے، تو پردہ میں آجائیں گے۔ اگر کرامت سے بیزاری اختیار کریں اور اس کو اپنا مقصود نہ سمجھیں، تو خدا تعالیٰ کی ذات میں مل جائیں گے۔ اس لیے کہ ولایت، غیر دوست سے منہ پھیرنے اور اُس کو ترک کرنے کی شرط سے علاقہ رکھتی ہے۔ اور ترک و اخذ (چھوڑنا اور قبول کرنا) ایک دوسرے کے ضد ہیں اور اقبال اور اعراض دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ جب سالک نے کرامت کو قبول کیا اور اس کو اپنا مقصود جان لیا، تو گویا اس نے دوست سے منہ پھیر لیا اور اس کے غیر کو قبول کر لیا اور یہ بات مسلّم الثبوت ہے کہ ولایت رُوگردانی کے ساتھ نہیں ہوتی، جس نے تجھے خدا تعالیٰ سے ہٹا دیا، اس نے تجھے اپنے ساتھ ملا لیا۔

اگر کوئی شخص اس مقام پر سوال کرے کہ بہت سے اہلِ کمال اولیاء اللہ کے ہاتھوں سے جو درگاہِ الٰہی کے مقرب تھے، بیشمار کرامات وقوع میں آئیں، تو جاننا چاہیے کہ جب تک سالک نے سلوک کو ختم نہ کر لیا ہو۔ تب تک اس کے لیے اپنے اختیارات سے تصرفات کا اظہار نقصان دہ اور مانع ہے، کیونکہ ابھی وہ راستہ میں ہی ہے اور منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا۔ سو جب تک وہ راستہ میں ہے۔ لاکھوں دشمن اس کے ہمراہ ہیں۔ جب درجۂ فنا سے گزر کر بقا کے درجہ سے حصہ لے اور (امارہ لوامہ ہونے کے بعد) نفسِ مطمئنہ ہو جائے۔ اس وقت

تصرفات کا اظہار اس کو کچھ دُکھ نہیں دیتا، کیونکہ وہ حق سُبحانہٗ تعالیٰ میں فانی ہوکر مٹ گیا ہے اور اپنی ہستی سے چھوٹ گیا ہے اور اس کے وجود کے شیشہ میں ایک ذرہ بھر بھی بشریت کی بُو نہیں رہی۔ اس کی زبان خدا تعالیٰ کی زبان، اس کا ارادہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوگیا ہے اور اس سے جو کچھ صادر ہو، دراصل وہ اس سے صادر نہیں ہوتا۔ پس خوارق اور تصرفات کا اظہار اس شخص کے لائق ہے جو فریبِ نفس سے بے غم ہوگیا ہو اور اس کے دل کی چار دیواری میں غیرِ حق کا خیال ہرگز ہرگز راہ نہیں پاتا اور اپنی ذات سے فانی ہوکر حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ بقا پذیر ہوگیا ہو۔

جب کہ بعض اولیاء کرام نے خداوند تعالیٰ کی کشش سے اپنے باطن ہی باطن میں کام کیے ہیں اور مشہوری و ناموری کی آفتِ جان، جان کر اپنی ذات ظاہر نہیں کیا اور نامقصودمندی کے گوشہ اور گُم نامی کے کونہ میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی یاد میں زندگیاں بسر کی ہیں، اس لیے وہ عوام سے چھپے ہوئے ہیں اور چھپنے کی حالت میں ہی چلے گئے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ان کے حال کے جمال کو نامحرموں پر ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں، محبوبوں کو کھینچ کھینچ کر چھپے کوچہ میں لے جاتے ہیں۔ ظاہر لوگوں سے کوئی بھی ان کے حال سے آگاہ نہ ہوا، اس لیے کہ ظاہری طور پر دنیا کے لوگوں کے ساتھ ہیں، لیکن ان کا باطن حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

انہیں کے حق میں ہے: **اولیائی تحت قبائی** (اولیاء میری قباء کے نیچے چھپے ہیں، میرے سوا اور کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا) کیونکہ وہ اپنی ہمت کو دکھلاوے کی آلودگی سے پاک و صاف اور دل کے شیشہ کو ماسوئی کی کدورتوں سے شفاف رکھتے ہیں ؎

از دروں شو آشنا وز بروں بیگانہ باش
ایں چنیں زیبا روش کم مے بود اندر جہاں

(ترجمہ: "دل سے دوست بن اور ظاہر سے اجنبی، کیونکہ اس قسم کی عمدہ روش دنیا میں بہت ہی کم (پائی جاتی) ہے۔")

پس جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا، اُن نعمتوں سے محروم رہا اور جو اُن کے باطن سے آگاہ ہوا۔ وہ ان کے مال و دولت سے مالا مال ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک کوئی اُن کو پہچان نہ لے، کیا جانے (کہ ان میں کیا کیا جوہر ہیں) جب خداوند تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بعض دوستوں کو غیروں کی نگاہ سے بچائے اور پوشیدہ رکھے تو ان کو خلیق بنا کر ظاہری لوگوں کے رنگ میں نگاہ رکھتا ہے تاکہ عام لوگ ان کو اپنی طرح جانیں اور ان کے حال کے خوبصورت چہرے پر نظر نہ ڈال سکیں ؎

آں راکہ ازیں سخن بیان است — عنقا صفت از ہمہ نہاں است
چوں آب روند بے علائق — آمیختہ باہمہ خلائق

(ترجمہ) "جس شخص کا بیان اس خوبی سے ہے، وہ عنقا کی طرح جہان (کے لوگوں) سے پوشیدہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایسے لوگ سب طرح کے علاقے توڑ کر پانی کی طرح چلتے رہیں۔ گو ظاہر طور پر خلقت کے ساتھ ملے جُلے رہتے ہیں۔"

بہت سے اولیا۔ اہلِ کمال، کھانے پینے، کپڑے پہننے، سونے، خرید و فروخت کرنے وغیرہ انسانی صفتوں میں ظاہری لوگوں کی طرح ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے غیر کو اُن کے باطن سے نکال دیا ہے اور ان کے طبائع کے گھروں سے نفس کی حرص و ہوا کو باہر پھینک دیا ہے۔ وہ جو کام کرتے ہیں، اس میں غیر کو نہیں دیکھتے۔ اگرچہ بظاہر جورو، بال بچوں دوستوں اور آشناؤں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن باطن میں وہ کسی اور ہی دنیا میں جا کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ ایک لحظہ بھر بھی اپنے خدا تعالیٰ سے غافل نہیں ہیں۔ پس خلقت میں رہنا اور فراغ دلی کے ساتھ خدا تعالیٰ کو یاد کرنا۔ ایسی وجہ ہے کہ لحظہ بھر غفلت نہ ہو جوانمردوں کا کام ہے۔

حضرت منظفر کرمان شاہی قدس سرہٗ نے فرمایا؛ "عارف وہ ہے جس کا دل خدا تعالیٰ (کی یاد) کے ساتھ ہو اور جسم خلقِ خدا کے ساتھ۔" لیکن ایسے بزرگوں کی شناخت تب ہو سکتی ہے

کہ رات و دن انہیں کے ساتھ محبت اور انس ہو اور حقیقت میں ان کے ساتھ مناسبت پیدا ہو۔ پس جو شخص سعادت مند کسی ایسے دولت مند کو پہچان لے اور اس کی صحبت اس کے نصیب ہو، تو چاہیے کہ پورے عجز و نیاز کے ساتھ ان کی خدمت میں رہنا اختیار کرے، اور اس کے باطن سے اس راستہ کے فیض کی گدائی کرے۔ ممکن ہے کہ نیک بختیوں کے خروار سے کوئی خوشہ اسے بھی مل جائے۔"

حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہٗ نے فرمایا: "جس وقت تجھے یہ معلوم ہو کہ تیرا سرمایہ اور کسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ تجھے ہمدردی سے پیش آتا ہے تو بس تو اس کا دامن مضبوطی سے پکڑ۔"

اے عزیز! (خداوند تعالیٰ) سعادت کے دروازے اس شخص کے لیے کھولتا ہے جو خداوند تعالیٰ کے دوستوں سے ملاپ رکھے۔ اس لیے کہ وہ توحید کے سبزہ زار کے پرندے ہیں، وہ خداوند تعالیٰ کی پاک درگاہ میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں اور اس قلب العطایا کے نوازش کردہ ہیں جو سعادت ہے، اُن کے خزانہ میں موجود ہے اور جو دولت ہے، اُن کے گنجینہ میں بھرپور ہے۔ اس گروہ کی برکت اور توجہ سے غافلوں کا گروہ، غفلت کے سمندر سے پار اترتا ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ جا ملتا ہے۔ ایک مشہور مقولہ انہیں لوگوں کی شان میں ہے:

حسنات الابرار سیأتِ المقربین حسنات المقربین سیأت الواصلین۔

(ترجمہ) "نیکوں کی نیکیاں، نزدیکوں کے گناہ ہیں۔ اور نزدیکوں کی نیکیاں کامیاب شدہ لوگوں کے معاصی ہیں۔"

پس ان کی مدح اور توصیف اتنی نہیں ہے کہ ان چند اوراق میں سما سکے، لہٰذا اس کو فی الحال خداوند تعالیٰ کے حفظ و امان میں چھوڑ کر اصلی مطلب پر آتا ہوں۔

جو صاف دل مقبولانِ درگاہِ الٰہی، اپنی ذات سے گزر کر حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ

تھوڑی سی متاع اور ادنیٰ درجہ پر بس نہیں کرتا اور اپنی بلند ہمتی کے باعث وہ کچھ چاہتا ہے کہ دنیا و مافیہا اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے کہا: "ہمیں جو کچھ خداوند تعالیٰ کی درگاہ سے عطا ہوا، بلند ہمتی کی بدولت ہی ملا، کیونکہ جس قدر ہمت عالی ہوتی ہے، مطلب کے حاصل کرنے میں اتنی ہی زیادہ جدوجہد ہوتی ہے اور اس راستہ کی محنت اور مشقت سے ہرگز نہیں ڈرتا۔"

پس اے عزیز! تو مردِ میدان بن اور شاہباز کی طرح اپنے کام میں پنجہ مار تاکہ تیرے آرام اور رہنے کی جگہ شاہنشاہ کا ہاتھ ہو، اور تیرا معاملہ زمین کی گہرائی سے نکل کر افلاک کی بلندی تک پہنچے اور ایک جہان تیری برکت اور توجہ سے فیض یاب ہو۔ مثنوی ؎

آسماں شو ابر شو باراں ببار ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ناوداں بارد نباید ہیچ کار

ابر بارد گل بیارد رنگ رنگ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ناوداں ہمسایہ را آرد بجنگ

(ترجمہ) "آسمان بن، بادل بن اور مینہ برسا۔ پرنالہ سے پانی گرتا ہے کس کام کا۔ بادل برس کر رنگا رنگ پھول کھلاتا ہے۔ پرنالہ پڑوسیوں کو لڑائی پر آمادہ کرتا ہے۔"

اے عزیز! اس مطلب کو یقینِ دل سے جان کہ اس دولت کے حصول کی لیاقت ہر ایک فردِ انسانی کو دی گئی ہے اور یہ سب کمالات بنی نوع انسان میں سے ہر ایک کو بخشے گئے ہیں جیسے کہ بیج کے دانہ میں سبز سبز پتے رنگ برنگ کے پھول، میٹھے اور کھٹے میوے چھپے ہیں۔ جب اس (تخم) کو زمین میں بوتے، پانی دیتے اور پرورش کرتے ہیں اور اس کی نگہبانی میں کوشش کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ تو جو کچھ اُس کی خاصیت ہوتی ہے، ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس اسی طرح سے انسان کی ذات میں ہر ایک خاصیت ہے۔ جو شخص مجاہدہ، ریاضت۔ ذکر اذکار اور کسبِ کمالات پر کاربند ہو جاتا ہے، تو اس کے اصلی جوہر پھلتے پھولتے ہیں اور جو کچھ اس کی استعداد میں پوشیدہ ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور وہ خاصیت یہ ہے کہ آدمی چوپایوں والی صفات سے نکل کر ملکی اوصاف تک پہنچ جاتا ہے۔

داور اس سے بڑھ کر، خدائے واحد کی ذات وصفات کی جائے ظہور ہو جاتا ہے۔ پس اگر آدمی اپنی خاصیت کا مظہر نہ ہو، تو حقیقت میں وہ انسان نہیں ہے۔ گو کہ اس میں انسان کی ظاہری صورت وشکل موجود ہے جیسے زنگار خوردہ لوہا کسی کام میں نہیں آتا اور محض ایک بے فائدہ چیز ہے۔ اور یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ بے فائدہ چیز پر کچھ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

پس خوب جان اور آگاہ ہو اور اس دولت کی قدر پہچان اور کوشش کر کہ غفلت کا پردہ اٹھ جائے اور تیرا کوئی سانس بھی خدا تعالیٰ کے حضور اُس کی یاد کے سوا جانے نہ پائے۔ جملہ انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام محض اسی غرض سے مبعوث ہوئے کہ دنیا کے لوگوں کو خدا تعالیٰ کا راستہ دکھائیں اور غفلت کے پردہ سے نکال کر خدائے واحد کے لاثانی جمال کا مشتاق بنائیں؛ کیونکہ تمام کاموں میں سب سے زیادہ خراب کام غفلت اور غافلی ہے اور تمام قسم کی مفلسیوں کی سرتاج، بے کاری اور کاہلی ہے، جو انسان کو کسب سعادت اور آخرت کے توشے سے بے نصیب رکھتی ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتی ہے۔

اے عزیز! خطرات کے دروازوں کو بند کرنا اور اپنے تئیں بندگی اور فرمانبرداری میں لانا۔ اور تمام عبادتوں اور غیر عبادتوں میں دل کو حاضر کرنا جوانمردوں کا کام ہے۔ چنانچہ جملہ کتب سماوی اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی احادیث اور اولیاء اللہ کے ارشادات اور مشائخین کے کلام اس مطلب پر گواہی دے رہے ہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ ہر وقت حضورِ دل کے ساتھ حق سبحانہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت میں مشغول رہے اور کسی گھڑی بھی اُس پاک درگاہ سے غافل نہ ہو۔

حضرت ابوسعید خراز قدس سرہٗ نے کہا: "اپنے عزیز وقت میں سے سب سے زیادہ عزیز چیز کے سوائے صرف نہ کر اور سب سے زیادہ عزیز چیز جو بندہ کے لیے ہے، وہ خداوند تعالیٰ کے ساتھ مشغولی ہے۔"

ایک بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے: "جو شخص ہر وقت خدائے پاک کی درگاہ کی دربانی

کرتا ہے۔ یعنی ہر دم حضورِ دل کے ساتھ حاضر رہتا ہے۔ وہ ایسے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کمال کرم وعنایت سے اس کو اپنی گود میں لیتا ہے اور محبوبیت کے درجہ میں اس کو قبول کرتا ہے۔ مثنوی ؎

ترا ایک پند بس در ہر دو عالم — کہ بر ناید زجانت بے خدا دم

اگر تو پاس داری پاس انفاس — بسُلطانی رسانندت ازیں پاس

(ترجمہ) "تجھے دونوں جہانوں میں صرف ایک ہی نصیحت کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو خدا تعالیٰ کی یاد کے سوا ایک سانس بھی نہ لے۔ اگر تو ان چند سانسوں کی حفاظت کرے تو اس حفاظت کی بدولت تجھے قضا و قدر بادشاہت تک پہنچا دے گی۔"

نقل ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ جو طریقت کے آفتاب اور حقیقت کے پیشوا ہیں، فرماتے ہیں: "میں نے مکہ معظمہ میں دو آدمیوں کو دیکھا۔ ایک تو ان دونوں میں سے بہت ہی پست ہمت تھا، لیکن دوسرا بلند ہمت۔ پست ہمت وہ تھا جس نے طواف گاہ میں کعبہ کی زنجیر کو مضبوط پکڑا ہوا تھا اور ایسے مقدس مقام اور عزیز وقت میں حق سبحانہ تعالیٰ سے غافل تھا اور حق سے غیر حق کا خواستگار تھا۔ اور بلند ہمت وہ نوجوان تھا جس کو میں نے بازار منیٰ میں دیکھا کہ پچاس ہزار اشرفی کا سودا کر رہا تھا اور اس فرصت میں ایک لحظہ بھر بھی اس کا دل حق سبحانہ تعالیٰ سے غافل نہ تھا۔"

اور مفصلہ ذیل آیہ کریمہ ایسے ہی لوگوں کی شان میں وارد ہے: یعنی

رجالٌ لا تلھیھم تجارۃ ولا بیعٌ عن ذکر اللہ (ایک جماعت ہے جن کو خرید و فروخت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی آگاہی سے رُک نہیں سکتی، نہ غافل ہونے دیتی ہے)

لیکن اس نسبت کے حصول کے لیے پوری طاقت درکار ہے کہ ظاہری شغل باطنی توجہ کو روک نہ سکے۔ اور اس نسبت کی طاقت کہ سالک کا ظاہر تو لوگوں کے ساتھ ہو

اور باطن حق سبحانہ تعالیٰ سے پیوستہ، اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ ایک ہر لحظہ ہوشیار اور خبردار رہے اور اپنے تمام وقتوں میں پاس انفاس کی رعایت رکھے اور اس بات میں پوری احتیاط عمل میں لائے، یہاں تک کہ لحظہ بھر بھی دوست کا گھر (دل) غیروں کے خیال سے آلودہ نہ ہونے پائے۔ اور کسی وقت بھی دل کی چاردیواری میں غیر اللہ کا گزر نہ ہو سکے۔ جب ایک آن کی آن میں صاف دل کے ساتھ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس مدعا کا راستہ حاصل ہو جائے تو کسی قسم کی نخوتِ خدائے واحد پاک کی درگاہ کے شہود سے پوشیدہ نہیں کر سکتا، بلکہ اس مقام میں قرب ہی قرب ہے اور حضور در حضور اسی واسطے اکابران طریقت نے کہا ہے:

"ہر ایک اندیشہ جو صوفی کے دل میں آتا ہے، اس اندیشہ سے اس کو استغفار کرنا چاہیے۔ جب تک کہ اس کو دُور نہ کر لے، آرام نہ لے۔ اس لیے کہ ایک ساعت بھی دل کو حق سبحانہ تعالیٰ سے پاک کرنا اور توجہ کی باگ ماسوائے سے پھیر کر حق سبحانہٗ تعالیٰ وجل شانہٗ کی طرف لے جانا، اس سب دُنیا سے بہتر ہے جس پر کہ سورج چمک رہا ہے۔"

پس اس راستے کے چلنے والے پر لازم ہے کہ زمانۂ ماضی اور مستقبل کے خیالات سے اپنے دل کو فارغ رکھے اور اپنے تمام کاموں کو سرانجام دینے کے لیے خدائے تعالیٰ کو سونپ دے۔

خدا تعالیٰ کے دوستوں نے اس راستے میں پرلے درجے کی جانفشانیاں اور عرق ریزیاں کی ہیں۔ اور ہر ایک چیز جو خیالات کو پراگندہ کرتی ہے، اس سے پرہیز کیا ہے۔ کیونکہ جو خیال غیر حق ہو، وہ بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان حجاب لاتا ہے اور دل کو جدائی میں ڈالتا ہے اور دل کی جدائی سے حدیثِ نفس کو ترقی دیتا ہے اور حدیثِ نفس سے فیضِ الٰہی کا انقطاع ہو جاتا ہے۔

حدیثِ نفس کی تعریف یہ ہے کہ قسم قسم کے بیہودہ خیالات، خیالی قوت میں جوش مارتے ہیں اور طرح طرح کے افکار اور آرزوئیں دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جب ایسے خیالات دل میں بیٹھ جاتے ہیں، تو دل کو سیاہ کر دیتے ہیں اور غفلت کے بھنور میں ڈالتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غفلت کے بڑھ جانے کے باعث کسی وقت میں بھی خدا تعالیٰ یاد نہیں رہتا۔

لیکن اگر اتفاقاً دل پر عبور کر جائے تو کچھ زیادہ دکھ اور تکلیف نہیں دیتا، لیکن اسے اتنی فرصت نہ دیں کہ دل میں گھر ہی بنا لے۔ پس سالک کو جو ہر وقت خیال پیدا ہو تو چاہیے کہ اس خیال کے منشا سے آگاہی پائے کہ کس جگہ سے اٹھا ہے اور کس باعث سے پیدا ہوا ہے اور جو چیز کہ منبع خیالات ہو، اُس کو اپنے سامنے سے اٹھا دے اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ میں یا اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہو۔ جب حدیثِ نفس کی جگہ حق سبحانہ تعالیٰ کا ذکر اپنا عمل دخل کرے گا، تو تمام نفسانی اور شیطانی خیالات برطرف ہو جائیں گے۔ اور دل کی صفائی اور خداوند تعالیٰ کے حضور کا نور حاصل ہو جائے گا۔ یہی باعث ہے کہ کاملانِ طریقت نے فرمادیا ہے:

عبادت الفقیر نفی الخواطر (فقیر کی عبادت یہی ہے کہ خطرات کو اپنے دل سے دُور کرے)

پس کوئی عبادت بھی اس سے بہتر اور عالی نہیں ہے کہ خطرات کو دور کر کے صاف دل اور غیروں سے بے فکر ہو کر خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں متوجہ اور حاضر ہو۔

لیکن خطرات میں تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔ ہاں وہ شخص کر سکتا ہے جس میں صفائی بدرجۂ کمال ہو اور جو صفائی کے نور سے منور ہو۔

اور اس راستہ کے کاملوں نے لکھ دیا ہے کہ خطرے کی چار قسمیں ہیں:

(۱) شیطانی (۲) نفسانی (۳) ملکی (۴) رحمانی۔

اوّل۔ خطرۂ شیطانی : یعنی گناہوں اور خطاؤں کا اندیشہ۔

دوم۔ خطرۂ نفسانی : قِسم قسم کی نعمتوں اور لذتوں اور شہوتوں کی آرزو، اور دُنیا کے حرص و ہوا کے خراب خیالات۔

سوم خطرۂ مَلکی : عبادت اور طاعت کا خیال۔

چہارم۔ خطرہ رحمانی : محبّت کی طلب اور عرفان کا شوق، اور یہ محض خداتعالیٰ کا فضل ہے کہ جس سے آدمی کو طلب اور محبت پیدا ہوتی ہے اور جس کے ذریعے سے انسان کو عرفان نصیب ہوتا ہے۔

اگر تو اس سعادت کو پایا چاہتا ہے کہ تمام علاقوں کے خطرات ٹوٹ جائیں تو ہمت کا قدم اس راستہ میں مضبوط رکھ۔ اور بشری طاقت کے اندازہ پر اپنے بازو کے پر کھول۔ اُمید ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ مقصود تجھے حاصل ہو۔

پانچواں مقصد

(۱) حق سبحانہٗ تعالیٰ کا عشق و محبت۔

(۲) مناجات، بدرگاہِ باری تعالیٰ۔

(۳) چند ایک اور فائدے۔

اے سچے عاشق! معلوم کر کہ انسان سے مراد، جوہرِ روحانی اور لطیفۂ ربانی ہے، نہ یہ کہ سانچۂ ظلمانی اور ڈھانچۂ ہیولانی ہے۔ اس سبب سے کہ رُوح کا مرغ، راحت اور شادمانی کے ساتھ لامکان کے سرسبز میدان میں بلند پروازی اور جلوہ سازی کرتا تھا۔ جب (قضا و قدر نے) اُس کو خدا تعالیٰ کے قرب سے جدا کر دیا ہے، تو خاکی نفس کے ساتھ محبوس کر دیا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے اصلی وطن کا آرزومند اور مشتاق رہے اور عشق کے خانہ سے مست اور محبت و شوق کے بادہ سے متلذذ ہو کر اپنے محبوبِ حقیقی کے بے مثال اور لاثانی ملاپ کا طلب گار رہے اور عنصری وجود (خاکی جسم) کے اندھیرے میں ہزاروں درد و شوق کے ساتھ خدائے واحد کے انوار کے مشاہدہ میں ڈوبا رہے اور خداوند تعالیٰ کی پاک ذات کے سوا کسی اور سے دل بستگی نہ کرے اور فنا پذیر کاموں میں شیفتہ، فریفتہ اور از خود رفتہ نہ ہو۔ یعنی جس طرح سے کہ اس ظاہری دنیا میں آنے، اور وجود کا بیش قیمت اور لاثانی خلعت پہننے کے پہلے پاک اور لطیف تھا۔ اس دنیا میں عشق و محبت کی گرمی سے اس سے بھی زیادہ تر لطیف ہو اور ظاہری و باطنی کمالات کے کسب کے ساتھ ہی اور بھی جمال و کمال حاصل کر کے (یعنی اصل معہ سود سے نفع مند ہو کر) اپنے اصل کی طرف لوٹ جائے اور اپنی حقیقت کے ساتھ حقیقت الحقائق

ہے، مل جاتے۔ پس تو دیکھ اور اپنی حقیقت کو پہچان کہ تجھے کس عزت اور اکرام کے ساتھ (قضاء وقدر نے) معزز اور مکرم بنایا اور کس اعلیٰ شان و شوکت و کرامت سے سرفراز کیا۔

بعض کتبِ سماوی میں مذکور ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ جس جس چیز کو وجود میں لایا اور جس جس کو پیدا کیا، اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے منشاء سے پیدا کیا، لیکن انسان کو اپنی محبت کے تقاضے سے یہ خلعت وجود عطا فرمایا۔ یہی تو باعث ہے کہ جملہ کائنات حیرت کی وادی میں حیران و سرگردان ہو رہی ہے کہ اس پاک درگاہ کے مالک کو اس مشتِ خاک (انسان) کے ساتھ بے شمار عنایتیں کہاں سے ہیں کہ اس کے دل کو اپنے انوار سے اس قدر وسیع کر کے اپنی خاص محبت کا پیمانہ بنایا۔

یہ سچ ہے یہ عنایت بے غایت اور بخشش بے نہایت کیونکر نہ ہو جبکہ اوّلاً تو شوق کا سورج اس کی رضامندی کے افق سے چڑھا اور ہم ہی نوع انسان کو عدم کے خلوت خانہ سے وجود کی روشنی کے میدان میں لایا اور ہمیں خطاب فرمایا:

"اے خاکی پتلا! ہم تیرا ملک ہیں اور تو ہماری ملکیت، ہم تجھے چاہتے ہیں اور تو ہمیں چاہتا ہے" ؎

منگر بہر گدائے کہ تو خاص زانِ مائی
مفروش خویش ارزاں تو بسے گراں بہائی

(ترجمہ) "ہر ایک مفلس گدا کی طرف نگاہ نہ کر، تو خاص ہماری ملکیت ہے، تو اپنے آپ کو سستا نہ بیچ، اس لیے کہ تو بہت ہی گراں بہا ہے۔"

پس سچے عاشقوں اور اس سعادت کے طالبوں کو لازم ہے کہ اس کے عشق کی آگ میں جل کر اور دونوں جہانوں سے آنکھ بند کر کے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت میں ایسے محو اور فانی ہوں کہ کسی چیز کی خبر نہ رہے اور محبت کے جوش سے سوائے محبوبِ حقیقی (خدا تعالیٰ) کے اور کچھ بھی دکھلائی نہ دے ؎

جاملے ہیں، ان کے نزدیک سب سے بڑا کام یہی ہے کہ کسی قسم کا کوئی دنیاوی علاقہ ان کے دل کو دامنگیر نہ ہو۔ اور ہر دو جہان کا کوئی مطلب بھی سوائے ایک محبوب (خدا تعالیٰ) اُن کے پیشِ نہاد خاطر نہ ہو۔ اگر سالک کے دل میں سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی اور فکر ہو تو ممکن نہیں ہے کہ وہ خدا تعالیٰ تک پہنچ سکے۔ اور پردہ حجاب درمیان سے اٹھ سکے۔ اس لیے کہ جس قدر بارِ علائق کم ہو، اسی قدر جلد مقصودِ حقیقی تک پہنچتا ہے۔

حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ نے فرمایا: "حق سبحانہ تعالیٰ کے قرب کی نشانی، سوائے خدا تعالیٰ کے باقی سب چیزوں سے قطع تعلق ہے۔"

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ بہت سے اولیاء اللہ نے دُنیا اور دنیا کے کاموں کو اختیار کر رکھا ہے اور اپنی بی بی۔ بال بچوں سے میل ملاپ پسند کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اولیاء اللہ صاحبِ کمال جن کا کام نہایت، النہایت تک پہنچ گیا ہے اور جن کا دل ماسوی اللہ کی محبت اور نفس، سرکشی اور حرص و ہوا سے نجات پا گیا ہے، ان کو بی بی، بال بچوں، مال و متاع کے ساتھ میل ملاپ رکھنا منع نہیں ہے، کیونکہ ان کا دل، حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح سے قرار پکڑ گیا ہے کہ دُنیا کے درہم و دینار وغیرہ ان کے سامنے سنگریزوں اور خزف پاروں سے کچھ زیادہ حقیقت نہیں رکھتے اور بی بی بچوں سے میل ملاپ، ان کے دلوں کو ایک لحظہ بھر بھی نہیں لبھاتا جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ماسوی اللہ کے کوئی چیز اُن کے دل کو فریفتہ نہیں کر سکتی اور نہ انہیں کسی ایک کے ساتھ دل لبستگی ہے اور پھر جو کچھ دنیا میں موجود ہے، اُن کے تصرف میں ہے۔ اور وہ سب کا سب ایک لحظہ بھر میں ہلاکت کو پہنچ جاتا ہے تو ان کے صفحۂ دل پر دلگیری کا غبار ہرگز نہیں بیٹھتا اور وہ اپنی اُس حالت سے ہرگز پھر نہیں سکتے۔

اُن کی تو یہ حالت ہے کہ اگر خرچ کے لیے ایک کوڑی یا پہننے کے لیے ایک کرتا بھی اُن کے پاس نہ ہو اور ایک آن میں تمام دنیا اور دنیا کی چیزیں ان کو مل جائیں تو ایسی

حالت میں بھی ان کے دل میں ہرگز ہرگز خوشی نہیں ہوتی اور اپنی اصلی حالت سے ٹھوکر نہیں کھاتے۔

ایک بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے: "فقیر وہ نہیں ہے جس کا ہاتھ مال و متاع سے خالی ہو، بلکہ وہ فقیر ہے جس کی طبیعت حرص و ہوا سے اور دل اندیشۂ ماسویٰ سے فارغ اور خالی ہو۔" مختصر یہ ہے کہ نہ تو دنیا کے آنے سے اس کو خوشی ہوتی ہے نہ چلے جانے سے ناخوشی۔ تو پھر ایسے آدمی کو دنیا کا مال و متاع کیا ضرر پہنچا سکتا ہے اور کیونکر دھوکا دے سکتا ہے۔

چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے: "وہ درویش جو باوصف دُنیا کے فقر و فاقہ کے پھر بھی دُنیا سے اُنس محبت رکھے، وہ زاہد نہیں کہلا سکتا۔" حالانکہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باوجود اس جاہ و حشم کے زاہد کے اسم سے موسوم کرتے ہیں۔

جو اصحاب کہ مقبولِ ازل ہیں، وہ جس حالت اور جس مقام میں ہوں، باخدا ہوتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ جو قادرِ مطلق اور حکیمِ اکمل ہے، ایک شخص کو عین تنگی اور کم رزقی کی حالت میں خودی اور غفلت کے زندان میں گرفتار رکھتا ہے اور دوسرے کو عین فراخی اور کشائش کی حالت میں غیر اللہ سے چھڑا کر اپنی طرف متوجہ کرتا ہے ؎ مثنوی

چیست دُنیا از خدا غافل بُدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

مال را کز بہرِ دیں باشی حمول، نعم مالِ صالح خواندش رسول

آبِ در کشتی ہلاکِ کشتی است آبِ اندر زیرِ کشتی پشتی است

(ترجمہ) (سوال) دنیا کسے کہتے ہیں؟ (جواب) خدا تعالیٰ سے غافل ہونے کو۔ اسباب، چاندی، سونا، بی بی، بال بچوں وغیرہ کا نام دنیا نہیں ہے۔ جس مال کو تو جمعیتِ دینِ اسلام کے لیے اپنے پاس رکھتا ہے، اسی کے حق میں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ صالح آدمی کا مال کیا ہی عمدہ اور اچھا ہے۔

گر پانی جہاز کے اندر پڑ جائے، تو اسے ساتھ لے ڈوبتا ہے۔ اور اگر جہاز کے نیچے رہے تو جہاز کا پورا مددگار ہے۔"

لیکن یہ سب کچھ جو کہا گیا ہے، منتہی کے لیے ہے، مبتدی کے لیے نہیں ہے۔ جبکہ سالک نے فنا اور بقا کے رتبے کا پورا حصہ پایا ہو۔ تو گویا اس کی بیماری دفع ہوتی اور پرہیز ٹوٹ گیا، لیکن وہ سالک جو ابھی راستہ میں ہو اور جس نے اپنے معاملے کو ابھی انتہا تک نہیں پہنچایا اور کامل و مکمل نہیں کیا، اس کے لیے یہ سب چیزیں نقصان دہ ہیں، بلکہ مبتدی اگر ایک ذرہ بھر بھی تعلق اختیار کرے، تو اپنے مقصود تک کبھی نہیں پہنچتا۔ پس اس راستے کے چلنے والوں کو سب چیزوں سے منہ پھیرنا چاہیے اور دل کے شیشے کو غیر حق کی میل سے آلودہ نہ کرنا چاہیے۔ چونکہ اس زمانہ میں ہر ایک درویش بیمار دل اور تھوڑے سے سرمایے کے ساتھ صرف قیاس اور دلیل سے اپنے تئیں منتہی اور کامل قرار دیتا ہے۔ اور قرب و معرفت کا دعویٰ کرتا ہے، تو یہ سب کا سب خیال خود بینی اور خامی سے ہے۔ قرب اور معرفت کا دعویٰ خدا تعالیٰ سے دُور رہنے کا نشان ہے، اس لیے کہ خدا تعالیٰ کا مقرب اپنی صفت و ثنا نہیں کیا کرتے۔ عارف کو جس قدر ترقی مدارج نصیب ہوتی ہے، اتنی ہی اس کو اپنے نقصوں اور عیبوں پر زیادہ اطلاع ہوتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ کے سچے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ما عرفناك حق معرفتك وما عبدناك حق عبادتك (ہم نے خداوند تعالیٰ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے اور اس کی ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ اس کی عبادت کا حق ہے) تو پھر اوروں کو ایسے دعاوی کرنے کی کیا مجال ہے۔

ایک بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے: "خبردار اپنی ریاضت اور کمالیت پر کسی قسم کا دھوکا نہ کھانا اور گھمنڈ نہ کرنا اور کہیں اپنی خودی کا گھمنڈ نہ کرنا اور کہیں اپنی خودی کا دعویٰ نہ کر بیٹھنا کیونکہ جو شخص اپنی کمالیت پر اتراتا ہے، اس پر خدا تعالیٰ کے راستہ کی کمالیت ظاہر نہیں ہوتی۔ پس اس راستے کے چلنے والے کو اگر طاعت اور عبادت گھمنڈ میں ڈالے تو لازم ہے کہ

اس سے توبہ کرے اور خداتعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور خدائے واحد کی درگاہ سے پناہ مانگے۔ اس لیے کہ اس قسم کے خیالات نفسِ امارہ کی بدولت طبیعت میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر ایسے خیالات اس پر غالب ہوں، تو لازم ہے کہ ابلیس کے حالات کو عبرت کی نگاہ سے مطالعہ کرے کہ عرصہ سات لاکھ برس تک پاک دامنی کے مصلّی پر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہا اور عالمِ بالا پر رہنے والوں کا استاد تھا۔ جب اپنی ذات کو اس نے بہتر جانا اور عبادت پر گھمنڈ کیا، تو اس غرور پُرفتور کی نہایت سے ہیں پن کی آگ نے اس کو گھیر لیا۔ صرف ایک دفعہ ہی نافرمانی کرنے سے اس نے اپنی عمر کے متاع کو برباد کر دیا۔ اس کے بعد اس نے وہ کچھ دیکھا، جو دیکھا، برخلاف اس کے مٹی جو سب موجودات سے زیادہ حقیر تھی۔ دراصل اُس میں شکستگی اور افتادگی تھی، تو اپنی فروتنی کی بدولت سب موجودات سے بہترین ہو گئی۔ تب خداوند تعالیٰ نے اپنی محبت اور دوستی کے انوار اس میں رکھ دیئے اور اس اندھیر گھپ میں اپنے پوشیدہ خزانے گاڑ دیئے۔ جب اس قسم کے کل درجے اور سب بلند مرتبے، انکساری یا خاکساری کی بدولت اس (مٹی) کو ملے، تو تجھے لازم ہے کہ اپنی طاعت پر ہرگز نہ اترائے اور اپنی عبادت پر گھمنڈ نہ کرے۔ وہ (خداتعالیٰ کی درگاہ) نیازمندی کی جگہ ہے۔ وہاں (کے لوگ) عجز و نیاز ہی چاہتے ہیں اور دل شکستہ اور خستہ خاطر لوگوں کو ہی بلاتے ہیں۔ جب انسان کی پیدائش اصل میں مٹی سے ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے اصل کے تابع ہو اور غرور و خودبینی کو چھوڑ دے اور شکستگی اور عجز و نیاز کا طریقہ ہاتھ سے جانے نہ دے اور اس سعادت کی توفیق کا خداوند تعالیٰ کی درگاہ سے خواستگار رہے تاکہ خاکساری کے ذریعہ اور انکساری کے وسیلہ سے (قضاو قدر) اسے اس پاک درگاہ کا مقبول بنا دیں اور سعادت کا دروازہ اُس پر کشادہ کریں۔

حضرت یحییٰ معاذ رازی قدس سرہٗ نے فرمایا: "طاعت کنندہ فرمانبردار سے جس میں شکستگی اور نیازمندی نہ ہو، اس سے شکستہ دل گنہگار بدرجہا بہتر ہے۔"

کیونکہ بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان عجز و نیاز کے راستے سے زیادہ نزدیک کوئی راستہ نہیں ہے اور برعکس اس کے خود بینی، تکبّر سے زیادہ کوئی گہرا اور مضبوط پردہ نہیں ہے

حضرت خواجہ بزرگ قدس سرّہٗ فرماتے تھے: "اگر کوئی ولی اللہ باغ میں جائے اور باغ کے درختوں کے ہر ایک پتے سے یہی آواز سنائی دے "یا ولی اللہ" تو بھی اس کو چاہیئے کہ ظاہر و باطن میں وہ اس آواز پر کچھ توجہ نہ دے، بلکہ ہر ایک لحظہ اس کی کوشش بندگی اور عجز و زاری میں بڑھ کر ہو اور اس کی کمالیت کا شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کو نصیب تھا۔ ہر چند کہ خداوند تعالیٰ کے انعامات اور کرامات زیادہ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہوتے تھے، لیکن آپ کا عجز و نیاز زیادہ سے زیادہ ہوتا تھا، کیونکہ ساری طاعت اور عبادت کا اصلی مطلب یہ ہے کہ شکستگی اور فروتنی غالب ہو، نہ یہ کہ تکبّر اور مَیں پَن بڑھائے۔

سالکوں کو جو کچھ عجز و زاری سے حاصل ہوتا ہے، وہ ہزار طاعت اور عبادت سے بھی میسّر نہیں ہوتا۔ پس اس راستہ کے چلنے والوں پر لازم ہے کہ انکساری اور شکستگی کا طریق ہاتھ سے جانے نہ دے اور اپنی عبادت کی کمالیت پر ناز نہ کرے اور خداوند تعالیٰ کی بے پرواہیوں سے ہمیشہ ڈرتا اور کانپتا رہے۔

نقل ہے کہ ایک دن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سے پوچھا: "آپ کا حال خدا تعالیٰ کی پاک درگاہ میں کیسا ہے؟" جواب دیا: "اے اللہ کے رسول! جب سے اس ایک (ابلیس) کو باہر نکال دیا گیا ہے، کسی فرشتے کو اپنے گوشے میں امن نہیں رہا۔"

اے عزیز! اگر تمام فرشتوں کی پاک دامنی اور پارسائی سالک کی صفت ہو جائے اور تمام دنیا کی عبادت اس سے صادر ہو، تو بھی اُس کو چاہیے کہ اپنی ذات کو کسی سے اچھا نہ جانے اور اس پر نگاہ اٹھا کر نہ دیکھے، بلکہ اپنی سب کی سب طاعت کو گناہوں کے

رنگ میں جانتے تاکہ سلامتی کے ساتھ اپنے منزلِ مقصود تک پہنچے۔ پناہ بخدا! اگر کوئی شخص اس راستہ میں ڈھینگ مارے اور اپنی عبادت پر گھمنڈ کرے، تو یقین کرے کہ وہ مدعی ہے۔ اور اپنے نفس کو اس کی مراد پر پہنچا رہا ہے اور اس کو یہ نظارا خوش دکھائی دے رہا ہے۔ یہی تو باعث ہے کہ خدا تعالیٰ کی پاک درگاہ کے مقبول بندے سعادتوں اور عبادتوں کے اس قدر بے شمار خزانے ساتھ رکھنے کے باوجود بھی اپنی ذات کو نہایت ہی مفلس جانتے ہیں اور ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں۔

دونوں جہانوں کے سردار اور دین و دنیا کے افسر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے سر پر پاک دامنی کا تاج ہے، فرماتے ہیں: "کاش کہ اے محمد کے پروردگار، محمد پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔" یا لیت ربّ محمد لم یخلق محمد۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: "کاش کہ میں درخت کا پتہ ہوتا کہ کم از کم کوئی بکری مجھے چرتی۔"

مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لوگوں نے پوچھا: "بُرا آدمی کون ہے؟" فرمایا: "جو شخص اپنے آپ کو نیک جانے۔"

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اُن کمالات کے جو اُن میں تھے، اپنے تئیں ایک شرمسار بندہ کہتے تھے۔

حضرت محمد واسع قدس سرہٗ فرماتے ہیں: "اگر گناہوں کی کچھ بُو بھی ہوا کرتی تو ایک شخص بھی میرے نزدیک ہو کر نہ بیٹھتا۔" (یعنی میرے گناہوں کی کچھ حد و نہایت نہیں ہے)

حضرت مالک بن دینار قدس سرہٗ فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص دروازے پر آواز دے کہ تم میں سے بہت ہی بُرا آدمی کون ہے؟ اور وہ مسجد سے باہر نکل آئے، تو سب سے اول میں ہی باہر نکلوں گا۔"

محبوبِ سُبحانی قطبِ ربانی شہبازِ لامکانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

کو لوگوں نے دیکھا کہ کعبہ کی دہلیز کو پکڑے ہوئے کہتے تھے: "یا الٰہی! قیامت کے دن مجھے اندھا اُٹھا تاکہ نیکوں کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔"

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ سے لوگوں نے کرامت طلب کی۔ فرمایا: "اس سے زیادہ اور کونسی کرامت ہے کہ ہم تم اتنے بے شمار گناہوں کے بوجھ تلے لدکر زمین پر چل پھر رہے ہیں۔"

نیز خواجہ بزرگ قدس سرہٗ نے فرمایا: "اگر راستے پر چلنے والا اپنے نفس کو فرعون کے نفس سے سوگنا زیادہ یقین نہ کرے، تو وہ اس راستہ کا مرد ہی نہیں ہے۔"

پس معلوم ہوا کہ قرب و معرفت کی علامت یہی ہے کہ اپنے تئیں کُل مخلوقات سے کمتر اور بدتر جانے نہ یہ کہ اپنی صفت و ثناء اپنی زبان سے ادا کرے۔

غرض کہ اہلِ بزرگوں کی ایک ظاہر شناخت اور روشن دلیل یہ ہے کہ جو شخص مفصلہ الذیل محمودہ صفات اور ستودہ اخلاق سے موصوف ہو، اس کو خداوند تعالیٰ کی درگاہ کے جملہ مقبولوں میں سے ایک کہہ سکتے ہیں۔ اور وہ صفات و اخلاق حسب ذیل ہیں:

زہد و تقوی۔ تواضع۔ تحمل۔ حلم۔ علم۔ توکل۔ صبر۔ قناعت۔ احسان۔ جواں مردی۔ سخاوت۔ ہمت۔ تازہ روئی۔ نیک خوئی۔ گوشہ نشینی۔ تسلیم۔ یقین۔ اخلاص۔ صدق و صفا۔ شرم و حیا۔ اُمیدوں اور آرزوؤں کو چھوٹا کرنا۔ ریاضت۔ مجاہدہ۔ نرمئ طبع۔ دل کی شگفتگی۔ شوق و ذوق۔ نفس کی ہوا و حرص کی مخالفت۔ پاکدامنی۔ بھلائی۔ راستی۔ درستی۔ عجز و نیاز۔ کم آزاری۔ حوصلہ مندی۔ رات کو جاگتے رہنا۔ سب حالات میں نیکی سے آراستہ رہنا۔ نیکو خواہ، نیک کردار۔ سب کے ساتھ شفقت کرنے والا باصفا۔ آہستہ بات کہنے والا بے طمع۔ کسی کو گالی نہ دے۔ کسی پر لعنت نہ کرے، کسی کا گلہ نہ کرے۔ بات نہ لگائے، لغویات سے بچے، کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس نہ کرے۔ مرنج و مرنجاں، ہنس مکھ۔ زبان سے شائستہ کلام کرے۔ دوست و دشمن کو ایک سا دیکھے۔ سچ بولے

ہر حالت میں خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کا خواستگار ہو۔ اور اپنے تمام کاموں میں آں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاک اخلاق سے متخلق ہو، اُس کی صحبت میں سے ایسا اثر اور تاثیر ہو کہ اس کے ہم نشینوں کے دلوں پر دُنیا کی محبت سرد ہو اور اس کے ہم صحبتوں سے غفلت دور ہو۔

سو اہلِ معرفت کے یہ سب نشانات ظاہر ہیں، لیکن جس عارف نے معرفت کے تمام مدارج کو طے کر لیا ہو۔ باطن کی سیر میں جو کچھ وہ دیکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ پوشیدہ اسرار رکھتا ہے، وہ ان کو خوب جانتا ہے کہ وہ معاملہ حالی ہے نہ قالی۔ اور حال کو عبارت میں بیان کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

پس جس شخص میں یہ سب اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ نہ ہوں اور اپنی ذات پر نیک گمان رکھے اور اس کو اولیاء اللہ کی پاک جماعت سے گنے۔ وہ (اس راستہ میں) پاگل اور طبع کا کچا ہے۔

اے دوستو! ہوش رکھو اور اپنی سب ہمت اس کام میں صرف کر دو تاکہ اس رتبہ پر سرفراز ہو جاؤ۔ اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی درگاہ سے نہایت عمدہ خلعت سے عزت پاؤ۔ دیکھو! اہلِ ہمت ہی ہر ایک کام کو انجام دیتا ہے اور کم ہمت بالکل ناکارہ ہوتا ہے۔ اس سے کوئی کام بھی سرانجام نہیں پاتا اور کہیں بھی نہیں پہنچ سکتا، مگر جو شخص صاحب ہمت ہے۔ اس کے لیے ہر ایک کام آسان ہے، اس لیے کہ وہ جب تک اپنے مقصود پر قبضہ نہیں پا لیتا۔ کہیں نہیں ٹھہرتا اور کسی سے ملاپ نہیں کرتا۔

حضرت ابو منصور حلاج قدس سرہٗ نے کہا: "مرید وہ ہے جو سب سے پہلے اپنے قصد کا خداوند تعالیٰ کو نشانہ بنا دے۔ جب تک وہاں نہ پہنچے، کہیں آرام نہ لے اور کسی آدمی سے مشغول نہ ہو۔ پس کمال ہمت یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سوا کسی کے ساتھ دل نہ لگائے اور خدا تعالیٰ سے سوائے خدا کے کچھ نہ مانگے، کیونکہ جس شخص میں بلند ارادہ اور عالی ہمت ہے اس کا نفس

ہر لحظہ کہ در جمالِ عشق شُدم غرق
جُز رُوئے تو در پیشِ نظر جلوہ دگر نیست

(ترجمہ) ہر لحظہ کہ تیرے جمال کے عشق میں مجھے غرقابی نصیب ہوئی، تو تیرے خوبصورت چہرے کے سوائے میری نظر کے سامنے اور کوئی جلوہ گر نہیں ہے"۔

وہ جماعت جو اَلَستُ بِرَبِّکُم والے شراب سے سرمست ہیں۔ سوائے حقیقی محبوب کے اور کسی سے بھی ان کی محبت نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں، اُسی سے کہتے ہیں اور ہر ایک جگہ اسی کو تلاش کرتے ہیں اور جوشِ محبت سے سوائے اس کے نہ کسی کی طرف دیکھتے ہیں نہ کسی کو پہچانتے ہیں۔

نقل ہے کہ ایک دن مجنوں نے عشق کے پورے جوش و خروش میں لیلیٰ کے کوچہ میں قدم رکھا، اس حال میں کہ عشق کی آگ اُس کے سینے کی بھٹی میں جوش مار رہی تھی۔ مستوں کی طرح در و دیوار کو چومتا تھا۔ اور پتھروں اور ڈھیلوں کو سجدہ کرتا تھا۔ آنکھوں سے خون کی رُو برساتا۔ اور جلتی آہیں سینے سے نکالتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ "اے مجنوں! (یاد رکھ) در و دیوار سے کام نہیں نکلتا، اور سنگ سازی کے جعلی شیشہ سے محبوب کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا" تو پھر در و دیوار کو چومنے، درد سے رونے اور زمین پر ماتھا ٹیکنے سے کیا حاصل؟" مجنوں نے قسم کھا کر کہا: "جب سے میں سچا قدم جما کر لیلیٰ کی گلی میں آیا ہوں، تو اس گلی میں سوائے اس کے مبارک چہرے کے میں نے اور کچھ بھی نہیں دیکھا"۔

پس اے عزیز! تو خود ہی سوچ اور قیاس کر کہ جب ایک عاشق، عشقِ مجازی میں اس طرح پر فانی اور محو ہو کر قیامت کے دن تک اس کا نام سچے عاشقوں کی فہرست میں درج ہے، تو پھر وہ شخص جو ایسے زندہ شخص کے عشق میں ہو، جو ہرگز نہ مرے۔ اور ایسے ہمیشہ رہنے والے پر جو کبھی فنا کو قبول نہ کرے۔ اپنی جان کو تصدق کرے، تو ایک جان کے عوض ہزار جان کیوں نہ پائے گا اور ابدی زندگی سے جس کے لیے ممات ہرگز نہیں

اور سرمدی ہے، جس کے لیے زوال نہیں، کیونکہ ممتاز نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریف کا مضمون اس کے شاہدِ حال ہے ۔

با درد بساز کہ دوائے اُو منم　　　در کس منگر کہ آشنائے تو منم
گر در کوئے عشق ما کشتہ شوی　　　شکرانہ بدہ کہ خوں بہائے تو منم

(ترجمہ: اے انسان) درد سے موافقت کر اس لیے کہ اس کی دوائی میں ہوں اور کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو، اس لیے کہ تیرا دوست میں ہی ہوں ۔ اگر ہمارے عشق کے کوچے میں تو مار ڈالا جائے تو شکرانہ ادا کر کہ تیرا خون بہا[1] میں ہوں ۔"

پس جس کو خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچ لیا اور اپنی محبت اور شوق کا نشہ پلا دیا اور وہ دونوں جہانوں کا شاہنشاہ ہے، بلکہ اس دنیا کے بادشاہ اس کے ادنیٰ غلام ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ خدائے واحد کی درگاہ کے محبوب و مقبول ہیں اور ایسے عالی ہمت ہیں کہ اُن کی ہمت کے دامن میں سوائے حق تعالیٰ کے اور کچھ نہیں سماتا۔ ان کے دلوں میں کوئی اُمنگ ۔ خواہش ۔ مطلوب و مقصود وغیرہ سوائے حق تعالیٰ کے نہیں، کیونکہ وہ محبت کی تلوار کے شہدا ہیں، اور دونوں جہان سے گزر کر خداوند کریم کی پاک ذات کے ساتھ اس طرح ملاپ پکڑ گئے ہیں کہ محبوبِ حقیقی کے سوائے اور کسی سے ذرہ بھر بھی الفت نہیں رکھتے اور کسی مقام میں بھی نہیں رُکتے ۔ ان کا وہاں مقام ہے جہاں مقام ہی نہیں۔ کل قیامت کے دن ان کے حق میں ارشاد ہو گا یہ لوگ میرے اندوہ کے تیر کے کشتے ہیں۔ اب ان کا ہمدرد اور غم خوار میں بنتا ہوں ۔ قولہٗ تعالیٰ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (سورۂ قمر) (بے شک پرہیزگار لوگ راستی کے مقام میں شاہنشاہِ والا قدر کے نزدیک ہوں گے۔)

ہر کس بجہاں دارد رُوئے بمراد　　　ما ہر دو جہاں ذوقِ تماشائے تو داریم

---

[1] خوں بہا، وہ زر جو مقتول کے وارثوں کو قاتل کی طرف سے دلائی جاتی ہے۔

(ترجمہ) "ہر ایک کا چہرہ اس دنیا جہان میں کسی نہ کسی طرف لگا ہوا ہے۔
مگر ہمیں تو دونوں جہان میں فقط تیرے ہی دیدار کی لذت ہے۔"

اے عزیز! اس سے زیادہ اور کوئی سعادت نہیں ہے کہ آدمی حق سبحانہٗ تعالیٰ کی دوستی اور محبت کے خلعت سے سرفراز ہو اور اس سے زیادہ اور کوئی بلند مقام نہیں ہے کہ حقیقی عشق کے مے خانہ سے خدا تعالیٰ کی محبت کے شراب سے (انسان) سرخوش ہو۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ یہ دُعا مانگتے تھے۔

اللھم ارزقنی حبک وحب من احبک بالقربنی
الیٰ حبک واجعل حبک احب الیٰ من الماء البارد۔

(ترجمہ) "بار خدایا! تو مجھے اپنی محبت عنایت کر۔ اور پھر اس شخص کی محبت جو تجھے دوست رکھتا ہے۔ اور پھر اس چیز کی دوستی، جو مجھے تیری دوستی میں ممد و مددگار ہو۔ اور اپنی دوستی کو اس سے بھی بڑھ کر میری دوست بنا، جیسے پیاسے کے لیے سرد پانی گرمی کے موسم میں۔"

اس لیے کہ عبادتوں اور ریاضتوں اور ذکر و فکر سے یہ مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت غالب ہو اور محبت کے جوش سے غیر محبوب یا ماسوائے بھول جائے اور صرف ایک مقصودِ حقیقی (خدا تعالیٰ) کے سوائے اور کوئی مطلب ہی نہ رہے تاکہ حقیقت کے سورج کے انوار کا عکس دل پر چمکنے لگے اور مقصود اپنے چہرے سے بُرقع اتار دے۔

حضرتِ پیر بسطامی قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا: "محبت کسے کہتے ہیں؟" فرمایا: "محبت اس چیز کا نام ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سوائے باقی دُنیا و آخرت میں جو کچھ ہے، تو اسے دوست نہ رکھے۔"

وجہ یہ ہے کہ عارفانِ اہلِ کمال کے نزدیک یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ جب تک تو دونوں جہان سے دستبردار نہ ہو، اپنا مال و جان اسی ایک کے عشق کے سودا میں تصدق نہ کر دے، تب تک حجاب کا پردہ ہرگز نہیں اٹھاتے اور حضرت

ذوالجلال کی پاک درگاہ کی ملاپ کی مجلس میں جانے نہیں دیتے۔ اس لیے کہ اگر عاشق کو ذرہ بھر بھی غیر محبوب کے ساتھ تعلق اور دل بستگی ہو تو وہ ذرہ اس عاشق کے حق میں ایک مضبوط حجاب ہو کر بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ جس نیک بخت کے لیے الٰہی محبت کا دعویٰ سلسلہ جنبان نہ ہوا، اُس کو چاہیے کہ دوست کے گھر (اپنے دل) کو غیروں کے خیال سے خالی کرے اور اس کی محبت جوا خانہ (قمار خانہ) میں دونوں جہانوں کو ہار دے تاکہ قضا و قدر محبت کا ایک گھونٹ مے خانہ وسقھم ربھم شرابا طھورًا۔ (ان کو شراب طہور پلائے گا) سے مزہ چکھائیں، اور دوستیٔ حق کے رتبہ پر سرفراز کریں

نقل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی آئی کہ اے عیسےٰ! میں بندہ کا دل دیکھتا ہوں۔ دُنیا اور آخرت کو نہیں دیکھتا اور اپنی دوستی وہیں رکھتا ہوں۔

پس اے عزیز! اس دولت کو حاصل کر کہ خدا تعالیٰ کی عنایت کی شراب، محبت کے جنگل کے پیاسوں کو ڈھونڈھتی ہے اور خدا تعالیٰ کے لطف کا ساقی دم بدم اُن مشتاقوں کو شراب عنایت کرتا ہے جن کا حال یہ ہے: یحبھم و یحبونہٗ۔ (خدا تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں)

اے عزیز! اس مطلب کو یقینِ دل سے جان کہ خدا تعالیٰ کے راستے کی منزلوں کو عشق کے توشے اور درد کی سواری کے سوا کوئی بھی طے نہیں کر سکتا اور معنوی دولت اور باطنی بخشش کے دروازے مدد اور محبت لائے بغیر کھول نہیں سکتے۔ اس لیے ستر ہزار پردہ، سیاہ و سفید طالب و مطلوب کے درمیان رکھا گیا ہے۔ ہر پُر درد آہ سے جو عاشق کے سرد دل سے نکلتی ہے۔ ایک پردہ دُور ہو جاتا ہے اور جوں جوں ایک ایک پردہ اُٹھتا جاتا ہے۔ اس راستے کی طلب اور پیاس زیادہ سے زیادہ بڑھتی جاتی ہے، اور آخرالامر محبت کا پھل یعنی اپنی ذات کو بھول جانا اور حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ مل جانا آسان ہو جاتا ہے۔ مثنوی:

سیرِ زاہد در مہ ویک روزہ راہ — سیرِ عاشق ہر زماں تا تختِ شاہ

عاشقِ وارستہ چوں از خود رہد — در زماں از نہ فلک می بگذرد

(ترجمہ)" زاہد کی سیر ایک ماہ اور ایک دن ہوتی ہے، مگر عاشق کی سیر علی الدوام جاری ہے، یہاں تک کہ اپنے بادشاہ کے تخت تک پہنچ جائے۔ آزاد اور فارغ البال عاشق جب اپنی ذات سے رہائی پاتا ہے، تو ایک ہی آن میں ساتوں آسمان سے پار چلا جاتا ہے"

چونکہ عہدِ الست کے آغاز کرنے والے (خدا تعالیٰ) نے ذوق وشوق کا گھونٹ عاشقوں کی جان کے گلے میں ٹپکا دیا ہے، تو اُسی کا اثر ان کے باطن میں موج مار رہا ہے۔ اُن کی زندگی اسی شوق سے قائم ہے اور اُن کا آرام اور اطمینان اسی لذت پر منحصر ہے۔ اگر ایک ساعت بھی اس شوق کی لذت اور حلاوت سے رُک جائیں تو لاکھ پُر درد آہ اپنی آگ سے بھری ہوئی سینے سے نکالتے ہیں اور آنسوؤں کا خون آنکھوں سے برساتے ہیں۔ اور ماتم زدہ لوگوں کی طرح لاکھوں دکھوں سے بے آرام اور بے قرار ہوتے ہیں۔ اور جب الٰہی کشش سے محبت کا گھونٹ پیتے ہیں، تو ایک اور پیالہ کے لیے شور مچاتے ہیں۔ اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا کچھ اس سے زیادہ بھی ہے) کے نعرے مارتے ہیں۔ جدائی کے دکھ کے باعث پُر درد سینے سے سرد آہیں بھرتے ہیں اور کبھی وصال کی مجلس اور ملاپ کی دولت کا راستہ پاتے ہیں۔ کبھی انس کے باغ میں ہنس رہے ہیں۔ اور کبھی یار کے فراق میں ترس رہے ہیں۔ کبھی اس خاکدانِ طلسماتی کے اسیر، اور ہوائے نفس کے پابزنجیر ہو جاتے ہیں اور کبھی ربانی تجلیات کے انوار سے منور اور نورانی۔

اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو بہادروں کی طرح اس راستے میں مضبوط قدم رکھ۔ اور عشق کے درد کا ایک ذرہ اپنے میں پیدا کر، کیونکہ الٰہی درد اور محبت کی چاشنی کا ذرہ بھر بھی ہزار بادشاہی سے بڑھ کر بہتر ہے۔ اس لیے اگر دردِ محبت کو ساتھ لے کر تھوڑی سی عبادت بھی کی جائے، تو وہ ہزاروں طاعات سے افضل اور بڑھ کر ہے۔ جو دردِ محبت

کے بغیر عبادت کی جائے، وہ نتیجہ خیز نہیں ہوتی۔ جس گروہ نے عشق و محبت کی بدولت مقصود کو تلاش کیا، تو بھی اسی راستہ سے مطلوبِ حقیقی کا پتہ چلا، اور آخر کار بہت ہی جلد اس سے واصل ہوئے۔

وجہ یہ ہے کہ عشق کی گرمی، بشری صفتوں اور نفسانی کثافتوں کو اس طرح سے جلاتی ہے جیسے ظاہری آگ خس و خاشاک کو۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے تھے "جس دن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک نیا درد اور تازہ عشق (الٰہی) پیدا نہ ہو، اُس دن کے چڑھنے میں خدا کرے برکت ہی نہ ہو۔" ؎

یک ذرہ درد رابدو عالم نمے دہم
زیرا کہ نیست ملک دو عالم بہائے اُو

(ترجمہ) اگر کوئی ہم سے دونوں جہان کے عوض میں ہمارے درد کے ایک ذرہ کا مبادلہ یا معاوضہ ادا کرنا چاہے تو ہم کبھی اس کو منظور نہ کریں۔ اس لیے کہ دونوں جہان اس کی قیمت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

ایک درویش اپنی سرگذشت بیان کرتا ہے کہ ایک رات مجھے حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی پاک درگاہ میں حاضر ہونے کی عزت حاصل ہوئی۔ اُس بیچوں و بیچگون نے مجھے خطاب کیا کہ ہماری درگاہ میں کیا تحفہ لایا ہے۔ اس وقت چند ایک گذشتہ (نیک) اعمال کا میرے دل میں خیال گذرا۔ تب خفگی آمیز خطاب ہوا کہ اے بیچارے یہاں پر جو بزرگ باعظمت خدا تعالیٰ کی درگاہ ہے، تو تیرا امیدوں کو ساتھ لانا ہی کافی ہے اور جو کچھ تو نے خطاب کے بارے میں سوچا ہے، سو اس درگاہ کا تحفہ آہ سرد ہے اور دل پُر درد۔

اور علم سلوک کے ایک رسالہ میں دیکھا گیا ہے کہ لاکھ علم سے ایک ذرہ عمل اور لاکھ عمل سے ذرہ بھر اخلاص، اور لاکھ اخلاص سے ذرہ بھر عشق، اور لاکھ عشق سے ذرہ بھر

شوق اور لاکھ شوق سے ذرہ بھر درد بہتر ہے۔ حقیقت میں عاشقوں کے لیے درد اور محبتِ الٰہی کے سوائے کچھ اور سرمایہ بہتر اور خوشتر نہیں ہے۔ جس میں درد و محبت نہیں ہے، وہ معرفت کی لذت کیا جانے۔ اگر بلا درد و محبت تو لاکھ زہد و عبادت کرے گا، تو بھی تجھے مزہ اور حلاوت نصیب نہ ہوگی اور اپنے اصلی مطلب تک ہرگز ہرگز رسائی نہ ہوگی۔

اے عزیز! اگر عاشق نہ ہوتے، تو کسی قسم کی بندگی خدا تعالیٰ تک راہ نہ پاتی۔

یہی عشق ہے جس نے محبوب کے چہرے سے بُرقع اتارا اور حجاب کے پردوں کو درمیان سے ہٹا دیا۔

یہی عشق ہے جو بے دلوں کے دل کو حلاوت بخشتا ہے اور مُشتاقوں کی جان کا مونس ہے۔

یہی عشق ہے جو عاشقوں کی متاع ہے، اور مسکینوں کے دردِ دل کی دوا ہے۔

یہی عشق ہے جو دردمند کا زخم ہے، اور زخمیوں کی جان کا مرہم ہے۔

یہی عشق ہے جو سوختگان کے سینے کا سرور، اور بے مرادوں کی مراد کا نور ہے۔

سُبحان اللہ! یہ عشق کیسی خوش انگیز اور اعلیٰ شراب ہے کہ ایک ہی پیالہ سے عاشقوں کو مست بنا دیتی ہے اور اصلی مطلب پر پہنچا دیتی ہے۔

یہ عشق کیا ہی درخشندہ نور ہے کہ عاشقوں کی مجلس کا چراغ ہے اور مشتاقوں کی شام کا سورج۔

یہ عشق کیا ہی خوشبودار ہوا ہے کہ محبوبِ حقیقی (خدا تعالیٰ) کا پیغام لاتی ہے اور دل کی بستہ کلی کو کھلاتی ہے۔

اے عزیز! قلم ابھی یہیں تک تھا کہ اچانک عشق کی فوج حملہ آور ہوئی اور میرے وقت کو خوشحال اور مالامال کر دیا اور زبان کی بُلبُل کو بے اختیار اس گیت کے گانے پر آمادہ کر دیا۔

۱- اے عشق بیا کہ انتظارم — درراہِ تو دیدہ باز دارم
۲- ہم دیدہ براہِ آرزو باز — ہم گوشِ تمنی اَش برآواز
۳- اے عشق بیا ترا بجویم — تا سرِ درونِ خود بگویم
۴- اے عشق بیا ترا گزیدم — وز ہر دو جہاں دلے بریدم
۵- اے عشق اگر شوی ہم آغوش — من ہر دو جہاں کنم فراموش
۶- اے عشق ہمیشہ باش من — یک شعلۂ شوق در دلم زن
۷- اے عشق مرا ز خود ربودی — لیکن سوئے دوست راہ نمودی
۸- اے عشق دمے بیا و بنشیں — من خستہ دلم غریب و مسکیں
۹- ہستی تو غریب و من غریبم — یک قطرہ ز جامِ تو چشیدم
۱۰- یک ذرہ دگر بدہ ازاں جام — تا کار ہمہ شود سر انجام
۱۱- روز از تو سیاہ شبے مرا بس — تخت از تو بہ خاکِ راہ مرا بس
۱۲- بہ پذیرہ بہ تحفہ جاں و بنشیں — بکشا کمر از میان و بنشیں
۱۳- از آمدنت چو گل شگفتم — دامنِ دامن بہار رفتم
۱۴- گل گرد بہار بختم امروز — بر گل بنہد تختم امروز

(ترجمہ) ۱- اے حضرتِ عشق! تشریف لایئے، بندہ آپ کے انتظار میں ہے اور آپ کے راستہ کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہے۔

۲- آرزو کے راستے میں آنکھیں بھی کھلی ہیں اور (آپ کی) تمنا میں کان بھی آواز کے مشتاق ہیں۔

۳- اے حضرتِ عشق تشریف لایئے۔ میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنے دل کے راز و نیاز آپ کے سامنے پیش کروں۔

۴- اے حضرتِ عشق! تشریف لایئے! بندہ نے آپ کو منتخب کیا ہے،

دونوں جہان سے قطع تعلق کر لیا ہے۔

۵- اے حضرتِ عشق! اگر آپ بندہ کے ہم آغوش ہوں، تو دونوں جہان کو بھول جاؤں۔

۶- اے حضرتِ عشق! آپ ہمیشہ بندہ کے ساتھ رہیئے، اور ایک شعلہ بندہ کے دل میں بھی لگایئے۔

۷- اے حضرتِ عشق! آپ نے مجھے آپے سے الگ کر دیا، لیکن یہ آپ ہی کی عنایت ہے کہ آپ نے دوست کی طرف راستہ دکھلایا۔

۸- اے حضرتِ عشق! ایک دم بھر کے لیے تو آیئے اور بیٹھئے! خستہ دل مسافر اور مسکین ہے۔

۹- آپ بھی مسافر ہیں اور میں بھی۔ ایک بوند آپ کے پیالہ سے بندہ کے بھی نصیب ہوتی ہے۔

۱۰- اس پیالہ سے ایک ذرّہ بھر اور بھی عنایت فرمایئے تاکہ میرے سب کام آراستہ ہو جائیں۔

۱۱- اگر آپ کی صحبت میں روزِ روشن بھی میرے لیے کالی رات ہو جائے، تو میرے لیے پسندیدہ ہے، میں خاکِ راہ کو ہی آپ سے تخت یقین کر لوں گا۔

۱۲- بندہ کی جان بطورِ تحفہ قبول فرمایئے، مگر بیٹھ جایئے۔ کمر کھول دیجئے اور تشریف رکھیے۔

۱۳- آپ کی تشریف آوری سے بندہ پھول کی طرح کھل گیا، اور میں نے جھولیوں میں بہار کو جمع کر لیا۔

۱۴- میرے بخت کی بہار نے آج پھول کھلا دیتے ہیں۔ پس آج میرے تخت کو پھولوں پر رکھ دو۔"

سُبحان اللہ! عشق کیسی ہی درد انگیز محبت وشوق ہے اور کیا ہی نشاط آمیز جلن ہے۔ اگر یہ لذت ناک پیالہ ہمیشہ میرے حلق میں اترتا رہتا، تو ضرور ہی آب وگل (جسم خاکی) کی خودی سے مجھے اس نے خلاصی دی ہوتی ؎

چہ بودے گر مدام ایں نشہ بودے   کہ بر دیوانگی مستی فزودے

(ترجمہ: "کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ نشہ ہمیشہ ہوتا اور دیوانہ پن کے ساتھ ہی مستی بھی بڑھتی رہتی۔")

اے عزیز! میرا یہ مدعا تھا کہ اس درد واندوہ کو زبانِ قلم پر لاؤں اور اس حال سے قال کو ادا کروں، لیکن قلم اس کے بیان سے عذر خواہ ہے، اور زبان کی کشتی اس ناپیدا کنار سمندر میں تباہ۔ اس لیے پھر اصلی مدعا شروع کرتا ہوں اور دردمند عاشقوں کے لیے چند عاشقانہ لطیف باتیں بیان کرتا ہوں۔

غور سے سُن! دنیا کا طالب دنیا کی لذتوں میں مسرور ہے۔ آخرت کا طالب بخیال حُور وقصور ہے اور خدا تعالیٰ کا طالب غیروں کے خیال سے دُور ہو کر حق سبحانٗ تعالیٰ کی محبت سے بھرپور ہے اور دونوں جہانوں میں مغفور الحق مغفور کیونکر نہ ہو کہ عشق کی آگ سے اس نے اپنی جان کے خردار کو جلا دیا ہے اور ماسوائے کے خس وخاشاک کو درمیان سے ہٹا دیا ہے اور دل کی آنکھوں کو غیرِ حق سے سِی دیا ہے ؎

عِشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(ترجمہ: "عشق وہ شعلہ ہے کہ جب بھڑک اٹھا تو معشوق کے سوائے باقی سب کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔")

جب عشق اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو پھر عاشق کسی طرف بھی نگاہ نہیں کرتا۔ اگر ایک ساعت بھی اس سے ہٹ کر غیر کی طرف متوجہ ہوا، تو عشق کی فوج اس کے دامنِ دل کو

کھینچتے ہوئے پھر محبت کی گلی میں لاتی ہے۔ عاشق واویلا اور شور مچاتا ہے اور عین وصال اور اتصال کی حالت میں حضرتِ لایزال کے خوبصورت چہرے کے دیکھنے کی پیاس اور بھی بڑھتی ہے۔ اور (ربِّ اَرِنی (اے میرے پروردگار! تو اپنا پاک جمال دکھا) کا نعرہ مارتا ہے اور زبانِ حال سے کہتا ہے ؎

از بارِ غمش گزیدہ دارم جگرے

کاں را نکند ہیچ فسونے اثرے

(ترجمہ) "اس کے غم کے بوجھ سے میرا دل اس طرح کٹ گیا ہے، کہ کسی قسم کا جنتر منتر اس میں اثر نہیں کر سکتا۔"

حضرتِ مولانا نظام الدین حسین قدس سرہٗ نے اس عالمِ فانی سے رحلت فرماتے وقت اپنے یاروں اور دوستوں کو اس طرح وصیت کی: اے دوستو! وہ امور جن پر خدائے تعالیٰ کا ملاپ منحصر ہے، تین ہیں:

اوّل: خدا تعالیٰ کا کلام (قرآن مجید)

دوم: محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث

سوم: دین کے مشائخوں کے ملفوظات (خداوند تعالیٰ ان سب پر راضی ہو)

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا: "اس راستے کا سردار وہ شخص ہونا چاہیے کہ کتاب اللہ دائیں ہاتھ میں لے اور حدیث وسنتِ رسول بائیں ہاتھ میں اور ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ گمراہی نہ پڑے اور یہ راستہ اُس پر روشن ہو۔"

اس لیے مشائخینِ طریقت حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہونے کے طریق کو قرآن وحدیث سے نکالتے ہیں۔

شیخ المشائخ علی المتقی نے اپنی تصنیفات میں لکھ دیا ہے۔ اگر کوئی شخص عالم باعمل کو

اپنا امام بناتے۔ یعنی قرآن وحدیث پر جیسا کہ عمل کرنے کا حق ہے، مداومت کرے، تو امید ہے کہ سعادت کے دروازے اُس پر کھُل جائیں گے اور معنوی دولت سے بہرمند ہوگا۔ پس جو کوئی کتاب وسنّت کے موافق عمل کرے، یعنی امر ونہی۔ توکّل۔ صبر۔ تقویٰ۔ اور زہد وغیرہ پر مستقیم رہے۔ عبادت کو اخلاص سے ادا کرے اور یادِ خدا فراغ دلی سے اُس کو میسّر ہو، اور ظاہر وباطن میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع میں بھی متمسک ہو۔ خداوند تعالیٰ اُس کا ہادی ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عنایت کے حجرے میں پرورش پاتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس سعادت کے طالب کو لازم ہے کہ ہمّت کا گھوڑا فاذکرونی اذکرکم (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) کے میدان میں دوڑا دے اور غیر حق سے دل نہ لگائے۔

اور ذکر کے طریق کی اجازت شیخ کامل سے مکمل کر کے گوشہ میں بیٹھ کر اس کثرت سے ذکر کرے کہ خلوت، صحبت، بیٹھتے اٹھتے، کھاتے پیتے، اور باقی تمام حالات میں بے یادِ حق نہ رہے اور جو اس دولت کے منافی ہو، اس سے بچتا رہے، تاکہ کثرتِ ذکر سے شوق کا سورج، اس کے باطن کے مطلع سے سر نکالے اور اس کی حرارت کی گرمی سے محبت کا شعلہ اس کے دل میں روشن ہو۔

یک لحظہ زیادِ دوست دُوری

در مذہبِ عاشقاں حرام است

(ترجمہ: عاشقوں کے مذہب میں لحظہ بھر بھی دوست سے جُدا رہنا حرام ہے۔)

جب طالب تمام علاقوں کو اپنے دل سے دُور کر کے اور دل کو تمامی معلومات سے خالی کر کے رات دن یادِ خدا میں مشغول رہے، تو امید ہے کہ ذکر کی کثرت سے ذوق وشوق کا نور اس کے سینے میں ظاہر ہونے لگے۔

زلوحِ خاطرِ عاطر غبارِ غیر بشو
کہ شرطِ عشق بود دل یکے و یار یکے

(ترجمہ) "اپنے پاک صاف دل کی تختی سے غیریت کے غبار کو دھو ڈال۔
کیونکہ عشق کے بازار میں ایک ہی یار منتخب کرنا شرط ہے۔

کیونکہ یہ بات کاملانِ اہلِ طریقت کے نزدیک مقرر ہے کہ عشق و محبت کی آگ اس شخص پر شعلہ مارتی ہے جس کے باطن سے غیر محبوب بالکل نکل جائے۔ پس جس کو خداوند تعالیٰ اپنی دوستی میں لیتا ہے، اس کے باطن کو اپنے غیر سے پاک کر دیتا ہے اور ذکر کے ذریعہ سے اس کو اپنے نزدیک بلا لیتا ہے اور اپنی دوستی اور محبت سے اُس کو سرفراز کرتا ہے۔

تیسرا طریقہ، بہت ہی آسان اور زیادہ تر نزدیک مقرر ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کی صحبت اختیار کرے جس کا ظاہر شریعت کے چراغ سے روشن ہو۔ اور جس کا باطن عشق و محبت کی آگ سے جل گیا ہو تاکہ اس کے باطن کی گرمی اس میں اثر کرے اور درویشوں کی صحبت کی برکت سے یہ بھی انہیں کا ہم رنگ ہو ؎

با عاشقاں نشین و ہمہ عاشقی گزیں
با ہر کہ نیست عاشق باؔو مشو قریں

(ترجمہ) "عاشقوں کے ساتھ بیٹھ اور عاشقی ہی کو پسند کر، اور عاشق نہ ہو، اس کا ہم نشین نہ ہو۔"

عارفِ ربانی شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس سرہٗ نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ "اس کے ساتھ بیٹھ کہ تُو بالکل وہ ہو جائے اور وہ بالکل تُو ہو جائے تاکہ تم دونوں حق سُبحانہٗ تعالیٰ میں گُم ہو جاؤ نہ ہی تُو رہے اور نہ ہی وہ رہے۔"

حضرت ابوبکر صیدلانی قدس سرہٗ نے فرمایا: "حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھو۔

اگر تم سے ایسا نہ ہو سکے، تو پھر ایسے شخص کے ساتھ صحبت رکھو، جو خداوند تعالیٰ کا محبت دار ہو تاکہ اپنی محبت کی برکت سے تم کو خدا تعالیٰ تک پہنچا دے۔ اس لیے کہ اس گروہ کی صحبت کیمیا ہے، جو وجود کے کالے لوہے کو خالص سونا بنا دیتی ہے، اور بہت سی مصاحبت کے باعث اصحابِ نفس، ان کے دم کی برکت سے غیر کی محبت اور گرفتاری سے نجات پا جاتے ہیں اور عاشقِ شکستہ اور اپنی ذات سے وارستہ ہو جاتے ہیں ؎

گر تو خواہی مرد گردی اے فقیر
صحبتِ صاحبدلاں را پیشہ گیر

(ترجمہ) "اے فقیر! اگر تو مرد بنا چاہتا ہے، تو صاحب دلوں کی صحبت کو اپنے اوپر لازم رکھ۔"

حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ فرماتے تھے: "جن کی بشریت کا اندر قسم قسم کی صحبتوں سے گندا ہو گیا ہو، اہل اللہ بزرگواروں کی صحبت کے سوا جو کبریتِ احمر کا حکم رکھتی ہے، اصلاً اصلاح پذیر نہیں ہوتا۔"

افسوس صد افسوس! اس پاک جماعت کا کسی نے کچھ قدر نہ کیا۔ اور کسی ایک نے بھی انہیں نہ پہچانا۔ اگر اس قسم کے کسی بزرگ کی صحبت (جو اپنی ذات سے خلاصی پا کر حق کے ساتھ مل گیا ہو) وطن میں میسر نہ ہو سکے اور طالب کو طلب دامن گیر ہو تو لازم ہے کہ اس دولت کے حصول کے لیے اہل اللہ کے کلام کے چند اوراق ہر روز پڑھا کرے تاکہ ہمیشہ محبت اور شوق تازہ ہوتا رہے۔

حضرت شیخ ابو علی دقاق قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا: اہل اللہ بزرگوں کی باتیں سننے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟" فرمایا: "بے شک فائدہ ہوتا ہے:

اوّل: یہ ہے کہ اگر انسان طالب ہے تو قوی ہمت ہو جاتا ہے اور اس کی طلب بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔

دوم: یہ ہے کہ اگر کسی میں گھمنڈ ہے تو ٹوٹ جاتا ہے اور دعویٰ اور مغروری

سرسے دُور ہوجاتی ہے اور اپنے عیبوں پر اطلاع پالیتا ہے۔

حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ نے فرمایا: حق تعالیٰ کے طالب کو لازم ہے کہ ہر روز مشائخ اور اہل اللہ کے کلام سے چند ورق مطالعہ کیا کرے تاکہ دنیا (اور دنیا کی محبت) اس کے دل سے سرد ہوجائے اور عقبیٰ یاد آجائے اور ذوق و شوق بڑھے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی دوستی دل میں پیدا ہو۔ اور اہلِ کمال کی حکایتوں، ریاضتوں، عبادتوں، عادتوں، اور درجوں وغیرہ سے واقف ہو۔ جب اس قسم کی باتیں سنے، توضرور اس مطلب سے آگاہ ہوجاتا ہے کہ یہ کیا ہی درد اور شوق ہے، جو عاشقوں کی جان میں قضا و قدر نے ڈال دیا ہے، اور یہ کیا ہی دولت ہے کہ جس سے مشتاقوں کو نوازا ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

(ترجمہ) "عشق معشوق کے دیکھنے سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات باتیں سننے سے بھی یہ دولت نصیب ہوجاتی ہے۔"

بس یہی تین طریقے محبتِ الٰہی کے حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ مجھے کیا خبر ہے کہ کون سعادت مند ہے جو اس دولت سے رغبت حاصل کرے اور کون نیک بخت ہے، جو کوشش کے ناخنوں سے اس مضبوط گرہ کو کھولے: "بہادرو! تلاش کرو کہ تمہیں ملے" جس نے ڈھونڈا پالیا ؎

تو راہ نہ جستۂ ازاں نہ نمودند

ورنہ کہ زد ایں درش نہ کشودند

(ترجمہ) "تو نے تلاش ہی نہیں کی، اس سبب سے انہوں نے ظاہر نہیں کیا، ورنہ کونسا ایسا ہے جس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور انہوں نے نہ کھولا۔"

چنانچہ حضرت ربّ العزت کا خطاب غفلت کے جنگل کے سرگشتوں کو ہے ؎

تو خاصہ باش کہ ما نیز ترا ایم — در ہر دو جہاں مقصد و مقصود تو ما ایم
گر یک دم از راہِ طلب سوئے من آئی — تا صد قدم از راہِ کرم سوئے تو آئیم

(ترجمہ: تو ہمارا ملک ہو، ہم بھی تو تیرے ہی ہیں۔ دونوں جہان میں تیرا مقصد اور مقصود ہم ہی ہیں۔ اگر طلب کی راہ سے تو ہماری طرف ایک قدم رکھے، تو ہم بخشش کی راہ سے سو قدم چل کر تیرا استقبال کریں۔")

پس اس مطلب کو یقینِ دل سے جان کہ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم کے دروازے کسی وقت بھی بند نہیں ہوتے، مگر کیا فائدہ جب کوئی آرزومند اور خواستگار ہی نہ ہو۔ مقبول درگاہِ باری حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہٗ نے فرمایا،

"اگر کوئی آئے تو دروازہ کھلا ہے۔ اگر نہ آئے، تو خدا تعالیٰ بے نیاز ہے۔"

اے عزیز! اگر تو نے اپنی ساری عمر غفلت میں گذاری ہو اور ایک بار سچے دل سے یا رب کہے، تو تجھے ستر بار لَبَّیْکَ عَبْدِیْ (اے میرے بندہ میں حاضر ہوں) کی آواز آئے۔ اور خداوند کریم از راہِ لطف و کرم جواب عطا فرمائے جیسا کہ حدیث قدسی کا مضمون ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(ترجمہ: جو کچھ تو کر گزرا ہے اس سے ہٹ کر ہماری طرف چلا آ۔ اگر تو کافر، بت پرست یا گبر ہے۔ ہماری درگاہ کی طرف لوٹ آ۔ ہماری درگاہ کسی کو نومید نہیں کرتی۔ اگر سو بار تو نے توبہ توڑ دی ہے، تو بھی کچھ مضائقہ نہیں لوٹ آ۔")

نقل ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میں نے آج ایک ایسی چیز دیکھی ہے، جو پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک شہر میں ایک

بُت پرست رہتا تھا۔ بُت کو کہتا تھا: اے صنم! اے صنم!" ایک دفعہ اس کی زبان سے غلطی سے نکل گیا: "اے صمد" خداوند تعالیٰ کے پردے سے آواز آئی:

"اے میرے بندے مَیں حاضر ہوں"

میں نے عرض کیا: "اے خداوند! وہ بُت پرست تو اپنے بُت کو پُکار رہا تھا۔ صمد کا لفظ تو غلطی سے اس کی زبان سے نکل گیا ہے، تو کیسے اس کو قبول کرتا ہے؟"

فرمان آیا: "اے جبرائیل! اگر اس نے اپنے معبود کو گُم کیا ہے تو ہم تو خوب جانتے ہیں کہ اُس کا معبودِ حقیقی کون ہے! جب حقیقت میں اس کا معبود میں ہوں، تو جس وقت وہ مجھ کو بلاتا ہے، میں اسے قبول کرتا ہوں۔"

حضرت خواجہ ابراہیم ادھم قدس سرہٗ ایک دن کعبہ معظمہ میں طواف کر رہے تھے کہ اُن کی زبانِ مبارک سے نکلا: "بارِ خدایا! میرے گناہ بخش دے۔" تب انہوں نے یہ آواز سُنی: "جو تو چاہتا ہے، وہ سب چاہتے ہیں۔ اگر سب کے سر پر پاکدامنی کا عمامہ بندھوا دیں، تو پھر بخشش کا خزانہ اور جواہرات کی کان کس کس کو عطا کریں؟ اگر کوئی گناہ سے آلودہ نہ ہو، تو پھر ہماری عنایت کی بارش کس کو دھو دھا کر صاف کرے؟ اگر کوئی گنہگار نہ ہو، تو پھر ہمارا لطف و کرم قبولیت کے اسرار کس کے سامنے ظاہر کرے؟"

سُبحان اللہ! اُس اکرم الاکرمین، ارحم الراحمین اور ربّ العالمین کا کیا فضل و کرم ہے اور کیسی وسیع مغفرت ہے کہ اپنے بندوں کے حق میں کیسے کیسے بے غایت کرم اور بے نہایت لطفِ عمل لاتا ہے، جو کوئی ایسے مالک کے فضل و کرم سے محروم اور بے نصیب ہے، وہ صریحاً بدبخت اور کم نصیب ہوگا۔

پس ہوشیار ہو اور غفلت کی رُوئی کو ہوش کے کانوں سے نکال، اور چند قدم مضبوطی کے ساتھ اس راستہ میں رکھ اور خدمت کا دامن اپنی کمر پر چست باندھ۔ دنیا کی طرف پاؤں موڑ اور عقبیٰ کی طرف بیٹھ کر اور اپنا مُنہ اپنے خالقِ حقیقی کی طرف لا۔ اگر لاکھ

محنت اور مشقت اس راستہ میں پیش آئے، تو بھی تجھے یہی لازم ہے کہ اپنا منہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ پھیرے اور اس کی تلاش میں ثابت قدم اور صادق رہے۔ جب ان تین قسم کی سعادتوں سے، جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، تو محروم رہ گیا، تو پورے چالیس دن تک حلال کی روٹی کھا، اور اپنی زبان کو جھوٹ کہنے اور لغو باتوں سے نگہ میں رکھ اور خلوت میں بیٹھ کر عجز و نیاز کے ساتھ توبہ و استغفار کر اور ہاتھ اٹھا کر حق سُبحانہٗ و تعالیٰ سے اس کی محبت کی درخواست کر، کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

"تم مانگو کہ میں تمہیں دُوں"

اس لیے کہ میری رحمت کے خزانے مالا مال ہیں اور میری بخشش اور مرادیں دینے والی ہے۔ وہ کون گدا ہے جو میرے سامنے عجز و نیاز کا ہاتھ لایا اور میں نے اس کی اُمید کا نقد اس کی ہتھیلی پر نہ رکھ دیا ہو۔ اور وہ کون محتاج ہے جس نے سوال کی زبان کھولی اور اس کی حاجت کے رقعۂ اجابت کے فرمان سے ہم نے قصد نہ کیا ہو۔ خصوصاً آدھی رات کے وقت جو مغفرت چاہنے والوں کی مغفرت گاہ ہے۔ اور گداتیوں کے عطا اور مشکلات کے دروازوں کے کھُلنے کا وقت ہے، خالص نیت سے مانگ اور جو کچھ تجھے مطلوب ہے، اس کے لیے خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں مناجات کر۔ امید ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے آدھی رات کی دعا کا تیر، قبولیت کے نشانہ پر جا بیٹھے گا اور عشق کا سورج ہر باطن میں روشن ہو گا۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

جب آدھی رات گزر جاتی ہے، اور تمام دُنیا سو جاتی ہے۔ تب خداوند تعالیٰ کا لطف و رحمت جوش میں آتے ہیں اور حضرت رب العزت کا جلال اور عظمت نچلے آسمان پر اُترتے ہیں اور اپنے بندوں کو خطاب فرماتا ہے:-

"اے مجبور خاکیو! اور اے مغرور خاطیو! ہم نے رحمت کے دروازے کھول دیئے۔

(تم میں سے) وہ کون ہے جو حال کی زبان اور مقال کے صدق سے کوئی مراد مانگے تاکہ ہم اس کی حاجت روا کریں؟ اور کون ہے جو اس وقت تمنا کرے کہ ہم اس کو اپنی لامحدود عطایا سے مسرور کریں؟"

پس وہ وقت جو اجابت یا قبولیت کا ایک ہی موقعہ ہے۔ خدا سے خدا کے سوا اور کچھ نہ مانگ۔ (یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ) جب محبوب اپنے محب کو (کسی معاملہ میں) اختیار دیتا ہے کہ مجھ سے مانگ۔ اور محب مذکور، محبوب کو چھوڑ، غیر محبوب کی درخواست کرے، تو یہ اس کی کمال پست فطرتی کا مبلغ ہے اور محبت اور عشق کو چھوڑ کر کسی اور شے کی درخواست کرنا، نہایت ہی کوتاہ ہمتی کا منشا ہے۔ پس اس وقت میں جو قبولیت کا مقام ہے، عجز سے یہ **مُناجات** پڑھو:

بارِخدایا: اپنی جان پر کھیل جانے والے عاشقوں کی عزت کے واسطے، جنہوں نے محبت کے قمار خانہ میں دونوں جہان کو ہار دیا ہے، مجھے اپنی محبت کے نشے سے مست کر، تاکہ غیروں کی محبت میرے دل میں ہرگز نہ رہے۔

بارِخدایا: علی الصبح بیدار ہونے والے عاشقوں، اور آنسو برسانے والے دردمندوں کی عزت کے واسطے۔ عشق کے شراب خانہ سے مجھے محبت کی شراب پلا۔ تاکہ اس کی مستی سے اپنی ہستی پر کھیل جاؤں۔

بارِخدایا: اپنی پاک ذات کے دیدار کے مشتاقوں کی عزت کے واسطے، جو تیرے عشق میں جانبازی کرتے ہیں۔ میری روح کی بلبل کو اپنے جمال کے باغ پر والہ و شیدا کر تاکہ تیرے شوق و ذوق میں اپنی ذات سے بے خود اور مست ہو جاؤں۔

بارِخدایا: تیز رفتار عاشقوں کی عزت کے واسطے، جو دونوں جہان سے بے فکر ہیں اپنی محبت کے قید خانہ میں محبوس کر، اور شوق کا طوق میری گردن میں ڈال۔

بارخدایا، اپنے پاک باز مردوں کی عزت کے واسطے جنہوں نے اپنے دلوں کو تیرے غم سے پاک کر لیا ہے میرے دل کو ماسوائے سے ہٹا لے تاکہ کوئی سانس بھی تیری یاد اور تیرے حضور کے سوا نہ لے سکوں۔

بارخدایا، گوشہ نشین عابدوں کی عزت کے واسطے، جو کسی وقت بھی تیری عبادت سے فارغ نہیں ہیں اور اپنے قصوروں سے سر بھی نہیں اٹھا سکتے۔ اس مفلس بیمار کو رات اور دن اپنی طاعت میں نگاہ رکھ، تاکہ کسی وقت بھی کسی اور کام میں مشغول نہ ہو سکوں

بارخدایا، اہلِ معرفت عارفوں کی عزت کے واسطے، جو اپنے دل کے شیشے کو ماسوائے کے گرد و غبار اور آب و گِل کی کدورت سے صاف و شفاف رکھتے ہیں، غفلت کے پردہ کو میری بصیرت کی آنکھ سے دُور کر، اور ہر چیز کی حقیقت جس طرح سے کہ فی الواقع ہے، مجھے دکھا۔

بارخدایا، اپنے مقرب المقربین کی عزت کے واسطے، جن کا دل تجلیات کے انوار سے روشن ہے، اپنی معرفت کے نور سے میرے باطن کو منوّر کر۔ اور میرے دل کے فانوس کو تجلیات کی شمع سے روشن فرما تاکہ بیہودہ خیالوں اور باطل فکروں سے محفوظ رہ سکوں۔

بارخدایا، عاشقوں کی سرد آہ اور (تیرے فراق میں) جلے ہوؤں کے سینے کے نور کی عزت کے واسطے، جو وصال کے شوق و ذوق کے غلبوں سے لذتیں لیتے اور خوش ہوتے ہیں۔ غفلت کے سمندر میں ڈوبے ہوؤں کو اپنے کرم و عنایت کے شراب خانے سے محبت کا ایک گھونٹ پلا تاکہ تیری مغفرت کے دریا سے تر و تازہ اور غفلت کی نیند سے بیدار ہوں۔

اے عزیز! اگر تیرے دل کو اطمینان اور باطن کو لذت اور حلاوت

پہنچ گئی ہو تو اہل اللہ کی یہ مناجات، جو بڑی معتبر کتابوں سے چُن کر لکھی گئی ہے، اسے بھی پڑھا کر۔

بارخدایا! نہ میرا کوئی عمل ایسا ہے کہ تیری بزرگ اور برتر درگاہ کے قابل ہو۔ نہ میری اور کوئی بات ایسی ہے کہ اس درگاہ میں قبولیت کا شرف پا سکے۔

بارخدایا! مجھے ایسا دل عطا کر جس میں سوائے تیرے اور کچھ نہ سما سکے اور جو تیرا غیر ہے، اس میں ایک جَو بھر بھی نہ ٹکے۔

بارخدایا! مجھے وہ زبان عطا کر کہ ہر دم تیرا ہی شکر اور حمد و ثناء کہے اور ایسا نفس عنایت کر جو کلمہ طیبہ کے ساتھ تیری طرف بھاگے۔

بارخدایا! تُو وہی تو ہے، جو اپنی رحمت اور کرم کے دریا سے اپنے بندوں کو تروتازہ کرتا رہتا ہے۔ تُو وہی تو ہے جو گنہ گاروں کو اپنے کمال فضل و کرم سے منزلِ مقصود پر سلامتی کے ساتھ پہنچاتا ہے۔

بارخدایا! ہماری بے نصیبی اور محرومی، ہماری اپنی خودی کی بدولت ہے۔ اپنے فضل و کرم سے ہم کو اس سے رہائی دے اور اپنے ساتھ آشنائی۔

بارِخدایا! عنایت کی ایک نظر مجھ ناچیز کے حال پر فرما کہ میں سخت درماندہ ہوں۔ اور اپنی طرف کا راستہ دکھا کہ تیرے در پر کھڑا ہوں۔

بارخدایا! اپنے کرم و احسان کے دوائی خانہ سے مجھے شربت پلا کہ غفلت کی بیماری سے لاچار ہوں اور عشق کے شراب سے ایک شوق کا پیالہ انعام فرما کہ ماسوائے میں گرفتار ہو جانے کے ادبار میں پڑا ہوں۔

بارخدایا! ہماری زبان کو ان باتوں سے جن میں ہمارا نقصان ہے تو ہی خاموش رکھ اور ہمارے دلوں کو ان خیالات سے جن میں ہماری خواری ہے، تو ہی فراموش رکھ۔

بارِخدایا! ہمیں ایسا وقت عنایت کر کہ ہم اپنے گزشتہ دکھ درد دل لے جائیں اور ایسی حالت عطا کر کہ ناشدنی رنج اپنی گردن پر نہ لے جائیں۔

بارِخدایا! جو تحفے اور سوغاتیں تو نے ہمیں انعام کیے ہیں، ہماری بے ادبیوں کے باعث ہم سے واپس نہ لے۔

بارِخدایا! تجھ پر کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔ پس ہماری بداعمالیوں پر تو ہی پردہ ڈال۔ اور جبکہ تجھ پر کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ تو ہماری بداعمالیوں کی رسوائی کو بخش دے۔

بارِخدایا! ہم مفلس و قلاش اور بے شک بہت بڑے عاصی اور گنہ گار ہیں۔ لیکن تیری رحمت کے امیدوار ہیں۔ اپنے کمال کرم سے ہم کو مقبولوں کی جماعت میں داخل کر۔

بارِخدایا! ہماری برائیوں کو بخش دے اور ہماری بدکرداریوں کی طرف نہ دیکھ ؎

بے نیاز ابر نیازِ ما بہ بخش گرچہ غفلت کردہ ایم اما بہ بخش

پائے در گل ماندگاں را دستگیر عذر ناہموار ما را در پذیر

باطنِ سرگشتگاں را راہ نما از بروں افتادگاں را در کشا

(ترجمہ) "اے بے نیاز خدا! ہماری عاجزی ہے کہ ہمیں بخش دے۔ اگرچہ ہم غفلت میں غرق ہیں، تو ہمیں بخش دے۔ کیچڑ میں پھنسے ہوئے بندوں کا تو ہی دستگیر ہے۔ ہمارے ناہموار عذروں کو قبول کر۔ بھٹکے ہوئے لوگوں کے باطن کو تو ہی راستہ دکھا اور باہر پڑے ہوئے لوگوں کے لیے تو ہی راستہ کھول"۔

بارِخدایا! ہمارے دلوں کے آنگن کو، پریشان تفکرات کے خس و خاشاک سے خالی کر، اور ہمارے ناقص اور سست فہموں کو اپنے عشق و محبت کے ادراک سے بزرگی بخش۔

بارِخدایا! اپنے بے نہایت کرم اور بے غایت فضل کی عزت کے واسطے، ہم کو اپنی درگاہ سے محروم نہ کر۔ اور آخری دم میں کہ زندگی کی امید منقطع ہے۔ ہمارے

کانوں کو لا تخافوا ولا تحزنوا (تم کسی قسم کا خوف نہ کرو اور غمگین نہ ہو) کی آواز سے مشرف کر۔ بہ برکت و عزت اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس کی آل و اصحاب کے واسطے۔

اے عزیز! سب سے زیادہ بلند مقام اور کمال سعادت اور اعلیٰ نعمتوں اور رتبوں کی انتہا حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت اور دوستی ہے۔ اگر تجھے مل چکی ہے تو خوشی کر، اگر نہیں ملی تو تلاش کر۔ اگر تو نے پالی ہے، تو اس کے شوق میں مست ہو، اگر نہیں پائی، تو تلاش میں چست ہو ؎

گر نداری شادیٔ از وصلِ یار
خیز بر خود ماتمِ ہجراں بدار

(ترجمہ) "اگر یار کے وصال سے تجھے خوشی حاصل نہیں ہوئی، تو اُٹھ، اپنے حال پر جدائی کا ماتم کر۔"

الغرض کئی ایک دفتر لکھوں اور بہت سی کتابوں کی جلدوں کو سیاہ کروں، تو بھی عشق کی حقیقت کا ایک شمہ بھی نہ لکھ سکوں گا ؎

گر بگویم شرحِ عشقے بر دوام
صد قیامت بگذرد ہم ناتمام

(ترجمہ) "اگر ہمیشہ عشق کا بیان سناتا رہوں، تو اگر ایک سو قیامت کا عرصہ بھی گزرے، تو بھی ناتمام ہی رہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی عزت اور برکت کے ذریعے سے جن کے دل دَرد کی آگ سے جوش مارتے رہتے ہیں۔ اور شوق کے غلبے سے ان کے سینوں میں شور برپا ہے۔ اپنے تمام بندوں اور اس عاجز گنہ گار کو اپنے عشق و محبت سے نہال اور اپنے فضل و کرم سے مالا مال کرے۔

مناجات

(بوقت خاتمۂ کتاب)

اللّٰھمّ احرق عوارض قلبی بنار عشقك و تزدد شوق الیٰ جمالك و محبّتك و نوّر قلبی بنورِ معرفتك و اقطع حجاباً من بینی و بینك یا ذوالجلال والاکرام۔

(ترجمہ) "بار خدایا! میرے دل کے عارضات کو اپنے عشق کی آگ سے جلا ڈال اور اپنے پاک جمال اور محبت کے شوق کو بڑھا ڈال۔ میرے دل کو اپنی معرفت کے نور سے روشن کر۔ اور میرے اور آپ کے درمیان جو ایک قسم کا پردہ ہے اُسے پھاڑ ڈال، اے صاحبِ عظمت اور بزرگی کے۔"

توقع زاخوانِ اہلِ صفا بجز او عبہ نیست دیگر مرا
ہر آنکس کہ خواند دُعائے کند بیامرزد او را خدائے جزا

(ترجمہ) "برادرانِ اہلِ صفا سے سوائے اس کے اور کچھ امید نہیں کہ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں گے اور جو شخص اس کتاب کو پڑھے، خداوند تعالیٰ اُسے بخش دے۔"

آمین ثم آمین

تمت بالخیر

ارشاداتِ امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی و عداوت تک پہنچا دیتی ہے۔ (مکتوبات ۱۶۷ جلد اوّل)

سب سے بڑی نیکی احیائے اسلام، خصوصاً اس دور میں جب شعائرِ اسلام کو مٹایا جارہا ہو۔ (مکتوبات جلد اوّل)

نفسانی خواہشات کے ازالہ کے لیے احکامِ شرعیہ میں سے ایک حکم کو بجالانا ہزار سالہ ریاضت و مجاہدہ سے بہتر ہے، جو اپنی طرف سے کیے جائیں۔

(مکتوب ۵۲ جلد اوّل)

مستحب عمل کو معمولی نہ جانیں مستحب بھی خدا کا پسندیدہ عمل ہے۔ اگر خدا کا پسندیدہ عمل کرنے کا موقع مل جائے تو اسے غنیمت جانیں۔

(جلد اوّل ۲۶۶)

جو شخص متروک العمل سنتوں میں سے کسی ایک کو زندہ کرے اُسے سو (۱۰۰) شہیدوں کا ثواب۔ اُس کے ثواب کا کیا حال ہوگا۔ جو کسی فرض یا واجب کو زندہ کرے۔ (مکتوبات ۸۷ جلد دوم)